خصوصی اشاعت

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

بیادگار

حضرت مولانا مفتی

# نسیم احمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر: خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

# فریدی نمبر

مدیر الفرقان

مدظلہ

سالانہ چندہ:
اندرون ملک: —— ۳۵/-
اس نمبر کو اجراء کے لئے (مع رجسٹری فیس) —— ۴۵/-
پاکستان ۸۰/- (اس نمبر سے اجراء کے لئے) —— ۱۰۰/-

بیرونی ممالک (بحری ڈاک) ۱۰۰/- یا £5/-
بیرونی ممالک (ہوائی ڈاک) ۲۲۰/- یا £15/-
فی شمارہ —— ۳/۵۰
اس نمبر کی قیمت —— ۲۵/-

اگر اس دائرہ میں (X) سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع اگست کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔ (منیجر)

٭ پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ
ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور

محمد حسان نعمانی پرنٹر پبلشر نے اسکائی لائن پرنٹرس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان نظیر آباد لکھنؤ سے شائع کیا۔

# فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# نگاہِ اولیں

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

مولانا نسیم احمد فریدیؒ نمبر آپ کے ہاتھ میں ہے، مولانا کی شخصیت اور انکے مجاہدات وکمالات پر نظر کی جائے تو یہ مجموعہ کچھ بھی نہیں لیکن جن حالات میں یہ نکلا ہے اور جس انداز سے اس شکل تک پہنچا ہے اس سب کو دیکھتے ہوئے اسے مولانا کی کرامت اور اللہ تعالیٰ کی خاص تائید ونصرت کا ظہور کہنا بھی شاید بیجا نہ ہوگا۔

چند ماہ قبل (۱۶ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو) حضرت مولانا فریدیؒ کا وصال ہوا تو اس خاص تعلق کی بناء پر جو الفرقان اور صاحب الفرقان کو آپکی ذات گرامی سے رہا ہے راقم سطور کے دل میں سخت تقاضا پیدا ہوا کہ مولانا کی یاد میں ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا جائے، میں ان دنوں سخت بیماری کے مرحلے سے گذر رہا تھا چنانچہ جب میں نے اپنا یہ خیال والد ماجد مدظلہ کے سامنے رکھا تو انھیں اسے قبول کرنے میں کچھ تردد ہوا۔ تاہم بالآخر انھوں نے فیصلہ فرمالیا۔ اور اب یہ نمبر الحمد للہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

الفرقان گذشتہ ۵۶ سال سے الحمد للہ مسلسل شائع ہو رہا ہے اس عرصہ میں برصغیر کا شاید ہی کوئی ممتاز اہل قلم ایسا ہو، جس کے نتائج فکر سے الفرقان کا دامن خالی رہا ہو لیکن مولانا فریدی کی اس درجہ خصوصیت رہی کہ گذشتہ پچاس سال کی فائلوں میں بہت کم شمارے ایسے ہیں جو مولانا کے افادات سے خالی ہوں ـــــ رسمی طور پر تو مولانا الفرقان کے مدیر تھے نہ رفیق، لیکن جیسا ربط و تعلق انھیں الفرقان سے تھا اور جیسی قدر افزائی وہ اسکی کرتے تھے شاید مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے علاوہ اسمیں کوئی ان کا شریک و سہیم نہ ہو۔

۱۹۷۴ء میں ایسے حالات آ گئے تھے کہ الفرقان کا جاری رکھنا بہت مشکل نظر آنے لگا تھا اور سنجیدگی سے یہ بات زیر غور تھی کہ مجبوراً الفرقان بند کر دیا جائے لیکن آخری فیصلے سے پہلے (ستمبر ۱۹۷۴ء کے شمارے میں) اس سلسلہ میں الفرقان کے قارئین اور قدر دانوں سے

ان کی رائے طلب کی گئی تھی، اس کے جواب میں مولانا فریدی نے والد ماجد کے نام اپنے خط میں جو کچھ لکھا تھا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ الفرقان کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے، اور انھیں اس رسالہ سے کیسا گہرا مخلصانہ تعلق تھا۔ مولانا نے لکھا تھا:۔

"الفرقان کے متعلق آپ کا نوٹ پڑھوا کر سن لیا تھا جس کا قلب پر بیحد اثر ہوا۔
الفرقان آپ کی زندگی میں بند نہیں ہونا چاہئے بلکہ آپ وصیت فرمائیں کہ آپ کے بعد بھی یہ پرچہ چلتا رہے۔ اسکے ذریعہ منجملہ اور اہم کاموں کے یہ اہم کام بھی ہوگیا کہ آپ کے مطالعہ کا اور تعلیقات و ترقیمات کا ایک بڑا ذخیرہ مرتب ہوگیا، جس میں مناظرے بھی ہیں، تصوّف و سلوک بھی ہے، قرآن پاک کی تشریح و ترجمانی بھی ہے اور احادیث کے دفتر بھی ہیں یہ رسالہ نہ ہوتا تو شاید آپ اپنے طور پر ایک جگہ بیٹھ کے یہ کام انجام نہ دے سکتے۔ خود میرے تراجم و تلخیصات بھی الفرقان کے ذریعہ سے لکھے گئے ورنہ میں انتہائی درجہ کا لاابالی انسان ہوں آپ کی دعاؤں و توجہات نیز مولوی عتیق الرحمٰن سلمہٗ کی تحریر و تاکید نے مجھے کچھ نہ کچھ لکھنے پر مجبور کیا اور اس طرح یہ کام ہوگیا۔
الفرقان جیسے پرچے روز روز نہیں نکلا کرتے بند کرنے کا نام نہ لیجئے![1]

---

یہ تو ہوئی بات الفرقان کے ساتھ مولانا فریدیؒ کے تعلق کی! جہاں تک صاحب الفرقان (حضرت مولانا نعمانی مدظلہٗ) کی ذات گرامی کے ساتھ مولانا کے تعلق کا معاملہ ہے تو وہ بھی اپنی نظیر آپ ہے اور اسکے بارے میں یہ کم سواد صرف اتنا ہی عرض کرسکتا ہے کہ ہمیں اپنے کو اس لحاظ سے بھی بہت خوش نصیب سمجھنا چاہئے کہ ان دونوں بزرگوں کے مابین بے مثال تعلق کی برکت سے ہماری آنکھوں نے علم و دین کے دو ہمعصر خادموں کے باہمی قدر و احترام اور ایک دوسرے کے ساتھ تواضع و اعتراف والے معاملہ کا نہایت بلند نمونہ دیکھ لیا ہے ـــــ جسے اگر موجودہ ماحول اور پھیلی ہوئی نفسانیت کے تناظر میں دیکھا جائے تو اسکی قدر و قیمت اور بھی دوبالا ہو جاتی ہے۔ خدا کرے کہ ہم اس نمونہ کو اپنی یادداشت میں محفوظ کرلیں اور اپنے مزاج کو اس رنگ میں رنگ سکیں۔
ان دونوں بزرگوں (والد ماجد اور مولانا فریدی) کے درمیان جس قسم کا قلبی تعلق تھا۔

[1] الفرقان بابت ماہ اکتوبر ۱۹۶۳ء

اسکو سمجھنے کے لئے چند واقعات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا تھا جو راقم الحروف کے علم میں ہیں لیکن کسی طرح انھیں لکھنے کی اجازت اسے والد ماجد کی طرف سے نہیں مل سکی ــــــ مجبوراً اس اجمال پر اکتفاء کرتا ہوں کہ مشکل وقتوں میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے اور تعاون علی البر والتقویٰ اور ایثار و وفا کی جو روش اِن حضرات نے زندگی بھر نباہی ہے اس کی یاد۔ ع

بہر تسکیں دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر

اور بہتر ہو کہ اِن باتوں کے سنتے سناتے پر اکتفاء کرلینے کی عادت سے اب توبہ کرلی جائے، اور اللہ والوں کے احوال و کوائف اور اوصاف و اخلاق کو براہ راست دیکھا جائے کہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" اور۔ ع

نہ پوچھ اِن خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ اِنکو

بہر حال الفرقان اور صاحبِ الفرقان کے ساتھ جو خصوصی تعلق و یگانگت مولانا فریدیؒ کو تھی اس کے پیش نظر مولانا کی یاد میں الفرقان کے ایک خاص نمبر کی اشاعت دل کا ایک قدرتی تقاضا اور ادارۂ الفرقان کے ذمہ ایک فریضہ تھا ــــ خاص کر اس وجہ سے بھی کہ بے وفائی ناقدری اور احسان فراموشی کے اس دور میں اپنے مشائخ بزرگوں اور محسنوں کے ساتھ وفا شعاری مولانا کا خاص وصف اور انکی زندگی کا اہم پیغام ہے ــــ اپنے بزرگوں کے ایک ایک حرف کو آنکھوں سے لگاتے اور انکے حالات و سوانح کی تدوین و اشاعت سے شغف کا اتنا بلند معیار جو شخص قائم کر گیا ہو اگر خود اسکے تذکرہ کا شوق اسکے شاگردوں اور رفقاء و دوستوں میں پیدا ہو تو اس میں ذرہ برابر تعجب کی بات نہیں۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

---

اب آیئے اس نمبر کے مشتملات پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے!

نمبر کا افتتاح والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم کے مضمون سے ہوا ہے اس سادہ اور مختصر سے مضمون میں مولانا فریدی کے ساتھ تعلق کی مختصر تاریخ بھی آگئی ہے اور مولانا کے اوصاف و کمالات کا تذکرہ بھی نہایت جچے تلے انداز سے آگیا ہے۔

اسکے بعد مخدومنا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کا مضمون اس خاص نمبر کی زینت ہے تنگ وقت میں بعجلت لکھے گئے اس مختصر مضمون میں حضرت مولانا موصوف

نے خاص طور پر مولانا فریدیؒ مرحوم کے صرف ایک امتیازی وصف کو اجاگر فرمایا ہے اور وہ ہے امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے لے کر اب تک کے اپنے سلسلے کے اکابر و مشائخ اور ملتِ اسلامیہ ہندیہ کے محسنین کے حالات و خدمات سے گہری واقفیت۔ اور انکی تدوین و اشاعت کے سلسلے میں سخت جدوجہد اور جانفشانی جس میں بقول حضرت مولانا ندوی مدظلہٗ کم ہی کوئی ان کا شریک و سہیم ہوگا جو لوگ اس موضوع پر حضرت مولانا ممدوح کے وسیع وعمیق مطالعہ اور اس باب میں انکی سندی حیثیت و مقام سے واقف ہیں انکے نزدیک حضرت مولانا کی یہ شہادت خاص اہمیت رکھتی ہے۔

اس کے بعد آپ والد ماجد کے نام حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب دامت برکاتہم کا ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیں گے، جس میں انھوں نے مختصراً، مولانا فریدیؒ کے بارے میں اپنے احساسات و تاثرات تحریر فرمائے ہیں۔ مولانا موصوف سے مولانا فریدیؒ کو غایت درجہ مخلصانہ تعلق تھا لہٰذا ضروری تھا کہ الفرقان کے اس خاص نمبر میں مولانا فریدیؒ کے بارے میں انکے تاثرات بھی محفوظ ہو جاتے اسی بناء پر مولانا موصوف سے بھی درخواست کی گئی مولانا اس دوران ایک طویل سفر پر تھے تاہم انکے چھوٹے بھائی مولانا ارشد میاں زید مجدہ کے اہتمام کی بدولت حضرت مولانا اسعد میاں مدظلہٗ کی طرف سے حضرت والد ماجد کے نام ایک خط کی شکل میں مولانا فریدیؒ کے بارے میں ان کے احساسات و تاثرات ہمیں بروقت موصول ہو گئے ـــــ ہم اس بیش قیمت تعاون کیلئے مولانا ارشد میاں کے خاص طور پر شکر گذار ہیں۔

اسکے بعد سلسلہ شروع ہوا ہے سوانحی مضامین کا جس کا آغاز مولانا فریدیؒ مرحوم کے بھتیجے اور کاتب جناب انیس احمد فاروقی صاحب کے مضمون سے کیا گیا ہے جس سے مولانا فریدیؒ مرحوم کی شخصیت کا ایک جامع خاکہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے ـــــ اس کے بعد مولانا فریدیؒ کے بھانجے اور ممتاز مصنف و دانشور پروفیسر خلیق احمد نظامی، مولانا کے برادر زادے اور معروف صاحب قلم ڈاکٹر نثار احمد فاروقی اور مولانا کے خادم خاص مولانا محب الحق صاحب امروہوی کے مفصل مضامین ہیں ـــــ ان چاروں مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مولانا کے اہل خانہ اور شب و روز ساتھ رہنے والے معاونین و خدام نے لکھے ہیں اور اس اہتمام اور عرق ریزی سے لکھے ہیں کہ انکی بدولت کہا جا سکتا ہے کہ اس نمبر میں مولانا فریدیؒ کی شخصیت کے متعلق کوئی اہم اور قابل ذکر پہلو تشنہ نہیں رہ گیا ـــــ ادارۂ الفرقان ان چاروں

حضرات کا تہہ دل سے شکر گذار ہے۔

ان سوانحی مضامین کے بعد تین مضمون اور ہیں جن میں سے ایک ہمارے مستقل قلمی معاون اور رفیق گرامی قدر مولانا عتیق احمد بستوی صاحب کے قلم سے ہے جس میں انھوں نے مولانا فریدی مرحوم کی شخصیت کے متعلق اپنے کچھ تأثرات بیان کرنے کے بعد مولانا کی تصنیفات کا تعارف کرایا ہے ۔۔۔ اور دوسرا مضمون امروہہ کے معروف طبیب جناب حکیم صیانت اللہ صاحب کا مرقومہ ہے جو مولانا کے قدیم معالج بھی تھے اور ابتدائی زمانہ طالب علمی میں ہم مدرسہ بھی۔ کسی شخص کے بارے میں ایسے لوگوں کا شہادت دینا جو نہ شاگرد ہوں نہ ارادت مند، مگر اتنے قریبی ہوں کہ ان سے کسی چیز کا اخفاء ممکن نہ ہو، اہل نظر کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔۔۔ اور اس اعتبار سے حکیم صاحب موصوف کا مضمون جس کا انداز بھی بہت مؤثر و دل نشیں ہے، خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ادارۂ الفرقان حکیم صاحب موصوف کا ممنون ہے۔

مضامین کے اس سلسلہ کا اختتام برادر معظم مولانا عتیق الرحمن سنبھلی زید مجدہٗ کے ایک مضمون پر کیا گیا ہے جو دراصل اُس مضمون کا ابتدائی حصہ ہے جو انھوں نے اس نمبر کے لئے لکھنا شروع کیا تھا اور جس میں وہ مولانا کی تصنیفات پر مفصل تبصرہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جب وہ وقت کے اندر مکمل نہ ہو سکا تو انھوں نے اسے روک کر صرف وہ تمہیدی حصہ ہمارے مطالعہ کیلئے بھیج دیا جو وہ لکھ چکے تھے ۔۔۔ بھائی صاحب کا اسلوب تحریر ایسا منفرد ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو وہ نامکمل مضمون بھی ایسا بھرپور لگا کہ اُسے چھوڑنے پر طبیعت کسی طرح آمادہ نہیں ہوئی۔ مضمون کے اس حصہ میں بھائی صاحب نے مولانا فریدی کی بے نفسی و سادگی کا نقشہ کھینچا ہے جو ہمارے نزدیک انکی اصل خصوصیت تھی اور ان کے سارے کمالات کا سرچشمہ بھی ۔۔۔! ہم نے اس مضمون کو سب سے آخر میں اسی خیال سے رکھا ہے کہ دوسری تفصیلات میں الجھ کر مولانا فریدی کے کردار کے اس مرکزی نقطہ کی طرف سے غفلت نہ ہونے پائے بلکہ قارئین کے ذہن ساری تفصیلات سے گذر کر اسی ایک نقطہ پر مرتکز ہو جائیں تاکہ اپنی شخصیت کی تعمیر کی طرف سنجیدہ توجہ کرنے والے اسی مرکزی نقطہ "بے نفسی و سادگی اور تواضع و مسکنت" سے "کام" کا آغاز کریں کہ کتب عشق کی بسم اللہ بھی یہی ہے اور آمین بھی یہی ۔۔۔ اور اس کے بغیر سب ہیچ ہے۔

---

اس کے بعد آپ مولانا فریدی مرحوم کا ایک غیر مطبوعہ مضمون ملاحظہ فرمائیں گے
چھپا ہیں۔ ہیں ان کا پہلا

جو انھوں نے تقریباً ڈیڑھ سال قبل الفرقان کیلئے تحریر فرمایا تھا لیکن بعض وجوہ سے ۔ جنکی تفصیل والد ماجد مدظلہٗ نے مولانا فریدی کے اس مقالہ پر اپنے پیش لفظ میں بیان کردی ہے ۔۔۔ اسکی اشاعت میں تاخیر ہوتی چلی گئی ۔۔۔ اس مقالہ میں مولانا فریدی علیہ الرحمہ نے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور انکی کتاب تقویۃ الایمان کے بارے میں مولانا ابوالحسن زید مجددی فاروقی کی ایک تصنیف کا جائزہ لیا ہے اور جامع مسجد دہلی میں سنہ ۱۲۴۰ھ میں ہونے والے ایک مناظرہ کی صحیح اور مکمل روئیداد تحریر فرمائی ہے ۔۔۔ ہم نے تو مولانا کی زندگی میں اس مضمون کے شائع نہ ہوسکنے سے یہ نیک شگون لی ہے کہ ملت اسلامیہ ہندیہ کے اکابر و محسنین کے دفاع اور ان کے پیغام کو عام کرنے کا جو کام مولانا فریدی سے زندگی بھر لیا جاتا رہا ۔۔ انشاء اللہ وہ کام دنیا سے ان کے رخصت ہوجانے کے بعد بھی جاری رہے گا کیا عجب ہے کہ یہ اسی تقدیر الٰہی کا کرشمہ ہو کہ جو محفل مولانا کے ماتم کیلئے سجائی گئی تھی، اس میں مولانا خود شریک ہیں اور حضرت شہیدؒ کے بارے میں پھیلائی گئی کچھ غلط باتوں کی تردید پورے جوش و خروش سے فرما رہے ہیں اور گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مولانا فریدی نے کئی بار والد ماجد سے یہ فرمائش کی تھی کہ وہ انکے اس مقالہ پر کچھ لکھدیں اُس وقت ہم دیکھتے تھے کہ کوئی خاص داعیہ والد ماجد کے دل میں اس موضوع پر کچھ لکھنے کا نہیں پیدا ہوتا تھا پھر جب رمضان مبارک میں والد ماجد نے مولانا فریدی کی فرمائش کی تعمیل میں کچھ لکھنے کا ارادہ فرمایا اور ان کے مقالے کو بغور پڑھا تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے ان کے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا ہو اور انکے زار و نزار جسم میں ایک نئی لہر دوڑا دی ہو ۔۔۔ مضامین کی ایسی آمد شروع ہوئی کہ تھامنا مشکل ہوگیا درمیان میں بار بار طوالت کا خوف لگام لگاتا رہا ۔۔۔ لیکن ہم لوگ یہ عرض کرتے رہے کہ ہماری نئی نسل اس موضوع سے ۔۔۔ یعنی حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ پر لگائے گئے الزامات اور انکے جوابات سے ۔۔۔ صحیح طور پر واقف نہیں ہے اس لئے اگر اس بارے میں زندگی بھر کے مطالعہ کا نچوڑ سادہ و سلیس انداز میں محفوظ ہوجائے تو انشاء اللہ یہ بہت کارآمد چیز ہوگی بہرحال تقریباً ڈیڑھ دو ماہ کی شدید محنت کے نتیجے میں والد ماجد مدظلہٗ کے قلم سے اس موضوع پر جو مواد ترتیب پاگیا ہے جسے آپ مولانا فریدی

کے مقالے کے بعد تکملہ کے زیرِ عنوان ملاحظہ فرمائیں گے، وہ اور مولانا فریدی کا مقالہ اس نمبر میں خاصے کی چیزیں ہیں اور بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے مسلک و مشرب اور طرزِ اصلاح کے بارے میں یہ دونوں مضمون تاریخی و علمی مواد کے لحاظ سے بنیادی ماخذ اور شاہ کلید کی حیثیت رکھتے ہیں ـــــ ظاہری و جسمانی طور پر والد ماجد کا جو حال چل رہا ہے، اس میں اتنی محنت و جانفشانی پر ان کی آمادگی کو مرضیٔ الٰہی کے ظہور اور مولانا فریدی کے صدقِ طلب کی تاثیر کے علاوہ کسی اور چیز پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

سب سے آخر میں الفرقان میں شائع شدہ مولانا فریدی علیہ الرحمہ کے مضامین و مقالات کی ایک مکمل فہرست پیش کی گئی ہے تاکہ مولانا کے افادات کا جو خزانہ الفرقان میں محفوظ ہے اس کی ایک فہرست لوگوں کے ہاتھ میں آجائے اور اس سے استفادہ آسان ہو ـــــ یہ فہرست الفرقان اور صاحبِ الفرقان کے ایک شیدائی جناب قطب الدین ملا صاحب نے مرتب کر کے بھیجی ہے جس کیلئے وہ ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

---

بلاشبہ حضرت مولانا فریدی برداللہ مضجعہٗ رئیس التحریر اور سلطان القلم تھے، وہ کیا بلحاظ تصنیف اور کیا بحیثیت تالیف و تدوین اور کیا از روئے مقالہ نگاری ایک کامیاب بلند پایہ محقق و مبصر تھے انھوں نے مولانا گیلانی کے بارے میں یہ جو لکھا تھا کہ:-

> "وہ پی، ایچ، ڈی نہ تھے لیکن اس راہ کے کتنے امیدواروں کو انھوں نے کامیاب بنایا ہے اور ایسی شاہراہ قائم فرمادی ہے کہ میدانِ تحقیق میں ایک ذہین طالب علم بآسانی گامزنی کر سکے اور اسلاف کی کتابوں، تاریخوں اور تذکروں کے بحرِ ذخار سے علم و حکمت کے موتی نکال سکے سچ پوچھئے تو پی، ایچ، ڈی بننا آسان ہے ـــــ مناظر احسن بننا مشکل"۔

آج یہ بات خود مولانا فریدی پر حرف بحرف صادق آتی ہے انھوں نے بلا مبالغہ سیکڑوں مقالے لکھے اور ان میں خداداد بصیرت اور علمی و فنی کاوش کا پورا پورا ثبوت دیا، نصف صدی سے زیادہ عرصے تک ان کا دریائے علم و تحقیق مجلاتی مقالات اور گراں قدر

تصنیفات کی شکل میں خوب خوب روانی اور جولانی دکھاتا رہا۔ انکے خونِ جگر کی گل کاریوں سے چمنِ علم وتحقیق میں تازہ بہاریں آگئیں —— جو لوگ انکے مقالات کو غور سے پڑھتے رہے ہیں، ان کیلئے تو کسی مثال کی ضرورت نہیں لیکن جو لوگ سرسری مطالعے کے عادی ہیں۔ اور افسوس ہے کہ اکثریت انھیں کی ہے۔ ان کی خدمت میں مولانا کے مطالعہ وتحقیق کا ایک نمونہ پیش کر دینا یہاں پر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر (۵۷ھ) میں مولانا مناظر احسن گیلانی کا ایک تفصیلی مقالہ شائع ہوا تھا جو مولانا گیلانی کی وفات کے بعد انکی یاد میں شائع ہونے والے الفرقان کے خاص نمبر (۱۳۷۶ھ) میں مولانا فریدی کی تلخیص وتمہید کے ساتھ دوبارہ شائع ہوا تھا۔ اس مضمون پر اپنی تمہید میں مولانا فریدی نے فتنۂ اکبری کے متعلق ایک ایسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے جو نہ صرف اس فتنہ کے مختلف عناصر بلکہ اکبر کے بعد مغل سلطنت کے رخ کی بتدریج تبدیلی کے اسباب اور شہنشاہ جہانگیر کی شخصیت اور اس مثبت طرزِ عمل پر غور کرنے والوں کے لئے نشانِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے جو اس دور کے باتوفیق خادمانِ اسلام نے جہانگیر کے رخ کو موڑنے اور جادۂ حق پر اس کے قدم جمانے کی کوشش کے سلسلہ میں اختیار کیا تھا —— ذیل کی سطروں میں ہم مولانا فریدی کی وہ پوری متعلقہ عبارت، انکے طرزِ مطالعہ وتحقیق کے ایک نمونہ کے طور پر پیش کر رہے ہیں —— مولانا نے ارقام فرمایا تھا:۔

"ابوالفضل اور فیضی یہ دونوں بھائی دربارِ اکبری پر چھائے ہوئے تھے، ان میں اول الذکر میر منشی اور اعلیٰ منصب دار تھا، دوسرا ملک الشعراء اور معلم شاہزادگان —— علوم عقلیہ کا دونوں پر پورا پورا اثر تھا۔ نقلی علوم سے بہرہ وری نہ تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کے عقائد بھی تباہ کرنے کی کوشش کی اور ایسی اسکیم دربارِ اکبری میں تیار کی جس سے اسلام کا نام ونشان ہی مٹ جائے —— سچ پوچھئے تو دینِ الٰہی کے "کنویز" یہ دونوں بھائی ہی تھے —— ناخواندہ اکبر پر ان دونوں نے اپنا سکہ جما لیا تھا —— مورخین حال، ابوالفضل کے قتل کی وجہ لکھتے تو ہیں، لیکن ایک وہ خاص وجہ جس کو خود جہانگیر نے اپنے قلم سے تزک میں لکھا ہے چھوڑ جاتے ہیں۔ اور تماشے کی بات ہے کہ طبع کراتے وقت تزکِ جہانگیری کے ایڈٹ کرنے والے

ایک ریفارمر قسم کے بزرگ نے نہ معلوم کس مصلحت سے اس حصے کو حذف کر دیا ہے، وہ تو یہ کہیئے مجھے مدرسۂ اشاعت العلوم بریلی کے کتب خانے سے مستعار آیا ہوا ایک قدیم قلمی تزک کا نسخہ دفتر الفرقان میں مطالعہ کرنے کیلئے مل گیا تھا اور یہ بات میں نے اسی وقت اپنے دل میں نوٹ کر لی تھی۔ اس وقت قلمی تزک تو میرے سامنے نہیں ہے۔ "تذکرہ فاتحان ملک ہند قلمی" سے تزک کا مضمون نقل کرتا ہوں ممکن ہے الفاظ میں کچھ تفاوت ہو لیکن مفہوم بالکل وہی ہے۔

درکتابے کہ بر واقعات خود برنگاشتہ و تزک جہانگیری نام داشت می نگارد کہ از ابوالفضل روگرداں بودم از آنکہ در پیرانہ سالی پدرم را از راہ مستقیم باز داشتہ۔

جہانگیر نے اپنی خود نوشت تزک میں لکھا ہے کہ میں ابوالفضل سے اس وجہ سے ناراض تھا کہ اس نے میرے باپ (اکبر) کو بڑھاپے میں راہ مستقیم سے ہٹا دیا تھا۔

تذکرۂ فاتحان ہند سے تفصیل سنئے جو اکثر و بیشتر تزک ہی سے ماخوذ ہے:۔

زمانیکہ شہریار۔ چراغ پگاہی بود از شاہزادہ مرزا سلیم فکر رنجی کشید۔

جس زمانے میں اکبر بادشاہ چراغ سحری تھا شاہزادہ سلیم (جہانگیر) سے اس کی ناچاقی ہو گئی۔

ناچاقی زیادہ بڑھی تو اکبر نے ابوالفضل کو دکن سے مشورہ کیلئے بلایا وہ وہاں مع اہل و عیال اقامت گزیں تھا ابوالفضل نے جلدی میں اپنے اہالی موالی وہیں چھوڑے اور خود یکہ و تنہا چل پڑا۔

جہانگیر کو جو بچند وجوہ اس سے رنجیدہ تھا ——— اچھا موقع ہاتھ آیا۔ قتل کرانے کا منصوبہ گانٹھ لیا۔ وہ وجوہ کیا تھیں؟ ——— سنئے

سبب یک آنکہ بد کیش بود

اول یہ کہ ابوالفضل بدمذہب تھا۔

دوم آنکہ خسر پدر را در پیرانہ سالی بہ آئینے آورد کہ بگفت قرآں نہ کلام ربانی است از زبان رسول ایزدیست۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ ابوالفضل نے اکبر کو بڑھاپے میں یہ پٹی پڑھا دی تھی کہ قرآن عظیم کلام ربانی نہیں ہے بلکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ (نعوذ باللہ)

پھر کیا ہوا ـــــ ابوالفضل گوالیار کے راستے سے آرہا تھا راناسالدیو سے جو جہانگیر کا خسر تھا سازش کر کے قتل کروادیا ـــــ خود جہانگیر نے تاریخ قتل ابوالفضل یہ نکالی۔

تیغ اعجاز جناب آنسرور صلے اللہ علیہ وسلم سرباغی برید  تیغ اعجاز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سر باغی کاٹ دیا۔

(باغی کا سر یعنی پہلا حرف (ب) کاٹ کر اچھی خاصی تاریخ نکل آتی ہے۔)

یہ خدا کی طرف سے بات تھی کہ وہ جہانگیر جو ایام شاہزادگی میں کیا اپنی سلطنت کے کئی برسوں میں بھی مذہبی حیثیت سے کمزور تھا۔ اس جہانگیر کے دل و دماغ کے کسی گوشے میں اتنی صلاحیت موجود تھی کہ وہ اس روح فرسا الحاد و زندقہ کو برداشت نہ کر سکا۔ اگرچہ حصول سلطنت کی خواہش بھی ملی ہوئی ہو لیکن قتل ابوالفضل کی نمایاں وجہ اس کا الحاد ہے ـــــ یہ بھی اعجاز رسول ہی کا صدقہ ہے کہ اس بڑے سبب کو بربنائے مصلحت مٹانے اور چھپانے کے باوجود تاریخ نے اس حقیقت کو اپنے اندر محفوظ رکھا۔

---

دیکھا آپ نے مولانا فریدی کے اخذ و مطالعہ کا انداز! مولانا تزک جہانگیری کے قلمی نسخہ کا مطالعہ فرما رہے ہیں اس میں انکی نظر سے یہ اشارہ گذرتا ہے کہ "جہانگیر نے ابوالفضل کو جو قتل کروایا تھا تو اسکے پیچھے زیادہ تر اس کا یہ احساس تھا کہ اس نے یعنی ابوالفضل نے میرے باپ اکبر کو بڑھاپے میں راہ سے بے راہ کر دیا تھا" ـــــ اسے پڑھ کر مولانا یونہی نہیں گذر جاتے بلکہ اس بات کو "اپنے دل میں نوٹ کر لیتے ہیں" ـــــ یہ ہے مطالعہ کا وہ انداز جسے اپنانے کی ہم سب کو شدید ضرورت ہے" مولانا فریدی کے اس وصف کا تذکرہ آپ آئندہ صفحات پر ان لوگوں کی زبانی سنیں گے جنہوں نے مولانا کو اور انکے اوصاف و کمالات کو بہت قریب سے دیکھا اُن سب کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی مضمون کو سنتے یا پڑھتے وقت ایک ایک لفظ کو پوری وضاحت اور اطمینان قلب کے ساتھ سمجھے بغیر آگے بڑھنا انکی شریعت میں قطعاً حرام تھا۔ اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ جو کچھ سنتے یا پڑھتے تھے اسے پوری طرح ہضم کرتے تھے، اس سے پورا کام لیتے تھے اور وہ انکی عقل و یادداشت میں محفوظ بلکہ لوح دل پر نقش ہو جایا کرتا تھا ـــــ مطالعہ کے اس انداز کے ساتھ مستقل ذکر و فکر کے نتیجے میں ایسی گہری بصیرت بھی انھیں عطا ہو گئی

جس کی روشنی میں معلومات کی اہمیت کے بارے میں ان کا اندازہ اکثر بالکل درست ہوا کرتا تھا ـــــ اور یہی باتیں علم و تحقیق کے میدان میں کامیابی کی بنیادی شرطیں ہیں۔

اس بات کو میں طول اس لئے دے رہا ہوں کہ ہم پڑھنے پڑھانے والوں کے علم و فہم میں آج جو سطحیت نظر آرہی ہے یہ نتیجہ ہے اس سرسری پن اور صحافتی انداز کا جو ہمارے پورے وجود پر چھا گیا ہے اور جس سے ہمارا مطالعہ کا انداز بھی بہت زیادہ متأثر ہوا ہے۔ چنانچہ ہم جو کچھ پڑھتے ہیں نہایت سرسری انداز سے پڑھتے ہیں۔ اور اسی لئے ہمارا اکثر مطالعہ ضائع ہو جاتا ہے ـــــ کیا ہی اچھا ہو کہ مولانا فریدیؒ کی اس مثال کو سن کر ہم اپنے طرز عمل میں مستقل تبدیلی لے آئیں۔ تھوڑے دن شروع میں بہ تکلف عادت ڈالنی ہوگی۔ پھر تو طبیعت اسی رنگ میں رنگ جائے گی۔

اب جب بات چھڑ ہی گئی ہے مولانا کے خاص اوصاف و کمالات کی تو بہتر ہے کہ اسی سیاق میں مولانا کی شخصیت کے ان کمالات کی طرف بھی کچھ اشارہ ہو جائے جو ان علمی کمالات سے بھی عظیم تر ہیں، اور جن سے اپنے کو کسی نہ کسی درجہ میں آراستہ کرنے کا معاملہ کم از کم خدمت دین کی طرف منسوب ہم جیسے لوگوں کیلئے نفل کا نہیں فرض کا بلکہ فرض عین کا درجہ رکھتا ہے ـــــ میرا اشارہ مولانا کے روحانی کمالات کی طرف ہے۔

ہم اپنی علم و دانست پر تو کیا بھروسہ کریں، بڑے بڑے اہل نظر کی زبانی آپ آئندہ صفحات میں یہ شہادت سنیں گے کہ مولانا فریدیؒ اخلاص و تقویٰ اور عبدیت و مسکنت کا مجسمہ تھے وہ فضل و کمال اور زہد و ورع کا پیکر اور مقام تجرید و تفرید اور توکل و رضا کا مظہر تھے وہ معصوم نہ تھے لیکن پارسائی کا کامل نمونہ ضرور تھے۔ ارشاد و ہدایت، پند و نصیحت درس و تدریس، تلاش و مطالعہ، تصنیف و تالیف انکے عمر بھر کے مشاغل رہے جود و سخا، تواضع و انکسار، حق گوئی و صداقت، ایثار و قربانی، صبر و تحمل، شکر و احسان، محبت علماء و صلحاء ان کا شعار تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنے جذب دروں کو زندگی بھر فقر و درویشی اور انکسار و تواضع کی اوٹ میں ایسا چھپائے رہے کہ انھیں پہچاننے کے لئے جوہری کی نگاہ درکار تھی۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اس نمبر کے طفیل دو تین مہینے کی جو صحبت مولانا کی وفات کے بعد انکے ساتھ رہی اور انکے جو حالات و کوائف علم میں آئے تو اپنی بے نظری و ناقدری پر بہت رونا آیا اور بڑی شدت سے احساس ہوا کہ کاش مولانا کے بارے میں یہ باتیں انکی زندگی میں

علم میں آجاتیں تو کچھ حاصل کرنے کی کوشش کی شاید توفیق مل جاتی لیکن یہ عجیب سا رواج ہوگیا ہے کہ اللہ والوں کے دنیا سے جانے کے بعد ہی انکے کمالات کا تذکرہ ہوتا ہے اور کچھ دن اس کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے پھر سب کچھ اپنے معمول پر آجاتا ہے ۔۔۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ رواج بھی اسی وجہ سے ہوا ہے کہ اہل اللہ کو تلاش کرنے اور ان کے چراغ سے اپنا چراغ روشن کرنے کا جذبہ خود ہمارے اندر سرد پڑ گیا ہے۔

مولانا فریدیؒ تو ہمیشہ کیلئے ہم سے جدا ہوگئے لیکن یہ دنیا اس دور قحط الرجال میں بھی بالکل خالی نہیں ہے اور ہمارا برصغیر تو نسبتاً زیادہ ہی خوش نصیب ہے ۔۔۔ اللہ کے کچھ بندے یہاں آج بھی عشق و محبت کی دوکانیں لگائے بیٹھے ہیں، ان کو قریب سے (اور وہ بھی دیدۂ مجنوں سے) دیکھنے کی ضرورت ہے اللہ کرے کہ ہمیں ان بندگان خدا کی قدر کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت کا کماحقہ احساس ہوجائے ۔۔۔۔۔۔ آمین۔

---

بس اب یہ فضولی بیچ سے ہٹا جاتا ہے اس گزارش کے ساتھ کہ جب آپ مولانا فریدیؒ کی صحبت سے فیض یاب ہورہے ہوں تو روح فریدی سے اس عاجز و مسکین کا سلام کہہ دیجئے گا اور یہ کہ آپ کے الفرقان کا یہ خادم بہت شرمندہ ہے کہ آپکے شایانِ شان آپ کا تذکرہ و تعارف نہیں پیش کیا جاسکا۔ مگر اس کا عذر یہ ہے کہ ؎

یہ رمز ہی لے بصیرت ہے تیرے رتبے کو کیا جانے
جو ہم رتبہ ہو تیرا وہی تیرے اوصاف پہچانے

البتہ تسلی اس سے ہوتی ہے کہ اس مالی نے جن باغباتوں سے پھولوں کی سوغات لاکر یہ گلدستہ سجایا ہے ان میں کچھ گوہر شناس اور صاحب بصیرت بھی ہیں ۔۔۔۔۔۔ بس اب دعا یہی ہے کہ ؎

تری رحمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں انکے دامن کیلئے

* * * * *

قریباً ۶۲-۶۳ سال پہلے کی بات ہے، امروہہ ضلع مرادآباد کے مدرسہ عالیہ (چلہ) میں یہ عاجز مدرس تھا، تین سال وہاں اس سلسلہ سے قیام رہا، میں فطری طور پر کم آمیز واقع ہوا ہوں، اس لئے بس مدرسہ کے طلبہ، اساتذہ اور مدرسہ سے خاص تعلق رکھنے والے بعض حضرات ہی سے تعلق تھا، اسکے علاوہ شہر کے لوگوں سے ملنا جلنا بہت ہی کم ہوتا تھا مگر ایک نوجوان جنکی عمر اس وقت سولہ سترہ سال کے قریب رہی ہوگی بہت مہذب اور اس نوجوانی میں بہت صالح تھے، اکثر ملتے تھے، اُن کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ بہت فہیم اور سلیم الفطرت ہیں ___ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اُن سے دریافت کیا ہو کہ آپ نے کیا پڑھا ہے اور کیا پڑھ رہے ہیں، بعد میں معلوم ہوا کہ مڈل، ہائی اسکول، اردو اعلیٰ قابلیت اور منشی کامل (فارسی) کے امتحانات پاس کرلئے تھے، اس زمانے کے خاص حالات میں ان امتحانات کے پاس کرلینے کے بعد اُن کو کسی اسکول یا کالج میں اردو فارسی کے استاذ کی حیثیت سے اچھی ملازمت مل سکتی تھی، اور انکے گھر کے معاشی حالات کا یہی تقاضا بھی تھا کہ وہ اسی لائن کو اختیار کرلیتے، لیکن انھوں نے خالص دینی جذبہ اور حسنۂ آخرت کی طلب میں دینی تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کیا ___ یہی نوجوان تھے جو بعد میں مولانا مفتی نسیم احمد فریدی کے نام سے معروف ہوئے۔

یہ عاجز تین سال امروہہ قیام کے بعد مدرسہ سے بلکہ تدریس کے مشغلہ ہی سے ترکِ تعلق کر کے چلا آیا تھا، پھر محرم ۱۳۵۳ھ (مارچ ۱۹۳۴ء) میں بریلی سے الفرقان جاری کیا ___ مولانا نسیم احمد فریدی اپنے وطن امروہہ ہی میں درس نظامی کے درجہ موقوف علیہ

تک کی تعلیم پوری کرکے دارالعلوم دیوبند چلے گئے، وہیں انھوں نے دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی، اسکے بعد عربی ادب اور معقولات منطق و فلسفہ کی بعض کتابیں پڑھنے کے لئے جو دورۂ حدیث سے پہلے نہیں پڑھی جا سکی تھیں دارالعلوم دیوبند ہی میں رہے۔

۱۳۵۷ھ کا آغاز تھا کہ بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ کے صدر مدرس مولانا رونق علی صاحب سلطانپوری کا انتقال ہوگیا، مدرسہ کے مہتمم صاحب نے انکی جگہ کسی صاحب کے تقرر کیلئے اس عاجز سے مشورہ کیا، میں نے مولانا نسیم احمد فریدی کے بارے میں مشورہ دیا، انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ ہی اُن کو بلا دیجئے، میں نے دیوبند مولانا کو خط لکھا، یاد آتا ہے کہ میں نے اس میں یہ بھی لکھدیا تھا کہ مدرسہ میں دورۂ حدیث پڑھنے والے طلبہ بھی ہیں، اس لئے صدر مدرس کی حیثیت سے بخاری شریف، ترمذی شریف آپ ہی کو پڑھانی ہونگی اور یاد آتا ہے کہ میں نے یہ بھی لکھدیا کہ مجھے امید ہے کہ آپ انشاءاللہ کامیابی کے ساتھ یہ خدمت انجام دے سکیں گے

انھوں نے میرا وہ خط اپنے (اور اس عاجز کے بھی) شفیق ترین استاذ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دکھلا کر مشورہ چاہا، حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آپ فوراً چلے جائیے، کچھ تردد نامل مت کیجئے، مولانا نے یہ پوری بات مجھ کو لکھدی اور لکھا کہ انشاءاللہ فلاں تاریخ کو آپ کے یہاں پہونچ جاؤں گا، چنانچہ وہ تشریف لے آئے، میں نے مدرسہ اشفاقیہ کے مہتمم صاحب کو اطلاع دیدی، وہ خود آکر مولانا کو اپنے ساتھ لے گئے اور طے ہوا کہ فی الحال مولانا کا قیام میرے ہی پاس رہے گا ــــ اور اس طرح جس تعارف کا آغاز امروہہ میں ہوا تھا وہ قریبی تعلق بلکہ رفاقت میں بدل گیا۔

جیسا کہ میں نے مولانا کو لکھدیا تھا، دورۂ حدیث کی کتابوں میں سے بخاری شریف اور حدیث کی دو ایک اور کتابوں کے درس کی بھی ذمہ داری مولانا کو لینی پڑی ــــ بلاشبہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد سلسلۂ تدریس کے آغاز ہی میں بخاری شریف وغیرہ کتب حدیث پڑھانے کا انکو موقعہ ملا، ظاہر ہے اسکے لئے انکو شدید محنت کرنی پڑتی تھی۔ مدرسہ اشفاقیہ میں بخاری شریف کی کوئی شرح نہیں تھی، حسن اتفاق کہ میں نے اسی سال علامہ بدرالدین عینی کی شرح بخاری عمدۃ القاری خرید لی تھی جو پچیس جلدوں میں چھپ کر اسی زمانہ میں مصر سے آئی تھی، اہل علم واقف ہیں کہ بخاری شریف کی یہ شرح بہت ہی مبسوط ہے، مولانا نے درس بخاری میں اس سے پورا فائدہ

اٹھایا، مولانا اگرچہ جسمانی حیثیت سے جوانی کی اس عمر میں بھی بہت ہی نحیف اور لاغر تھے لیکن اللہ تعالے نے انکو درس و مطالعہ میں محنت و جانفشانی کی بڑی قوت و ہمت عطا فرمائی تھی، بہت کم وقت آرام کرتے، سارا وقت کتابوں کے مطالعے اور درس میں مصروف رہتا۔

یہی سال تھا جب الفرقان کا مجدد الف ثانی "نمبر" شائع ہوا تھا، مولانا فریدی مرحوم جو میرے ساتھ ہی مقیم تھے، تدریس ہی مشغولیت کے باوجود اسکی ترتیب و تیاری میں برابر میرے شریک اور معاون رہے، انھوں نے اس نمبر کے لئے امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے خلفاء پر ایک مبسوط مقالہ بھی لکھا جو اس نمبر کے اہم مقالات میں سے تھا، جس میں حضرتؒ کے تائیس خلفاء کا کسی قدر تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقالہ کے آغاز میں جو تمہیدی نوٹ مولانا نے لکھا تھا، وہ یہاں نقل کر دیا جائے، ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں:۔

"ادارۂ الفرقان نے جس وقت مجدد الف ثانی "نمبر" نکالنے کی تجویز طے کی اور یہ ارادہ عزم کے درجہ میں آیا، اس وقت میں حسن اتفاق سے بریلی آچکا تھا، اس نمبر کی تیاری تک میرا قیام دفتر الفرقان ہی میں رہا، مدیر الفرقان مدظلہ العالی نے مجھکو بھی اس "بزم مسعود" میں شرکت کی دعوت دی ــــ اہل اللہ اور خاص کر حضرت امام ربانیؒ عارف باللہ کا تذکرہ یقیناً بڑی سعادت ہے، میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور بسلسلۂ تعمیل حکم غور کرنے لگا کہ حضرت ممدوح کے کس شعبۂ حیات پر لکھوں، دل میں یہ آیا کہ براہ راست حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے متعلق تو دیگر حضرات اہلِ قلم روشنی ڈالیں گے ہی، میں آپ کے خلفاء باصفا کا کچھ تذکرہ سپرد قلم کروں کہ بالواسطہ وہ حضرتؒ ہی کا تذکرہ ہے۔

جس طرح پھل سے درخت پہچانا جاتا ہے اسی طرح شاگرد سے استاذ اور مرید سے شیخ کے حالات و کمالات کا صحیح صحیح اندازہ ہو جاتا ہے، بالفاظِ دگر شاگرد و مرید اپنے استاذ و پیر کے آئینے ہوتے ہیں جن میں انکے خط و خال صاف صاف نظر آجاتے ہیں، اسی اصول پر قرآن مجید نے حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت و صداقت کے ثبوت میں آپ کے تلامذہ و مسترشدین یعنی

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے احوال واعمال کو بھی بطور شاہد پیش کیا ہے: محمد رسول اللہ والذین معہ أشداء علی الکفار رحماء بینہم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من أثر السجود۔ (الآیۃ)

بہرحال دل نے یہی فیصلہ کیا کہ حضرت شیخ سرہندیؒ کے خلفاء کے متعلق کچھ لکھوں تاکہ تعلیم وتربیت اور قوت تاثیر کی راہ سے بھی حضرت شیخ کے کمال کا کچھ اندازہ ہوسکے، اور یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ جس انسان کے ذریعہ اتنے نفوس کے اندر ایمان وعمل کی اتنی جگمگاہٹ اور نور عرفان کی ایسی چمک پیدا ہوگئی وہ خود کس قدر پرنور و باکمال ہوگا!"

الفرقان میں مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کا یہ پہلا مضمون تھا، اس کے بعد وقتاً فوقتاً انکے مضامین اور مقالات شائع ہوتے رہے[1]، جنھوں نے بلاشبہ الفرقان کے مزاج کے عین مطابق اسکے پیغام کو عام کرنے، اور اسکی جڑوں کو مضبوط کرنے اور مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی توجہات کو کھینچنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

---

[1] یہاں یہ بات لکھا دینے کا بھی دل میں تقاضا ہے کہ بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ مولانا فریدیؒ کو تحریر وتصنیف سے خاص مناسبت بریلی میں میرے ساتھ رہنے سے پیدا ہوئی، واقعہ یہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انکی فطرت میں تحریر وتصنیف کا سلیقہ ودیعت فرمایا تھا، انھوں نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ جبکہ انکی عمر دس گیارہ سال کی رہی ہوگی انکے دل میں کتاب تصنیف کرنے کا شوق پیدا ہوا، چند کتابوں کا مطالعہ کرکے ایک چھوٹی سی کتاب تیار کرلی، اسکا نام مجمع البیان رکھا، اور انکے ایک دوست حکیم سلطان احمد صاحب مرحوم نے اسکو چھپوا بھی دیا۔

میرا حال یہ ہے کہ مجھے فطری طور پر تحریر وتصنیف سے بالکل مناسبت نہیں، بغیر کسی ادنیٰ انکسار کے لکھ رہا ہوں کہ مولانا فریدی مرحوم کا جو تمہیدی نوٹ اوپر ناظرین کرام نے ابھی ابھی پڑھا ہے اس طرح کی تحریر پر میں اب تک قادر نہیں ہوں، میرا حال یہ ہے کہ جو کچھ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں ذہن اور دماغ پر پورا زور ڈال کر زبردستی لکھتا ہوں، میں ادیب اور انشاء پرداز بھی نہیں ہوں، میرے پاس الفاظ کا بس وہی ذخیرہ ہے جو بولتا ہوں، جو کچھ لکھنا ہو وہ انھیں الفاظ میں لکھ دیتا ہوں، میں شاعر بھی نہیں ہوں، ساری عمر میں ایک مصرعہ بھی موزوں نہیں ہوسکا ـــــ مولانا فریدی مرحوم ادیب اور انشاء پرداز بھی تھے اور اچھے شاعر بھی۔

مولانا کا خاص محبوب موضوع تھا امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے لے کر اب تک کے اپنے سلسلہ کے اکابر و مشائخ، مصلحین امت کا تذکرہ، ان کی سوانح حیات اور ایمان افروز مکتوبات و ملفوظات (جو عموماً فارسی زبان میں ہیں) عہد حاضر کے اردو خوان مسلمانوں کیلئے سادہ وسلیس اور دلکش و دلنشین اردو زبان میں منتقل کر کے مرتب کرنا ——— اس سلسلہ میں وہ جو کچھ لکھتے تھے جہاں تک اس عاجز کا اندازہ ہے اللہ کی رضا، اجر آخرت کی طلب اور امت محمدیہ کی خدمت ہی کی نیت سے لکھتے تھے اور خاص بات یہ تھی کہ سب سے پہلے خود ان کا قلب سلیم اس سے سبق اور اثر لیتا تھا، انکے اخلاص وللہیت اور قلبی کیفیت کے اثر سے انکی یہ تحریریں، ہر پڑھنے والے کے دل کو غیر معمولی طور پر متاثر کرتی تھیں، اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے کہ انکے ان مقالات نے کتنے بندوں کے دلوں میں خدا طلبی، آخرت کی فکر اور ان اکابر و مشائخ عباد اللہ الصالحین کے نقش قدم پر چلنے کا شوق و جذبہ پیدا کیا، ایمان ویقین کی کیفیت میں اضافہ ہوا اعمال صالحہ کی توفیق ملی، اور قرب و رضاء الٰہی کی نعمت عظمیٰ نصیب ہوئی ——— رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائے ہوئے خداوندی قانون و منشور رحمت "من دل علی خیر فلہ اجر مثل فاعلہ" کے مطابق یقین ہے کہ ان سب بندگان خدا کے اعمال کا اجر بھی ان کو عطا ہوگا۔

ناظرین کرام کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ ادھر قریباً پندرہ[۱۵] سال سے مولانا کی بینائی بالکل ختم ہو گئی تھی لکھنا تو درکنار ایک سطر خود پڑھ بھی نہیں سکتے تھے ——— لیکن اسکے باوجود مطالعہ اور تحریر و تصنیف کا کام جاری رہا ——— دوسروں سے پڑھوا کر سنتے، یہ ان کا مطالعہ تھا اور خود بول کر دوسروں کے قلم سے لکھواتے، یہ ان کی تحریر و تصنیف تھی ——— ہم جیسوں کے لئے اُن کا یہ حال بڑا ہی سبق آموز ہے۔

اسی نابینائی کی حالت میں تحریری اور تصنیفی کام کے علاوہ امت محمدیہ کی دینی خدمت جس طرح بھی ان کیلئے ممکن ہوتی اس سے دریغ نہ کرتے، تبلیغی جماعتوں کے ساتھ سفر بھی کرتے، میلوں پیدل چل کر قرب وجوار کے دیہاتوں میں بھی کام کرتے، مکاتب قائم کرنے کی بھی کوشش فرماتے ——— لوگوں کے باہمی جھگڑوں کو سلجھانے کے سخت صبر آزما کام میں بھی وقت اور دماغ کھپاتے ——— دارالعلوم دیوبند، جمعیتہ علماء ہند اور دینی دعوت کے اس سلسلہ سے جو تبلیغی

جماعت کے نام سے معروف ہو گیا ہے انکو گہرا قلبی اور جذباتی تعلق تھا مزاج و فطرت کے
لحاظ سے بہت ہی حلیم اور متحمل تھے لیکن اس عاجز کا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ ان تین اداروں کے بارے
میں اتنے غیر معمولی حساس تھے کہ انکے خلاف کچھ سننا ان کیلئے ناقابلِ برداشت ہو جاتا تھا۔

یوں تو ہمیشہ ہی سے انکی زندگی سادہ و غریبانہ تھی لیکن قریباً پندرہ ۱۵ سال سے محلہ کی
مسجد ہی کو اپنا مستقل مسکن بنا لیا تھا۔ وہ ایک درویش صفت، فقیرانہ زندگی گذارنے والے
اکثر زمین اور چٹائی پر سونے والے اس طرح کے صاحبِ درس و افتاء اور صاحبِ قلم و صاحبِ
تصانیف عالمِ دین تھے جیسے کبھی پہلے ہوا کرتے تھے جن کا تذکرہ ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں۔

مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کے احوال اور اوصاف و اخلاق کے بارے میں دیگر حضرات کے
مضامین میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، یہ عاجز انکے جن حالات سے بہت زیادہ متاثر ہوا ان میں سے ایک
تو یہ ہے کہ جس زمانہ میں وہ بریلی میں میرے ساتھ مقیم تھے، اس وقت انکی عمر ۳۰ کے لگ بھگ
تھی۔ مجھے یاد ہے میں نے ان دنوں ان سے انکی شادی کے سلسلہ میں بات کی، تو انھوں نے کہا کہ
اصل بات یہ ہے کہ میرے دو بھائی ایسی دماغی حالت میں ہیں کہ وہ اپنے بچوں کی پوری فکر نہیں
کر سکتے۔ انکے اہل و عیال کی ممکن خدمت میں نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے اگر میں خود گھر بسا لوں گا تو انکی
کچھ خدمت نہ کر سکوں گا ــــ یہ بات جوانی کے زمانہ کی ہے، وہ اپنے اس عہد پر زندگی بھر
قائم رہے۔ اور صرف اپنے معذور بھائیوں کے بچوں کی خدمت کی خاطر پوری زندگی تجرد میں
گذار دی۔ اللہ اکبر، اس زمانہ میں ایسا ایثار، ایسی قربانی اخص الخواص بندگانِ خدا ہی کے
بس کی بات ہے ــــ اور دوسرا واقعہ وہ ہے جو پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے اپنے
مضمون میں لکھا ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جس زمانے میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم
شعبۂ دینیات کے صدر تھے، انھوں نے چاہا کہ مولانا فریدی یونیورسٹی کے اس شعبہ سے وابستہ ہو جائیں
پہلے بطور خود اس کیلئے تحریک کی مگر جب مولانا نے معذرت کی تو پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب کو
واسطہ بنا کر پھر کوشش کی (جو مولانا مرحوم کے نہایت عزیز حقیقی بھانجے ہیں) لیکن مولانا نے کسی طرح
اسکو منظور نہیں فرمایا ــــ مجھے معلوم ہے کہ مولانا کی زندگی ہمیشہ عسرت اور غربت کی زندگی رہی،
بریلی اور امروہہ کے جن مدرسوں میں پڑھایا وہاں انکی تنخواہ بیس پچیس روپئے یا اسکے قریب رہی،
اگر مولانا اکبر آبادی کی پیشکش کو قبول کر لیتے تو اس عاجز کا خیال ہے کہ وہاں ان کا مشاہرہ پانچ
چھ سو روپئے سے کم نہ ہوتا۔

یہ واقعہ بجائے خود مولانا کے مقام کی بلندی اور ہم عصروں میں انکے امتیاز اور علو ہمت کی دلیل ہے لیکن یہ عاجز اس بات سے انتہائی متاثر ہے کہ میرے ساتھ اتنے قریبی تعلق کے باوجود کبھی اشارۃً بھی مجھ سے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ مجھے یہ واقعہ پہلی دفعہ پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب کے اس مضمون سے معلوم ہوا جو اس نمبر میں شامل ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ہر شخص اس بات کی غیر معمولی اہمیت محسوس نہ کر سکے لیکن یہ عاجز انکی زندگی کے تمام دوسرے حالات سے زیادہ انکی اس بات سے متاثر ہوا کہ چونکہ اس واقعہ سے انکی بلند مقامی، علو ہمت اور فقر پسندی کا پتہ چلتا تھا اسلئے کبھی اسکو میرے جیسے قریبی رفیق و دوست سے بھی ظاہر نہیں کیا۔ میرے نزدیک بہت سی نفل نمازیں اور بکثرت نفلی روزے رکھنا اور اسی طرح ذکر و تلاوت جیسی عبادات کی کثرت آسان ہے لیکن ہمارے اس زمانے میں اپنے ایسے حال و کمال کا اس درجہ اخفاء بہت مشکل، حیرت انگیز اور سو بار رشک کے قابل اور اس لائق ہے کہ اللہ تعالےٰ سے اس کی توفیق مانگی جائے۔

سلسلۂ سلوک و طریقت میں مولانا فریدی علیہ الرحمۃ نے پہلے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی تھی، اور حضرت ممدوح کے تلقین فرمائے ہوئے اذکار و اشغال معمول رہے۔ اس سے پہلے حضرت مولانا حافظ عبد الرحمٰن امروہی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتوں سے بھی استفادہ کیا تھا (جو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کے خلیفہ و مجاز تھے) حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی تجدید کی۔ حضرت شیخ نے انکو اجازت و خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔

حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و مجاز تھے، حضرت مولانا حافظ عبد الرحمٰن امروہی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث شریف میں تلمذ اور صحبت سے استفادہ کی سعادت حاصل تھی، اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ بھی بیک واسطہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے خلیفہ و مجاز تھے۔ الغرض ان تینوں واسطوں سے مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی نسبت حاصل تھی۔

اس عاجز کا اندازہ ہے کہ مولانا فریدی علیہ الرحمۃ تقوے اور فتوے میں حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے قدم بہ قدم تھے۔ اسی خصوصی نسبت کا اثر تھا کہ وفات سے کچھ پہلے (جیسا کہ انکے خاص خادموں کا بیان ہے) مولانا نے خادموں سے فرمایا کہ حضرت گنگوہی تشریف لائے ہیں (ظاہر ہے کہ یہ روحانی مشاہدہ تھا) فطوبیٰ له ثم طوبیٰ له ۔۔۔ یہ عاجز مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کے اہل خاندان اور انکے خاص خدام سے اس موقع پر یہ عرض کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ ان خاص حالات میں جن کا ذکر بعض دوسرے مضامین میں آگیا ہے مولانا کی تدفین مسجد کے اس حجرہ میں کی گئی جس میں مولانا کا قیام رہتا تھا، اب ایسا نہ ہو کہ جاہل

لوگ مولانا کے مدفن کے ساتھ وہ معاملہ کرنے لگیں جو بہت سے بزرگانِ دین کے مزارات کے ساتھ ہو رہا ہے جو یقیناً اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے سخت خلاف ہے اور انکی انتہائی ناراضگی کا باعث اور ان بزرگوں کی روحوں کیلئے انتہائی اذیت کا سبب۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ اس بارے میں اس درجہ متشدد تھے کہ گنگوہ میں سال کے جن دو تین دنوں میں حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی کا عرس ہوتا تھا، اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو حضرت کی سخت ہدایت تھی کہ ان دنوں میں مجھ سے ملنے کیلئے بھی کوئی گنگوہ نہ آئے اگر غلطی اور ناواقفی کیوجہ سے حضرت سے عقیدت و محبت کا تعلق رکھنے والے کوئی صاحب اُن دنوں پہونچ جاتے تو حضرت اُن سے ملاقات نہ فرماتے، فوراً واپسی کی ہدایت فرماتے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا کہ محبت میں غلو کرنیوالے میرے جاہل امتی میری قبر کی پرستش نہ کرنے لگیں، حدیث شریف میں ہے کہ آپ اپنے مرض وفات میں دعا فرماتے تھے "اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ" (اے اللہ! ایسا نہ ہو کہ میری قبر کی پرستش کی جانے لگے)۔ بہر حال مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کے اہل خاندان اور خصوصی خدام کا فرض ہے کہ وہ اس خطرہ سے مولانا مرحوم کے مدفن کی حفاظت کا بھی جو انتظام کر سکیں اس سے دریغ نہ کریں۔

---

آخر میں یہ عاجز راقم سطور اپنے اس قصور کا اعتراف کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ قریباً ساٹھ سالہ تعلق، بریلی کی تین چار سالہ رفاقت، خط و کتابت کے مسلسل رابطے اور اکثر سالوں میں ایک دو دفعہ ملاقات کے باوجود، مَیں مولانا کے بلند مقام کو نہیں جان سکا، وہ عمر میں مجھ سے چھوٹے تھے انھوں نے میرے ساتھ معاملہ ایسا ہی رکھا جیسا کہ چھوٹوں کا بڑوں کے ساتھ ہوتا ہے، اس عاجز کا رویہ بھی کچھ اسی طرح کا رہا، لیکن انکے اس دنیا سے جانے کے بعد احساس ہوا کہ وہ بہت بڑے تھے میں اُن سے بہت چھوٹا تھا، مجھے اُن کے ساتھ اس طرح کا تعلق رکھنا چاہئے تھا جس طرح چھوٹے بڑوں کے ساتھ رکھتے ہیں، اب اپنی اس تقصیر پر بے حد افسوس ہے ـــــ ہم جیسوں کا عام مرض ہے کہ نعمت کی قدر اس سے محروم ہو جانے کے بعد ہوتی ہے۔ خدا کرے کہ میں اپنے باقی ماندہ دنوں میں انکے لئے زیادہ سے زیادہ دعاؤں کا اہتمام کر کے اپنے قصور کی تلافی کر سکوں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے ساتھ رحمت و مغفرت کا خاص معاملہ فرمائے، درجاتِ عالیہ سے نوازے، انکے فیوض کو جاری رکھے اور شر و فساد کے اس زمانے میں ان جیسے علماء صالحین اور مخلص خادمانِ دین پیدا فرمائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید ـــ نسیمے از حجاز آید کہ ناید

سر آمد روزگارِ ایں فقیرے ـــ دگر دانائے راز آید کہ ناید (اقبال)

برصغیر ہند کی سرزمین میں جس کو ایک بالغ نظر مورخ نے[1] آکالۃ الامم کہا ہے اور جہاں باہر سے آئی ہوئی کوئی قوم اپنے اصلی خط و خال کے ساتھ اور کوئی دین اپنی اصلی روح، صحیح تعلیم اور امتیازات کے ساتھ عرصہ تک باقی نہیں رہا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے داخلہ کے بعد سے ہر دور میں ایسے راسخ العلم، غیور طبع اور صاحب عزیمت علمائے ربانی پیدا کئے جنھوں نے اسلام کو کتاب و سنت کی تعلیم اور شریعت اسلامی کے تحفظ، اور ملت اسلامیہ کو اپنے مخصوص عقائد اور دعوت، اور اپنے ملی اور تہذیبی تشخص کے ساتھ باقی رہنے کے لئے جد و جہد کی اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔

محافظینِ شریعت اور مصلحینِ امت کا یہ سلسلہ دسویں صدی ہجری سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے جب اسکی سب سے زیادہ ضرورت تھی اور اس عظیم سلطنت کی باگ ڈور ایک ناخواندہ لیکن صاحب عزم اور مالکِ نظم فرمان روائے مملکت کے ہاتھ میں آگئی تھی جسکو باور کرایا گیا تھا کہ ہر دینِ سماوی کی عمر ایک ہزار برس ہوتی ہے، اور اب وقت آگیا ہے کہ نبی اُمّی کی جگہ شہنشاہ اُمّی، ایک نئے دین، نئی شریعت اور نئے نظام زندگی کا آغاز کرے،[2] اس قدسی گروہ کے سرخیل و پیشوا حضرت شیخ احمد بن شیخ عبدالاحد سرہندی (م ۱۰۳۰ھ) تھے، جن کو اہلِ نظر نے بجا طور پر مجدد الف ثانی کا خطاب دیا اور جس کو ایسی قبولیت عامہ حاصل ہوئی کہ یہ لقب

---

[1] مکتوب علامہ سید سلیمان ندوی بنام راقم سطور۔

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" کا حصہ چہارم مختص بہ سیرت حضرت مجدد الف ثانی از راقم، و مقدمہ "سیرت سید احمد شہید" بقلم حضرت علامہ سید سلیمان ندوی۔

انکے نام نامی کا قائم مقام بن گیا، انکی اور انکے فرزندانِ گرامی مرتبت بالخصوص حضرت خواجہ محمد معصوم کی مساعی جمیلہ سے سلطنت مغلیہ کے تخت پر (جو سلطنت عثمانیہ کے بعد سب سے بڑی مسلم مملکت تھی) جو فرمانروا آیا وہ پہلے فرمانرواسے کہیں بہتر اور احترام دین وشریعت میں کہیں اعلیٰ اور برتر تھا، اور جو سلسلہ ایک "ماحی دین" (اکبر) سے شروع ہوا تھا وہ چوتھے نمبر ہی پر ایک اعلیٰ درجہ کے "حامیِ دین" (شہنشاہ محی الدین اورنگ زیب) پر جاکر منتہی ہوا، جس کو ایک عرب فاضل اور مبصر مؤرخ[۱] نے سادس الخلفاء الراشدین (چھٹا خلیفۂ راشد) کا بجا خطاب دیا ہے۔

اس مثبت اور تعمیری انقلاب میں (جسکے لئے خون کا ایک قطرہ بہانے کی ضرورت پیش نہیں آئی) مخفی طور پر جس کا ہاتھ کام کر رہا تھا، وہ حضرت مجدد کی ذات اور مجددی خاندان تھا پھر اسی علم تجدید و اصلاح کو اسی سلسلہ کے حامل و منتسب اور جانشین حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی[۲] اور انکے فرزندانِ گرامی قدر اور خلفائے کبار اور تلامذۂ نامدار نے بلند کیا جن کی مساعی جمیلہ ہی کا نتیجہ ہے کہ ملت اسلامیہ ہندیہ اس وقت تک اپنے دین وشریعت اور اپنے ملی تشخص کے ساتھ باقی ہے۔ انکے چاروں صاحبزادگان حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ عبدالقادر، حضرت شاہ عبدالغنی اور انکے نبیرۂ گرامی مرتبت حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نیز حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے دونوں نامدار نواسوں حضرت شاہ محمد اسحاق اور حضرت شاہ محمد یعقوب، اسی کے ساتھ اسی خاندان کے نسب ونسبت اور تلمذ اور تربیت کا تعلق رکھنے والے بزرگ مولانا عبدالحی صاحب بڑھانوی (خلیفۂ اجل حضرت سید احمد شہیدؒ) اور خود اسی خاندان کے تربیت یافتہ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے خلیفہ نامدار حضرت سید احمد شہیدؒ جن کو بہت سے اہل نظر اور ارباب انصاف نے تیرھویں صدی ہجری کا مجدد مانا ہے، کے کارناموں کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ

این سلسلہ از طلائے ناب است　　　این خانہ تمام آفتاب است

زمانہ کے تغیر اور نئے تقاضوں کے مطابق اس نسبی اور نسبتی سلسلہ نے محافظتِ شریعت کے ساتھ "اشاعتِ شریعت" کا کام بھی اپنے ذمہ لیا۔ قرآن مجید کی باقاعدہ تدریس وتفہیم

---

[۱] علامہ علی طنطاوی شامی مقیم حجاز، صاحب تصانیف کثیرۃ۔
[۲] ملاحظہ ہو مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانیؒ کا مقالہ "الفرقان" کے مجدد نمبر میں۔

اردو تراجم قرآن، حدیث کی نشر و اشاعت و تدریس، صحاح ستہ کو نصاب درس میں داخل کرتے، اور حدیث و سنت کے سکّے کو ہندوستان کے علمی حلقوں اور عمومی زندگی میں رواں کرتے اور ردّ شرک و بدعت و اصلاح رسوم کے عظیم الشان لیکن پُرخطر کام کا بیڑہ اٹھانے کی وہ عظیم الشان خدمت انجام دی کہ اس خاندان اور اسکے منتسبین کو مجموعی طور پر اس عہد میں دین کا مجدّد اور شریعت و سنت کا پہرہ دار اور "نقیب و مراقب کا" خطاب دیا جا سکتا ہے، اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں دینی حمیت و حمایت، شریعت و سنت پر عمل کی توفیق توحید و شرک اور سنت و بدعت میں امتیاز کی صلاحیت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور تبلیغ و دعوت کا جذبہ، مدارس عربیہ کا وجود، علوم دینیہ اور عربی زبان سے شغف و وابستگی دینی کتب کی وسیع پیمانہ پر اشاعت اسی خاندان فاروقی ولی اللّٰہی نسبًا، مجددی نسبتہً و حجازی و یمنی تلمذاً کے افراد اور انکے خلفاء و تلامذہ کی مساعی و جد و جہد کا نتیجہ ہے۔

ضرورت تھی اور احسان مندی کا تقاضہ بھی تھا، نیز ایک تاریخی و علمی فریضہ تھا کہ ان دونوں خاندانوں پھر ان دونوں چراغوں سے روشن ہونے والے ایک تیسرے چراغ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ان دونوں کے تربیت یافتہ علماء، داعیان و مصلحین اور اساتذۂ کبار کے حالات سے گہری واقفیت حاصل کی جائے، ان کی تصنیفات پر وسیع و عمیق نظر ہو، پھر محض مورخانہ قابلیت اور انشا پردازانہ صلاحیت کے ساتھ ہی نہیں، اندرونی جذبہ، قلبی تقاضہ اور عشق و عقیدت کی حرارت کے ساتھ اس کام کو نہ صرف انجام دیا جائے ان شخصیتوں کے کارناموں کا نئی نسل سے تعارف کرایا جائے، بلکہ اسکو زندگی کا مقصد اور سعی و جہد کا موضوع بنا لیا جائے، اس لئے کہ ناخواندہ طبقہ اور منکرین و متعصبین کو بھی چھوڑ کر ہماری نئی تعلیم یافتہ نسل ان دونوں خانوادوں اور ان اصلاحی و تجدیدی سلسلوں کی ممتاز شخصیتوں اور کارناموں سے روز بروز ناآشنا ہوتی جا رہی تھی، اور نہ صرف ناواقفیت تھی بلکہ انکے بارے میں شدید غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس کام کیلئے جن چند شخصیتوں کو خاص طور پر منتخب فرمایا ان میں امروہہ کے اس مردم خیز قصبہ (جسکو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے ایک ممتاز ترین تلمیذ و مسترشد حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے)

کے مایہ ناز فرد مولانا نسیم احمد صاحب فریدی تھے جنھوں نے اپنی پوری زندگی اور ساری
خداداد علمی و تحریری صلاحیتیں اس موضوع کیلئے وقف کردیں اور اسکو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا،
بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے (اور مجھے اسکا ذاتی تجربہ ہے) کہ خاندان مجددی اور خاندان ولی اللّٰہی کے
سلسلہ میں اگر کسی تحقیق اور علمی اطمینان اور تاریخی ثبوت کی ضرورت ہوتی تو انھیں سے سب سے
زیادہ رہنمائی حاصل ہوتی، مولانا نے تجلیات ربانی (۱-۲) "مکتوبات خواجہ محمد معصوم" "تذکرہ
حضرت خواجہ باقی باللہ مع خلفاء و صاحبزادگان" "تذکرہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ وغیرہ
شائع کرکے بہت سے ناواقف حلقوں کیلئے واقفیت بہم پہونچائی اور بہت سے ایسے معتقدین اور
محبین کیلئے جن کو ضخیم کتابوں کے پڑھنے کی فرصت یا ہمت نہیں تھی ان حضرات سے واقف
کرایا۔ آخر میں انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ان مکتوبات کے مرتب کرنے اور شائع
کرنے کا اہتمام کیا تھا جو حیدرآباد کے مخطوطات و نوادر کے ذخیرہ میں مدفون تھے، نیز حضرت
شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے سیاسی مکتوبات مرتبہ فاضل گرامی مؤرخ ہند پروفیسر خلیق احمد صاحب
نظامی کی یافت و دریافت اور ترتیب میں بھی انکی رہنمائی شامل تھی، رسالہ "الفرقان" کے
ان دو قابل قدر اور بیش قیمت خصوصی نمبروں میں بھی جو حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ
ولی اللہ صاحبؒ اور حضرات شہیدین کی یاد میں نکالے گئے، اور جنھوں نے ضخیم اور محققانہ مستقل
تصنیفات کی قائم مقامی کی اور ان بھولی ہوئی داستانوں کو یہ کہکر یاد دلایا اور تازہ کردیا۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را　　　گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

ان کا بنیادی اور مرکزی حصہ رہا ہے، اور انکے مؤثر اور پُر از معلومات مقالات نے انکی
قدر و قیمت میں اضافہ کیا ہے، ان کو ان دونوں سلسلوں اور ہندوستان کے آخری دور کی
اصلاحی و تجدیدی تاریخ کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کہنا صحیح ہوگا، اور ان کی
وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے، موجودہ نسل کے ذہنی رجحان اور خاص طرح کے علمی ذوق
کے پیش نظر اس کا پُر ہونا مشکل نظر آتا ہے، راقم سطور نے اپنی تقریر میں جو ان کی وفات
کی اطلاع پا کر دار العلوم ندوۃ العلماء کے جلسہ میں کی تھی اور جس میں حسن اتفاق سے ان کے
نامور اور قابل فخر خواہرزادہ پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی بھی موجود تھے، صحیح کہا تھا کہ

"انکی سب سے بڑی خصوصیت ان کا علمی ذوق اور علم میں انکی فنائیت ہے، علم سے
انکو وہی تعلق تھا جو مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے، علمی اشتغال رکھنے والے، تصنیف

وتحقیق کا کام کرنے والے بہت مل جائیں گے، مگر ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم جن کا
ذوق ہی نہیں بلکہ ذائقہ بن چکا ہو، علم ہی ان کے لئے غذا، دوا، شفا سب کچھ ہو،
وہ مولانا نسیم احمد فریدی تھے۔"

راقم نے اس مقالہ میں مولانا مرحوم کی دوسری دینی وعلمی وروحانی خصوصیات انکے اخلاق وشمائل، ذوق عبادت، تعلق باللہ اور سلسلہ وطریق پر روشنی ڈالنے کی کوشش نہیں کی کہ امید ہے کہ ان پہلوؤں کو روشن کرنے کے لئے متعدد مضامین اس نمبر میں پہلے سے موجود ہوں گے، راقم نے صرف ایک ہی امتیازی وصف پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، اور وہ ملت اسلامیہ ہندیہ کے محسنین، نئے دور کے بانیوں اور ائمہ دعوت وعزیمت کے حالات وخیالات سے گہری واقفیت اور باخبری، اور ان کی اشاعت کا جذبہ اور اس کی سعی محمود ہے، جس میں (اپنے ناقص علم میں) کمتر ہی کوئی ان کا سہیم وشریک ہوگا۔ والعلم عند اللہ۔

اس غربت کدۂ اسلام میں خدا کے جن برگزیدہ بندوں نے دین حجازی کی صحیح ترجمانی اور نمائندگی کی، اور پھر جن کی مساعی جلیلہ نے اس کو اپنی بیشتر خصوصیات کے ساتھ باقی رہنے کا موقعہ دیا، ان کے حالات ان کی دعوت کی اشاعت کی کوشش کو بھی دین حجازی کی نسبت سے "نسیم حجاز" کا ایک جھونکا کہنا چاہئے، معلوم نہیں ایسے روح پرور جھونکے اس سرزمین گرد وغبار کو جلد جلد حاصل ہوتے رہیں گے یا نہیں؟ مولانا مرحوم کی روح کو یہ شعر پڑھنے کا ہے ؎

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد
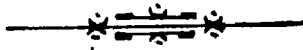
# مولانا فریدی ایک صاحب خدمت بزرگ

(حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کے نام مولانا موصوف کے تازہ مکتوب سے ماخوذ)

مخدوم و محترم زاد اللہ شرفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہوں۔ حضرت مولانا فریدی رحمۃ اللہ کے تعلق سے "مولانا فریدی نمبر" کی اشاعت کی مسرت آگیں اطلاع سے بیحد خوشی ہوئی، مولانا مرحوم اپنے گوناگوں صفات و محاسن کی بناء پر اس کے واقعی مستحق ہیں کہ انکی یادگار کے طور پر رسائل و جرائد نمبر نکالیں، پھر ماہنامہ "الفرقان" کے ساتھ تو ان کا قدیمی و خصوصی رابطہ تھا۔ اس لئے اسکی جانب سے یہ پیش قدمی اور پہل برمحل ہے۔

بندہ کو چونکہ تحریر و مقالات نگاری سے کوئی خاص مناسبت نہیں ہے اور نہ کثرتِ مشاغل و ہجوم کار اسکی فرصت دیتے ہیں کہ کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر کچھ لکھا پڑھا جائے، اس لئے مولانا مرحوم کے بارے میں معلومات کے باوجود سر دست کوئی تفصیلی مضمون ممکن نہیں، لیکن مرحوم کی عنایات و توجہات (جو اس بندہ پر تھیں) اس کی بھی اجازت نہیں دیتیں کہ معذرت کر کے خاموش بیٹھ رہوں اس لئے تعمیل حکم میں حضرت مولانا مرحوم کے بارے میں اپنے کچھ تأثرات سپرد قلم کر رہا ہوں۔ خدا کرے وقت پر آپ کو یہ تحریر موصول ہو جائے۔

حضرت مولانا فریدی مرحوم اپنی مختلف النوع صلاحیتوں اور خوبیوں کی بناء پر اسلاف کی چلتی پھرتی تصویر تھے، سادہ مزاجی، تواضع اور نرم خوئی انکی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ سلوک و تصوف کے مشاغل میں انہماک کے ساتھ ساتھ جو سالک کی ساری دماغی و قلبی توانائیوں کو ایک مرکز پر منجمد کر دیتا ہے، مولانا کا خالص علمی و تحقیقی ذوق اور اس سلسلے میں آنکی غیر معمولی سرگرمیاں اسے مولانا مرحوم کے جذب دروں کی برکت یا بالفاظ دیگر کرامت ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، ورنہ ان دونوں صفات کی یکجائی۔ اور وہ بھی اس

دورِ انتشار میں مشقِ سخن اور حکمی کی شفقت سے کم حیرت انگیز نہیں ہے۔

مرحوم اپنے احسانی مشاغل اور علمی و تحقیقی سرگرمیوں کے ساتھ ملی و سماجی کاموں سے بھی بڑی دلچسپی رکھتے تھے جمعیۃ علمائے ہند سے انھیں والہانہ تعلق تھا اس کے اکثر پروگراموں میں ضعفِ پیری اور آنکھوں سے معذوری کے باوجود نہایت ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ اور رائے و مشوروں میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ مولانا مرحوم کے مخلصانہ کردار سے کارکنانِ جمعیۃ کو بڑا حوصلہ ملتا تھا۔

بندہ کے ساتھ ذاتی طور پر بھی مولانا مرحوم کا تعلق غیر معمولی تھا۔ کثرتِ امراض، حد سے بڑھی ہوئی نقاہت اور اس پر مزید آنکھوں سے معذوری لیکن اس کے باوجود رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں دیوبند ضرور تشریف لاتے اور کم از کم تین روز قیام کر کے تراویح تہجد اور ذکر کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے۔

اس وقت نام تو یاد نہیں ہے لیکن کسی قابلِ اعتماد اور صاحبِ نسبت بزرگ سے یہ سنا تھا کہ مولانا فریدی اس دور کے صاحبِ خدمت بزرگ ہیں۔ مولانا کے احوال و مقامات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اپنا تاثر یہ ہے کہ مولانا مرحوم کی وفات سے نہ صرف علم و تحقیق اور تذکرہ نگاری کی دنیا میں خلا پیدا ہو گیا ہے بلکہ احسان و تصوّف اور روحانیت کا میدان بھی ایک بہترین مربی اور رمز شناس مرشد سے خالی ہو گیا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا اسعد مدنی
بقلم حبیب الرحمٰن قاسمی
۱۵/۱۱/۱۴۰۹ھ

# آفتاب سرہند

از۔ مولانا نسیم احمد فریدی فاروقی امروہی رح

بساطِ ہند پر جب شرک و بدعت کی حکومت تھی
ہر اک جانب ہر اک سو ہر طرف ظلمت ہی ظلمت تھی

اور اس ظلمت میں دیں تھا گرگ شب تاب کی صورت
خزاں دیدہ چمن میں شبنم شاداب کی صورت

علانیہ روافض رفض کی تلقین کرتے تھے
ابوبکرؓ و عمرؓ کی بے دھڑک توہین کرتے تھے

جلال الدین اکبر نے بھی طرحِ دین تو ڈالی
تھی مضمر جس میں یکسر ملتِ بیضا کی پامالی

غرض فتنوں کی شوریدہ سری اک رنگ لائی تھی
خزاں اسلامیانِ ہند کے گلشن پہ چھائی تھی

خدائے پاک کی غیرت نے لی اس وقت انگڑائی
عمرؓ کے خانداں سے ایک مجدد کی صدا آئی

مجدد بھی وہ کیسا، الفِ ثانی کا مجدد تھا
ضلالت کا مٹانے والا سنت کا مؤید تھا

شریعت کا طریقت کا حقیقت کا مجدد تھا
فقاہت کا، تصوف کا، مشیخت کا مجدد تھا

تبرے کی جگہ "مدحِ صحابہ" کو کیا جاری
تقیہ کی عوض تقوی کو رگ رگ میں کیا ساری

محمد مصطفےٰ کے دینِ خالص کو کیا ظاہر
کیا اسلام کو آمیزشِ بدعات سے طاہر

کیا الہامی ارشادات سے احیاء شریعت کا
تصانیف اور مکتوبات سے احیاء شریعت کا

وہ مکتوبات جن میں علم و حکمت کا خزانہ ہے
افادیت کی جن کی معترف سارا زمانہ ہے

وہ مکتوبات ہر ہر سطر جن کی سلک گوہر ہے
وہ مکتوبات نقطہ نقطہ جن کا خالِ دلبر ہے

قلم میں وہ روانی رودِ گنگا جس سے شرمائے
معارف وہ کہ جن کو سن کے عارف وجد میں آئے

وہ صورت سرمدی تھی یا صدائے شیخ سرہندیؒ
جسے سن کر ہوئے بیتاب رومی و سمرقندی

کیا مستحکم و ہموار اہلِ دین و ایماں کو
دیا درسِ یقین و تقوی ہر مردِ مسلماں کو

پڑھایا کلمۂ توحیدِ خالص کفر والوں کو
کیا صیدِ حرم بھارت کے رم خوردہ غزالوں کو

نہ صرف ہندوستاں تھا دائرہ انکی ولایت کا
حجاز و مصر و شام و روم بلکہ سارا عالم تھا

الٰہی ہند میں پھر اک مجدد کی ضرورت ہے
بڑا ہی روح فرسا انتشارِ اہلِ ملت ہے

الٰہی بھیج دے پھر شیخ احمد سا کوئی رہبر
الٰہی بھیج دے فاروقی سطوت کا کوئی رہبر

فریدی کی دعائے نیم شب مقبول ہو جائے
وہی اگلی سی رونق دین کی پھر لوٹ کر آئے

جناب انیس احمد فاروقی۔ ایم۔ اے

# حضرت الحاج مولانا مفتی نسیم احمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ

## ولادت

آپ ستمبر ۱۹۱۱ء[1] (موافق ۱۳۲۹ہجری) میں اپنے جدی مکان واقع محلہ جھنڈا شہید امروہہ میں متولد ہوئے سلسلۂ نسب ۲۳ واسطوں سے شیخ الاسلام حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر اجودھنی رح سے متصل ہوتا ہے اور ۴۶ واسطوں سے امیرالمومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ آپ کے ننھیال کا سلسلہ حضرت مخدوم ابوالفتح سید عبداللہ معروف بہ شاہ ابن بدر چشت کربانی الامروہی رح کے واسطے سے حضرت امام علی رضا رض سے متصل ہوتا ہے، حضرت شاہ ابن بدر چشت رح کے اخلاف میں امروہہ کے مشہور آفاق خانوادۂ اطباء کے ایک لائق وفائق طبیب حکیم سید احمد حسن رضوی مرحوم آپ کے حقیقی نانا تھے۔

## ابتدائی تعلیم وتربیت

۱۹۱۴ء میں جبکہ آپ صرف ڈھائی سال کے تھے، آپ کے والد ماجد مولوی حسن احمد فریدی کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کی تمام تر پرورش اور نشو ونما والدہ ماجدہ اور ہمشیرگان کے ہاتھوں ہوئی، خاندانی رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے گھر پر حاصل کی قرآن مجید پڑھنے کے بعد دینیات کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ آپ شروع ہی سے نہایت ذہین وفطین اور پڑھنے لکھنے کے بیحد شوقین تھے غیر معمولی قوت حافظہ کے مالک تھے بچپن میں کسی قسم کے لہو ولعب میں مشغول نہیں ہوئے۔ ہمیشہ علم سے اشتغال رکھا۔ پہلے آپ کو پرائمری اسکول محلہ پیرزادہ امروہہ میں داخل کیا گیا جہاں سے منشی نسیم احمد صاحب مرحوم کے زمانے میں پانچواں درجہ پاس کیا پھر ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل اسکول میں داخل ہوئے تین سال بعد ۱۹۲۶ء میں ہندی مڈل امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور اگلے سال انگریزی مڈل بھی پاس کر لیا

---

[1] مہینہ اور سنہ صحیح ہے۔ تاریخ تحقیق طلب ہے۔

اس کے بعد مدرسہ نور المدارس امروہہ سے منشی، منشی کامل، مولوی اور اعلیٰ قابلیت کے امتحانات امتیاز کے ساتھ پاس کئے۔ فارسی کی اکثر تعلیم منشی عبد الرب شکیب امروہیؒ سے حاصل کی۔ اعلیٰ قابلیت کے امتحانات میں منشی عزیز احمد عزیز امروہیؒ سے استفادہ کیا۔ آپ کو بچپن سے ہی شعر و شاعری اور تقریر کرنے کا شوق رہا۔ ننھیال کے ایک عزیز ابوالنظر حکیم سید طفیل حسن رضوی مرحوم کے مکان میں اکثر نشست رہتی تھی۔ حکیم صاحب مرحوم نہایت ذہین و ذی علم طبیب اور بلند پایہ ادیب تھے۔ ان کی صحبت میں آپ کا علمی و ادبی ذوق نکھرا۔ اسی زمانے میں آپ نے اپنی کنیت ابوالسحر رکھی۔ شروع میں امداد تخلص تھا مگر اپنے استاذ منشی عبد الرب شکیب مرحوم کے مشورے سے فریدی تخلص رکھا۔ شکیب صاحب سے شعر و شاعری میں بھی مشورہ لیا۔ شاعری میں منشی عزیز احمد عزیز امروہی تلمیذ مضطر خیرآبادی (جو امیر مینائی کے شاگرد تھے) سے تلمذ حاصل کیا۔ خود مشاعرے منعقد کراتے اور مشاعروں میں شرکت کرنے کا شوق تھا۔ اس زمانے میں بعض غزلیں کہیں، لیکن کچھ عرصے بعد نعت و منقبت میں طبع آزمائی شروع کی اور مدت العمر اسی سے شغف رہا۔

## تحصیل علوم

عربی کی باقاعدہ تعلیم شروع کرنے سے پہلے آپ تقریباً ایک سال تک مدرسہ عربیہ دار العلوم چلّہ امروہہ میں فارسی کے مدرس رہے۔ پھر مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ لیا۔ حضرت مولانا سید رضا حسن رضوی امروہیؒ (داماد و برادر زادہ حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ) اور مولانا انوار الحق عباسیؒ سے حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ مولانا انوار الحق عباسیؒ سے خصوصی طور پر علم فرائض سیکھا۔ حضرت مولانا حافظ عبد الرحمٰن صدیقی مفسر امروہیؒ سے قدوری پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں موقوف علیہ تک تعلیم حاصل کر کے بلکہ بیضاوی اور ترمذی شریف تک پڑھ کر ۱۳۵۲ھ ہجری میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اعزاز علیؒ، حضرت مولانا میاں اصغر حسین دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاگل پوریؒ، حضرت مولانا

مفتی ریاض الدین افضل گڑھی اور مولانا معین الدین ناظم کتب خانۂ نواب شروانی کے والد ماجد) اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع سے حدیث شریف کے اسباق پڑھے کچھ تجوید حضرت قاری عبد الرحمٰن مکی کے شاگرد حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن پرتاب گڑھی سے پڑھی ۱۹۳۶ء میں حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوری کے حلقۂ درس قرآن میں تین ماہ شریک رہ کر سند حاصل کی۔ لاہور کے زمانۂ قیام میں ایک جماعت کے ساتھ ڈاکٹر محمد اقبال سے بھی ملاقات کی اور انھوں نے جاوید منزل میں اس جماعت سے تقریباً ایک گھنٹہ تک گفتگو کی۔ پھر آپ لاہور سے دیوبند واپس آئے اور ادب کی کتابیں متنبی، حماسہ، سبعہ معلقہ اور اس کے ساتھ ساتھ مفتاح العروض وغیرہ عروض کی کتابیں پڑھیں۔ مولانا حکیم محمد عمر قاسمی دیوبندی سے طب کی کتاب شرح اسباب بھی پڑھی۔ اگلے سال معقولات کی کتابیں پڑھنے کا ارادہ تھا لیکن درمیان سال میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی زید مجدہم کی ایماء سے صدر مدرس کی حیثیت سے بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ سے متعلق ہو گئے۔ اور وہاں تقریباً چار سال تک کتب حدیث خصوصاً بخاری شریف کا درس دیا۔ اسی زمانے میں رسالہ الفرقان بریلی سے بھی تعلق پیدا ہوا۔ ۱۹۴۲ء میں بعض خانگی حالات سے مجبور ہو کر بریلی کی ملازمت ترک کر دی اور مدرسہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں ۳۲ سال تک درس و تدریس کے فرائض بخوبی انجام دیئے۔ حضرت مولانا عبد القدوس ابن حضرت مولانا حافظ عبد الرحمٰن صدیقی مفسر امروہی صدر مدرس کے ۱۹۶۰ء میں وفات پاجانے کے بعد حضرت مولانا فریدی صدر مدرس کے عہدے پر کام کرتے رہے، اور یہ سلسلہ اب سے ۸-۱۰ سال پہلے تک باقی رہا۔ ۱۹۷۳ء میں نزول الماء کا آپریشن ہوا جو کامیاب نہ ہو سکا۔ بصارت ظاہری سے معذور ہو جانے کے بعد مدرسہ جامع مسجد امروہہ کی اعزازی خدمت انجام دی۔ آخر عمر تک مسجد محلہ جھنڈا شہید میں طالبان علم کو برابر عربی و فارسی کا درس دیتے رہے، فتویٰ نویسی اور علم فرائض کی خدمات بھی تادم آخر انجام دیں۔ ہر سال رجب کے مہینے میں طلباء کو مؤطا امام مالک کا درس دینا معمولات میں سے تھا۔

۱۹۴۹ء سے تاحیات امروہہ کی تبلیغی جماعت کے امیر رہے۔ ہر جمعرات کو قبل

نماز عصر جامع مسجد جاکر تبلیغی جماعت کی تشکیل و تنظیم فرماتے تھے اور بعد عشاء واپس ہونا ہمیشہ کا معمول رہا۔

## بیعت وارادت

تقسیم ہند کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے اعظم پور پاسٹھا کے قریب نواب ساجد حسین خاں صاحب سنبھلی کے فارم کے ڈیرے میں بیعت ہوئے حضرت مولانا مدنیؒ اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ سے تعلق بیعت وارادت قائم کیا۔ ہر سال رمضان المبارک کے آخر عشرے میں سہارنپور پہونچ کر حضرت شیخ الحدیث سے ملاقات کرنا معمولات میں سے تھا حضرت شیخ الحدیث نے اجازت و خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ آپ کو حضرت مولانا فتح محمد میواتی (خلیفہ حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ) اور حضرت حافظ مقبول حسن صاحبؒ (خلیفہ ومجاز حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ) سے بھی اجازت حاصل تھی۔ اکثر لوگ آپ سے بیعت ہونے کیلئے اصرار کرتے تھے مگر آپ اپنے مرشد زادوں سے ان کو بیعت کرا دیتے تھے۔ خود کسی کو بیعت کرنے کا اب تک علم نہیں ہو سکا۔

## خصائل

آپ اوائل عمر ہی سے متبع شریعت و سنت، پابند صوم و صلوٰۃ، نیک، صالح، متقی باحیا، خلیق و مہذب، نرم دل، سنجیدہ، بردبار اور علم دوست تھے، طبیعت میں عاجزی وانکساری، مسکینی و فروتنی، خلوص و مروت، ایثار و سلوک، شفقت و ترحم، سخاوت، قناعت اور توکل واستغناء تھا، لباس و طعام میں کسی طرح کا کوئی تکلف نہ تھا اکثر پھٹے ہوئے کپڑے اور ٹوٹی ہوئی جوتیاں پہن لیتے تھے، راستے میں ہمیشہ نظر نیچی کر کے چلتے تھے، اور آنے جانے والوں کو کثرت سے سلام کرتے تھے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ راستے میں کاغذ کا لکھا ہوا کوئی پرزہ پڑا ہوا ملا ہو اور آپ نے ادب سے اس کو اٹھا کر کسی جگہ محفوظ نہ کیا ہو۔ اسی طرح کھانا بھی نہایت سادہ کھاتے تھے۔ مرغن غذائیں بالکل مرغوب نہیں تھیں کھٹی اور چٹ پٹی چیزوں کا شوق تھا چٹنی اور چاول زیادہ

پسند تھے اور اکثر یہی غذا استعمال فرماتے تھے حتیٰ کہ مہمان کی تواضع بھی اسی کھانے سے ہوتی تھی۔

آپ کی آمدنی قلیل تھی مگر اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنے دو مجذوب و مغلوب الحال بھائیوں اور بھتیجوں پر خرچ کر دیتے تھے، جب تک بصارت رہی اپنے دو بڑے بھائیوں کی ہر خدمت اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ غالباً اسی وجہ سے شادی نہیں کی اور تمام عمر ترک و تجرد کی حالت میں بڑی پاکبازی سے گذاری۔ آپ کی زندگی کے لیل و نہار دین اور علم دین کی خدمت کے لئے وقف ہو گئے تھے۔ آپ کی پوری زندگی ایک عظیم مجاہد دین کی زندگی تھی ۱۳۸۰ھ ہجری میں آپ حج و زیارت حرمین شریفین سے بھی مشرف ہو گئے۔

## آپ کے معمولات

آپ ایک عالم باعمل تھے۔ آپ کے تمام تر معمولات زندگی شریعت و سنت کے عین مطابق تھے، ہمہ وقت باوضو رہتے اور نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرتے تھے، شب کے آخر حصے میں بیدار ہو کر تہجد پڑھتے، اشراق، چاشت اور اوابین نیز رمضان المبارک میں اپنی مسجد میں اعتکاف معمولات میں سے تھے۔ تلاوتِ قرآن بکثرت کرتے تھے۔ رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ ۱۵ رشعبان، یوم عرفہ اور یوم عاشورہ کے روزے رکھنا ہمیشہ معمول رہا روزانہ بعد نماز فجر اور بعد نماز مغرب استغفار اور درود شریف کی تسبیحات پڑھتے تھے، زوالِ بصارت ظاہری کے بعد مسجد محلہ جھنڈا شہید میں قیام رہتا تھا۔ مسجد کے ایک حجرے میں ضروری اور خاص کتابیں رکھ لی تھیں اور دن و رات کا زیادہ تر وقت مطالعہ اور تصنیفی کاموں میں گذارتے تھے۔ کتابوں سے انس تھا۔ اور ان کی حفاظت کا بڑا خیال کرتے تھے۔ کتابوں کو پڑھوا کر سننا اور مضامین کا املا کرانا تادم آخر مشغلہ رہا۔

صبح سے رات گئے تک شہر اور بیرون شہر کے سیکڑوں افراد اپنے معاملات مشکلات اور مسائل لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ ان کی باتوں کو خندہ روئی اور ہمدردی کے ساتھ بغور سنتے اور ان کو نہایت احتیاط و اعتدال کے ساتھ صحیح و صائب مشورے سے نوازتے تھے۔ اکثر مرد و عورت دعا کرانے کی غرض سے حاضر ہوتا اور مریضوں کے لئے پانی پڑھوا کر لے جاتے اور اللہ تعالیٰ انھیں شفا دیتا تھا۔ باوجود اصرار کے

تعویذ کسی کو نہ لکھتے تھے۔ اکثر معتقد تحفے تحائف لاتے اور آپ ان کو حاضرین مجلس طلباء و خدام اور عزیز و اقارب میں تقسیم کر دیتے تھے۔ بعض مرتبہ فتوحات بھی ہوتی تھیں مگر آپ انکو اپنے اوپر خرچ نہ کرتے تھے۔ یہ رقم اکثر و بیشتر بیواؤں، حاجت مندوں، سائلوں اور طالب علموں پر خرچ کر دیتے تھے۔ مساجد اور مدارس کا قیام آپ کی زندگی کا مقصد بن گیا تھا چنانچہ شہر و بیرون شہر مضافات و دیہات میں اکثر مساجد و مدارس کا سنگ بنیاد رکھا۔ رمضان المبارک میں مدارس کے ہر سفیر کو اپنی جیب خاص سے کچھ نہ کچھ مالی امداد ضرور دیتے تھے، اکثر بڑے مدارس کی مجالس شوریٰ کے رکن تھے۔ آپ نہایت بلند حوصلہ اور عالی ہمت تھے معذوری اور کمزوری کے باوجود کثرت سے سفر کرتے تھے۔ بمبئی، حیدرآباد، دہلی، میرٹھ، مظفر نگر، پھلاؤدہ، پھلت، نانوتہ، گھتولی، منصور پور، میران پور، جانسٹھ، تھانہ بھون، کاندھلہ، مرادآباد، سنبھل، رامپور، لکھنؤ، رائے بریلی، سیتاپور، الہ آباد، سہارنپور، دیوبند، گنگوہ وغیرہ کا اکثر سفر ہوتا تھا، ضلع مرادآباد، بجنور اور رامپور کے دیہاتوں میں دور دور تک سفر کرنا بھی معمول تھا۔ آپ علمی تحقیق و جستجو کے لئے زیادہ تر سفر فرماتے تھے، آپ کے اس ذوق تلاش و تحقیق کی بدولت بعض نہایت اہم علمی نوادر منظر عام پر آئے اور تحقیق کے بعض نئے گوشے اہل علم کے سامنے آئے۔

## ذوق شاعری

آپ کے اندر شعر گوئی کی صلاحیت خداداد تھی طبیعت موزوں اور ذہن رسا پایا تھا۔ تمام اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی۔ آپ کا کلام نہایت معیاری ہوتا تھا نعت و منقبت آپ کا خاص میدان تھا۔ آپ نے بڑے ہی پرسوز، عاشقانہ و والہانہ انداز میں نعتیں کہی ہیں جو از دل خیزد بر دل ریزد کا مصداق ہیں۔ آپ کا اکثر نعتیہ کلام رسالہ الحرم میرٹھ، نظام کانپور، الفرقان لکھنؤ، القاسم دیوبند، اور دُرّ مقصود امروہہ وغیرہ رسائل میں شائع ہوا۔ آپ کا مجموعۂ کلام طبع کرانے کا ارادہ ہے۔

## ذوق تصنیف و تالیف

تصنیف و تالیف آپ کا سب سے بڑا مشغلۂ حیات تھا۔ پچاس سال سے زائد عرصے تک مختلف موضوعات پر علمی و تحقیقی مضامین قلمبند کئے۔ اس عرصے میں اکثر و بیشتر مضامین رسالہ الفرقان لکھنؤ میں شائع ہوئے۔ آپ کا اسلوب نگارش منفرد تھا اور

آپ ایک صاحب طرز ادیب و انشاء پرداز تھے۔ آپ کو حدیث، فقہ، تفسیر، تاریخ، تصوف، علم رجال، علم انساب اور علم لغت میں نہایت وسیع معلومات تھیں، آپ بہترین مترجم و مؤلف تھے۔ بزرگوں کے مکتوبات و ملفوظات کی تلخیص اور ترتیب و تدوین کا خاص ملکہ تھا، عصر حاضر میں امام ربانی مجدد الف ثانی کے کارِ جدید اور فکر ولی اللّٰہی کے رمز شناس تھے۔

تجلیات ربانی، مکتوبات معصومیہ، سفر نامۂ حجاز، تذکرہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ دہلوی و صایا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، تذکرہ شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ مکتبۂ الفرقان میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں چند کتابیں زیر طبع ہیں۔ انکے علاوہ مکتوبات اکابر دیوبند فرائد قاسمیہ، مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، مکتوبات سید العلماء (حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ) وغیرہ کتابیں بھی آپ کی یادگار ہیں مکتوبات اکابر دیوبند اور فرائد قاسمیہ طبع ہو چکی ہیں بقیہ کتابیں زیر طبع ہیں علاوہ ازیں آپ نے مختلف اوقات میں جو مضامین تحریر کئے ان کی تعداد بھی کئی سو تک پہونچے گی، سنہ ۱۹۸۱ء میں صدر جمہوریہ ہند نے آپ کو فارسی کی سند اعزاز اور انعام سے بھی نوازا تھا۔

## مرض الموت اور وفات

شعبان سنہ ۱۴۰۰ھ سے علالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی حالت میں رمضان المبارک کے پورے روزے رکھے اور تراویح پڑھیں۔ رمضان المبارک میں ۲-۳ مرتبہ بخار آیا اور عید کے بعد کمزوری محسوس ہونے لگی اور پھر بخار کا سلسلہ شروع ہو گیا ایک ماہ سے زائد سخت علالت کے بعد رو بصحت ہوئے اور اپنے معمولات کے مطابق وقت گذارنے لگے۔ اس دوران یونانی علاج جاری رہا کچھ عرصے بعد پھر مرض عود کر آیا سینے پر بکثرت بلغم بننے لگا اور حرارت قائم ہو گئی جب یونانی علاج سے فائدہ نہ ہوا تو ڈاکٹری علاج شروع کیا گیا۔ ڈاکٹر نے ورم جگر اور گردوں کی کمزوری تجویز کی جس کا ایک ماہ سے زائد علاج کیا گیا مگر کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ ضعف و نقاہت اس درجہ بڑھ گئی کہ پلنگ پر کروٹ بدلنا بھی مشکل تھا، لیٹے لیٹے با جماعت نماز ادا کرتے تھے۔ صبح سے شام تک سیکڑوں عقیدت مند عیادت کیلئے آتے تھے، اور آپ ان سب سے گفتگو اور مصافحہ کرتے تھے، ہوش و حواس آخر وقت تک درست تھے، دوران علالت کتابیں بھی سنیں اور خطوط کا جواب بھی املا کرایا، بستر علالت پر انتقال سے ۲-۳ دن پہلے جو کتاب مولانا محب الحق صاحب سے پڑھوا کر سنی وہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب "قبلہ نما" تھی۔

انتقال کے دن ایک گھنٹہ پہلے مولانا محب الحق صاحب سے فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ تشریف لائے تھے ــــ آپ کو اپنی موت کا یقین ہوگیا تھا چنانچہ دوران علالت ایک دن فرمایا کہ مجھے الہامات ہورہے ہیں اور میں اب جارہا ہوں۔

وفات سے ایک دن پہلے طبیعت کو کچھ سکون محسوس ہوا سہ پہر اور شب میں تکلیف میں بھی کچھ کمی سی ہوگئی۔ ۵ ربیع الاول منگل کے دن صبح چائے اور دوا کے ایک دو چمچے بھی لئے اس کے بعد رفع حاجت کیلئے اٹھنے کو فرمایا نفیس احمد صاحب خادم خاص نے پلنگ سے نیچے اتار کر قضاء حاجت سے فارغ کرایا فارغ ہوکر بہت زیادہ پانی سے طہارت کی اور پلنگ پر لیٹ گئے۔ فوراً ہی ضعف و نقاہت کی وجہ سے ایک ہلکا قلبی دورہ ہوا اور دیکھتے دیکھتے نہایت آسانی کے ساتھ روح پرواز کرگئی ــــ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

آپ کا وصال ۵ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ ہجری مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۸ء روز سہ شنبہ بوقت ۸ بجکر پچاس منٹ صبح میں ہوا خبر وفات جلد ہی دور دور تک پھیل گئی۔ امروہہ اور اسکے مضافات کے لوگ جوق درجوق آنے لگے مرادآباد، رام پور، سنبھل اور دہلی وغیرہ سے بھی بہت حضرات آئے علی گڑھ اور دہلی سے آپ کے عزیز واقارب بھی امروہہ پہونچ گئے تھے۔ آپ کی تدفین میں اہل امروہہ نے بڑے جوش وخروش کا مظاہرہ کیا۔ لوگوں کی کثیر تعداد اس پر مصر تھی کہ آپ کو جامع مسجد کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ عزیز واقارب آپ کو خاندانی قبرستان میں دفن کرنا چاہتے تھے۔ اس معاملے میں بار بار تکرار ہوئی۔ بالآخر حضرت مولانا سید اسعد مدنی زید مجدہم کے مشورے سے آپ کو مسجد محلہ جھنڈا شہید کے ایک حجرے میں دفن کرنا طے پایا بعد نماز عشاء ہزارہا ہزار لوگوں کے مجمع کے ساتھ حضرت مولانا سید اسعد مدنی زید مجدہم نے جامع مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی جنازہ جامع مسجد سے شہر کے اندر گھومتا ہوا مدفن تک لایا گیا جس میں ۱۵ ـ ۲۰ ہزار سوگواروں اور عقیدت مندوں کا ایک اژدحام تھا، اور عورتیں اور مرد زار وقطار روتے ہوئے نظر آتے تھے، سیکڑوں لوگوں کے جوتے راستے میں رہ گئے۔ صبح میں سڑکوں پر کئی جگہ جوتوں کے ڈھیر دیکھے گئے شب میں ۱۰ بجکر چالیس منٹ پر آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

**ایک خواب:** حضرت مولانا فریدیؒ کی وفات سے ۲ ـ ۳ دن پہلے ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ طالب علموں کا ایک مجمع کسی چیز کی تلاش کررہا ہے انھوں نے دریافت کیا کہ کیا چیز ڈھونڈھ رہے ہو اس پر طالب علموں نے جواب دیا کہ "ایک موتی کھوگیا ہے ہم اس کو تلاش کررہے ہیں" ــــــــ

حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ میرے ماموں تھے۔ میرے ددھیالی اور ننھیالی دونوں سلسلے دوسری پشت میں ایک ہو جاتے ہیں۔ ماموں صاحب کے دادا (مولوی بشیر احمد صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر)، میرے پردادا (منشی ارشاد علی صاحب مرحوم تحصیلدار) کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے اور ان کی ساری تعلیم و تربیت ان ہی کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ ہمارے خاندان میں علم سے دلچسپی اور دین سے تعلق کی روایت بہت قدیم ہے۔ ہندوستان میں اس خاندانی روایت کے آخری ترجمان ماموں نسیم احمد صاحب فریدیؒ تھے، بلکہ بقول "اخبار آزاد ہند" (کلکتہ مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۸ء) "وہ امروہہ کے آخری جید عالم تھے، جن کے انتقال سے اس تاریخی قصبے کے علماء دین کے سلسلے کی آخری کڑی بھی ختم ہو گئی"۔ یہی نہیں بلکہ امروہہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ[1] کے علمی جانشینوں کا جو سلسلہ حضرت مولانا احمد حسن محدثؒ سے شروع ہوا تھا، وہ ان پر آکر ختم ہو گیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک تاریخی عہد آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

ترا چہ آگہی کہ مرا از غروب ایں خورشید
چہ گنج ہائے سعادت زیان جاں آمد!

پاکستان میں ہماری خاندانی روایات کے آخری امین، ڈاکٹر برہان احمد صاحب فاروقی مدظلہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تا دیر قائم رکھے۔ ہمارے خاندان میں ویسے تو چشتیہ سلسلہ سے

---

[1] حضرت مجدد صاحبؒ پر ان کی کتاب "مجددؒ کا نظریۂ توحید" مجدد صاحبؒ کی فکر کو مغربی حلقوں میں روشناس کرانے کی پہلی اور موثر کوشش تھی اور اپنے موضوع پر مستند سمجھی جاتی ہے۔ وہ ماموں نسیم احمد صاحبؒ کے چچازاد بھائی ہیں۔

وابستگی رہی ہے لیکن ان دونوں بزرگوں نے اپنی ساری علمی صلاحیتوں کو حضرت مجدد صاحبؒ اور ان کے سلسلہ کی تاریخ اور تعلیم کی تحقیق میں لگا دیا۔ اور اس ضمن میں وہ خدمات انجام دیں جو خاندان کے لئے باعث افتخار ہیں۔

اس شخص کے غم واندوہ کا اندازہ کون کرسکتا ہے جس کو اپنے ایک بزرگ کے سانحۂ ارتحال ہی پر نہیں، بلکہ خاندان کی ایک روایت کے خاتمہ پر اپنے دل کے داغ دکھانے پڑیں۔

چراغ انجمن حیرت نظر بودند
کنوں بہ پردۂ دل داغہائے خاموشند

لیکن جناب محترم مولانا محمد منظور نعمانی صاحب زادمجدہٗ کے حکم کی تعمیل میں یہ مضمون سپرد قلم کر رہا ہوں، اور اپنی علمی بے بضاعتی سے ڈرتا ہوں کہ اس کا حق کیسے ادا کر پاؤں گا۔

## سیرت و شخصیت

مولانا فریدیؒ کی زندگی اخلاق کے اس اصول کی جیتی جاگتی تصویر تھی ـــــ

خالطوا الناس باخلاقکم وخالفوھم فی اعمالکم یعنی اخلاق میں سب آدمیوں سے شیر وشکر ہو، اور اعمال میں سب سے ممتاز۔ ان کے پاس ان کے طرز زندگی ان کی بود و باش، ان کے انداز گفتگو سب میں سادگی تھی، لیکن ان کے عادات واطوار میں ان کی شخصیت کی عظمت پکارتی تھی۔ اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ انسان ہم میں سے ہوتے ہوئے ہم جیسا نہیں۔ ؎ گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان!

انھوں نے علم کو انکسار، فروتنی اور تواضع کی گدڑی میں چھپا لیا تھا، اور رومیؒ کی اس ہدایت پر عمل کیا تھا۔ علم را بر جاں زنی یارے بود

جب ان کے انتقال کی خبر لکھنؤ آئی تو میں جناب محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب زادمجدہٗ کے پاس ندوہ میں موجود تھا۔ یہ اندوہناک خبر سن کر وہ کچھ دیر کے لئے بالکل خاموش ہو گئے، پھر ایک تعزیتی جلسہ بلایا، مجھے باصرار اپنے قریب بٹھایا اور مولانا فریدیؒ سے اپنے دیرینہ تعلقات کا ذکر کرنے کے بعد نہایت درد بھرے انداز میں ان کی خصوصیات بیان کیں جن سے بہتر ان کی شخصیت کی عکاسی ممکن نہیں۔ فرمایا:

"مولانا نسیم احمد فریدی کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا علمی ذوق اور علم میں
ان کی فنائیت ہے۔ علم سے ان کو وہی تعلق تھا جو مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے۔ علمی
اشتغال رکھنے والے، تصنیف و تالیف کرنے والے بہت سے مل جائیں گے لیکن ایسے
لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم جن کا ذوق نہیں بلکہ ذائقہ بن چکا ہے، علم ہی ان کے
لئے غذا، دوا، شفا سب کچھ ہو وہ مولانا نسیم احمد فریدی تھے۔
فریدی صاحب مرحوم کی دوسری اہم خصوصیت ان کی سادگی، تواضع، فروتنی اور
اخلاق ہے۔ مولانا مرحوم اتنی سادگی سے رہتے تھے کہ اجنبی آدمی انھیں دیکھ کر بالکل
نہیں سمجھ سکتا تھا کہ وہ کوئی بڑے عالم و مصنف ہیں۔ ہر شخص سے بہت تواضع اور اخلاق
سے ملتے تھے"

جب مولانا نے فرمایا کہ "وہ ہمارے اسلاف کی سیرت و کردار کا نمونہ تھے" تو مجھے محسوس ہوا
کہ خاندانی تعلق سے قطع نظر، ہم نے کیا کھودیا ہے ؎

اک دھوپ تھی گئی آفتاب کے ساتھ

مولانا فریدیؒ کی سادگی دل پر اثر کرتی تھی۔ وہ غریب لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے
معمول تھا کہ جب کسی متعارف شخص کا امروہہ میں انتقال ہوتا تو مجھے اطلاع کرتے اور لکھتے کہ فوراً
فلاں شخص کو فلاں پتہ پر تعزیت کا خط لکھو۔ امروہہ میں ہمارے مکانات کے درمیان، ایک مسجد ہے
جو ہمارے ہی بزرگوں نے بنوائی تھی۔ ہمارے کئی مکانات موجود تھے بلکہ خالی پڑے
تھے، لیکن وہ مسجد میں رہتے تھے اور اپنا سارا وقت وہیں گزارتے تھے۔ کسی وقت آنے والوں کا
سلسلہ نہ ٹوٹتا تھا۔ ہر شخص سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ اس کے حالات دریافت کرتے اور دلجوئی کرتے
تھے۔ کتنا ہی بے وقت کوئی آجائے، میں نے کبھی ان کو اس سے کبیدہ خاطر ہوتے نہیں دیکھا۔ اخلاق
و کردار کی یہ خوبیاں دل کو موہ لیتی تھیں۔

طبیعت میں ضبط اور تحمل بہت تھا، لیکن دو موقعوں پر اپنے پر قابو نہ پاسکتے تھے اور غصہ
سے بپھر جاتے تھے۔ اگر کسی کو شریعت کی کھلی بے حرمتی کرتے ہوئے پاتے، یا کسی کو عربی مدارس کے
طلباء کے ساتھ حقارت سے پیش آتے دیکھتے تو غصہ کو قابو میں نہ رکھ پاتے تھے۔ اس سلسلہ میں
نواب وقار الملک مرحوم کا واقعہ اکثر بیان کرتے تھے کہ مولانا سید سلیمان ندوی ۱۹۰۶ء میں ندوۃ العلماء
کا ایک جماعت کے رکن کی حیثیت سے ان سے ملنے امروہہ آئے تو نواب صاحب جو اس وقت مسلمانوں

کے مسلم لیڈر تھے "تشایعت کے لئے گھر سے گلی سے گلی سے سڑک تک نکل کر آتے اور یکہ بیان کو سوار کرنے کے بعد واپس ہوتے ۔ وہ یہ توقع کرتے تھے کہ ان عربی مدارس کے طلبار کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کیا جائے، اگر کسی میں اس کی کمی پاتے تو اظہار ناراضگی کرتے ۔ وہ ان طلبار کو دینی زندگی کا ستون سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ان ہی کی وجہ سے شہر و دیہات میں دینی شعار قائم ہیں ۔

مولانا فریدیؒ کا لباس اتنا سادہ ہوتا تھا کہ ان کے منصب و مرتبہ کا اندازہ لگانا مشکل ہوجاتا تھا ۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے متعلق مولانا تھانویؒ ایک قصہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ دیوبند سے نانوتہ جا رہے تھے ۔ راستہ میں ایک جولاہے نے اپنا ہم قوم سمجھ کر سوت کا بھاؤ پوچھ لیا ۔ مولانا نے جواب دیا ، بھائی، آج بازار جانا نہیں ہوا ۔ معلوم نہیں مولانا فریدیؒ کے ساتھ ایسے کتنے واقعات پیش آئے ہوں گے ۔ غالباً یہ روش تھامی ہی ان کے لئے مثالی حیثیت رکھتی تھی ۔ اس سلسلہ میں ابتدائی زمانہ کا ایک واقعہ بہت دلچسپ ہے ۔ ان کی والدہ مرحومہ نے ایک بار ان کے لئے بہت اچھے کپڑے بنائے ۔ پہن کر باہر نکلے ۔ تو کچھ ایسے لوگوں نے جو ان کو راستے میں ملتے تو سلام دعا نہیں کرتے تھے ، سلام کیا ۔ گھر واپس آئے تو ہنس ہنس کر بولے ۔ "آج تو ان کپڑوں کو بہت سلام ہوئے" اس کے بعد شاید ہی کبھی انھوں نے پہننے میں کوئی اہتمام کیا ہو ۔

گفتگو کو کبھی بحث یا مجادلہ کا رنگ اختیار کرنے نہیں دیتے تھے دوسرے کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے نہایت نرمی سے بات کی وضاحت کرتے تھے ۔ اور اکثر دوسرے کو اپنا ہم خیال بنالیتے تھے اکثر ایسا محسوس ہوا کہ ان کا عمل اس قرآنی ہدایت پر رہتا تھا ۔

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۔

یعنی اے نبی راہ خدا کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور بحث کرو ان سے ایسے طریقے سے جو سب سے اچھا ہو ۔

انھوں نے تبلیغی جماعتوں کے ساتھ (جب تک بینائی نے ساتھ دیا مسلسل، جب معذور ہو گئے تو کبھی کبھی ) تمام قریبی اضلاع کے ایک ایک گاؤں کا دورہ کیا تھا ۔ اور جن لوگوں نے ان جماعتوں میں ان کے ساتھ سفر کئے ہیں ان کا بیان ہے کہ وہ اپنے سیدھے سادے انداز سے دل کو موہ لیتے تھے ۔ اکثر دیہات کے لوگ ان کے پاس آتے ، عقیدت سے ملتے اور وہ نہایت محبت سے ان کی میزبانی کرتے ۔ کوئی بڑا آدمی ہوتا تو اس کی میزبانی کی فکر زیادہ نہیں کرتے تھے لیکن کبھی

ایسا نہیں ہوا کہ کوئی غریب آدمی آیا ہو اور انھوں نے اپنے کھانے میں اس کو شریک نہ کیا ہو۔ دیہات کے لوگوں میں ان کی مقبولیت کا اندازہ ان کے انتقال پر ہوا۔ اس کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی، اور دور دور سے ریل گاڑیوں، یکوں، تانگوں پر سوار دیہات کے لوگ ان کے جنازے میں شرکت کے لئے جمع ہونے لگے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کے سوچنے، کہنے اور عمل کرنے میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کے ظاہر و باطن کا فرق مٹ جاتا ہے تو اس کی زندگی میں ایک مقناطیسی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی کیفیت تھی جو مولانا فریدیؒ میں پیدا ہو گئی تھی۔ جناب محترم مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد نے اپنے تعزیت نامہ میں لکھا تھا:

"یوں تو حضرت مولانا کو جو کوئی تھوڑی دیر کے لئے بھی برت لیتا تھا اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ یکایک دور صحابہ کرام میں پہنچ گیا ہے اور ان کی سیرت کے ایمان افروز مناظر اس کی نگاہوں میں پھرنے لگتے تھے۔"

ماموں صاحب کو میں نے کبھی ظاہری اوراد و وظائف میں مشغول نہیں دیکھا۔ لیکن وہ ہمیشہ باوضو رہتے تھے، کتنا ہی ضروری کام ہو، کتنی ہی مصروفیت ہو لیکن بے وضو رہنا ایک منٹ کے لئے بھی گوارا نہ تھا۔ وہ غالباً "ذکر خفی" اور "خلوت در انجمن" پر عامل تھے۔ بعض اوقات چادر اوڑھے لیٹے رہتے اور کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ کس کام میں مصروف ہیں۔ غالباً اخفاء حال کے خیال سے اوراد و وظائف کی نمائش سے پرہیز کرتے تھے۔ علی گڑھ میں اکثر میرا لڑکا مجیب سلمہ (جناب بمبئی میں عمان بنک میں ملازم ہے) ان کے ساتھ کمرے میں ہوتا تھا۔ وہ خود نماز کا پابند تھا اور صبح سویرے اٹھتا تھا۔ اس کو رات کے وقت کئی کئی بار پکار کر پوچھتے تھے کہ "کیا نماز کا وقت ہو گیا؟" وہ کہتا کہ ابھی تو ۲ یا ۳ بجے ہیں۔ کہتے ذرا گھڑی دیکھ کے بتاؤ۔ نماز باجماعت کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ آخری وقت میں جب خود رضائی اوڑھنے کی بھی طاقت جسم میں نہ رہی تھی، اور کروٹ دلانے کے لئے دو دو آدمی سہارا دیتے تھے، نماز با جماعت کا یہ اہتمام تھا کہ چارپائی صف میں لگادی جاتی تھی اور وہ انگلیوں کے اشارے سے باجماعت نماز ادا کرتے تھے۔ میں نے اپنی والدہ مرحومہ سے سنا تھا کہ نماز کی پابندی انھوں نے بہت ہی چھوٹی عمر سے شروع کر دی تھی۔ روزوں کا حال بھی یہی تھا۔ کبھی بیماری میں بھی ان کے روزے قضا نہیں ہوئے۔ نماز روزہ ان کی زندگی کا معمول بن گیا تھا جس کو بلا تکلف انجام دیتے تھے۔

ماموں صاحب نے شادی نہیں کی تھی۔ شروع زمانہ میں میری والدہ مرحومہ ان سے شادی کے لئے کہتی تھیں تو وہ مسکرا کر خاموش ہو جاتے تھے، نہ کبھی ہاں کرتے نہ ناں۔ گو ازدواجی زندگی کی ذمہ داریوں سے آزاد رہے لیکن اپنے بھتیجوں کی تعلیم و تربیت کی (جو ایک بڑے بھائی کے دماغی عدم توازن کے باعث ایک طرح بے سہارا ہو گئے تھے) اپنی اولاد کی طرح دیکھ بھال کی۔ اکثر ان کی یہ کیفیت دیکھ کر حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کا (جن سے ان کو خود بڑا تعلق تھا اور جن کی مجلسوں کا حال انھوں نے بڑی کیفیت کے ساتھ لکھا ہے) کا یہ واقعہ یاد آجاتا ہے کہ انھوں نے شادی نہیں کی تھی، لیکن سرسید کے خاندان سے ایسا تعلق تھا کہ کہا کرتے تھے "کہ گو خدا تعالیٰ نے مجھے اولاد کے جھگڑوں سے آزاد رکھا ہے لیکن متقی (سرسید کے والد) کی اولاد کی محبت ایسی دیدی ہے کہ اس کے بچوں کی تکلیف یا بیماری مجھ کو بے چین کر دیتی ہے"

ماموں صاحب نے اپنے دو مریض بھائیوں کی دیکھ بھال اور تین بھتیجوں کی نگرانی اور تعلیم کے سلسلہ میں جن صعوبتوں کا سامنا کیا ہے، اور جس تحمل اور بردباری سے ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہوئے ہیں، اس کا علم کم لوگوں کو ہے۔ لیکن یہ ان کی سیرت کا وہ پہلو ہے جس میں ان کے کردار کی حقیقی بلندی جھلکتی ہے۔ انھوں نے امروہہ کی معمولی ملازمت پر قناعت کر لی اور باہر سے کتنے ہی دعوت نامے آئے لیکن کسی منصب کو قبول نہیں کیا۔ میرے فاضل دوست مرحوم مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی جب مسلم یونیورسٹی میں دینیات کے ڈین تھے، انھوں نے بڑی کوشش کی کہ وہ ناظم دینیات کا عہدہ قبول کر لیں، لیکن آمادہ نہ ہوئے۔ مجھے بھی بیچ میں ڈالا گیا میں نے ان کو ہموار کرنے کے لئے کہا کہ یہ وہ عہدہ ہے جس پر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے داماد مولانا عبداللہ مرحوم بھی کام کر چکے ہیں، لیکن انھوں نے اس طرح قطعی طور پر انکار کیا کہ پھر دوبارہ کہنے کی جرأت ہی نہیں ہوئی۔ یہ سب اس لئے تھا کہ وہ پورے گھر کے نگراں تھے اور گو خود علائق دنیاوی سے اپنا دامن آزاد رکھا تھا، لیکن بھائیوں اور ان کی اولاد کے لئے اپنی زندگی کی ہر آسائش کو حقیقتاً قربان کر دیا تھا۔ ان کی گھر سے باہر کی زندگی سے کہیں زیادہ دلکش لیکن صبر آزما ان کی خاندانی زندگی کا یہ رخ ہے، جو ان کی سیرت کے ایک نہایت ہی عظیم پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔ وہ اللہ کے لئے جیتے اور اس کے بندوں کی خدمت میں زندگی بسر کرتے تھے۔

میری والدہ مرحومہ کو ان سے اور ان کو میری والدہ سے بڑی محبت تھی۔ اگر کچھ دنوں

میرٹھ نہ آپاتے تو سب بے چین ہو جاتیں۔ اکثر رمضان میں میرٹھ آجاتے تھے اور یہیں سے
دیوبند اور سہارنپور جاتے تھے۔ میرے والد مرحوم (مولوی عزیز احمد صاحب نظامی وکیل) کا
اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا تھا۔ ماموں صاحب اتفاقاً اس وقت
میرٹھ میں موجود تھے۔ میں علی گڑھ میں تھا۔ جب میرٹھ پہونچا تو ان کو عجیب ذہنی اور قلبی کرب
میں مبتلا پایا۔ بڑا ضبط کرتے تھے، لیکن آنسو تھے کہ داڑھی پر بہے جارہے تھے۔ ان کے
پریشان کن خاندانی حالات میں غالباً ہمارا گھر ہی تنہا وہ گوشہ تھا جہاں ان کو کچھ اطمینان اور سکون
مل جاتا تھا۔ اب وہ بھی ختم تھا۔ جنازے کی نماز خود پڑھائی، لیکن اس کے بعد یہ حال ہو گیا
کہ جنازے کے ساتھ قبرستان تک نہ جاسکے اور کراہتے ہوئے آکر بہن کے پاس بیٹھ گئے۔ دونوں
کی زبانیں خاموش تھیں لیکن دل، درد و غم کی داستانوں سے لبریز تھے۔ میرے والد ان سے بالکل
بچوں جیسا برتاؤ کرتے تھے۔ کبھی سمجھاتے کبھی ڈانٹتے بھی، لیکن ان کے چہرے پر کبھی شکن نہ
آئی اور ان سے جس محبت سے "بھائی بھائی" کہہ کر گفتگو کرتے وہ آواز آج تک کانوں میں گونج
رہی ہے۔ اس زمانہ میں کئی بار علماء کو بلا کر گھر میں وعظ کرائے اور جب تک والدہ مرحومہ میرے
ساتھ علی گڑھ نہ آگئیں، میرٹھ میں کافی عرصہ تک رہے۔

تین سال ہوئے جب والدہ مرحومہ کا علی گڑھ میں انتقال ہوا۔ اتفاقی بات تھی کہ
اس وقت بھی وہ یہاں موجود تھے۔ بینائی بالکل جا چکی تھی۔ سہارے سے چلتے تھے۔ ادھر
میری ماں نے آخری سانس لیا، ادھر وہ بے تابانہ اٹھ کر پاؤں سے لپٹ گئے اور بوسہ دیکر
کہنے لگے "میری ماں کی طرح تھیں"۔ ان کی آنکھوں میں تو روشنی کئی برس سے نہیں رہی تھی
لیکن اس وقت ان کی آنکھوں کا اندھیرا دوسرے بھی دیکھ سکتے تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ والدہ مرحومہ کے انتقال کے بعد وہ اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس
کرنے لگے تھے۔ جب کبھی ان کی طبیعت کی ذرا سی بھی ناسازی کی اطلاع والدہ مرحومہ کو
ملتی تھی تو وہ باصرار ان کو میرٹھ یا علی گڑھ بلا کر علاج کراتی تھیں۔ میرٹھ کا ایک منظر
بار بار ذہن میں ابھر کر آتا ہے۔ ماموں صاحب کے چہرے پر چند پھنسیاں نکلیں اور پورا
چہرہ متورم ہو گیا۔ ڈاکٹری علاج پسند نہیں تھا۔ حکیم نے نہایت کڑوی دواؤں کا نسخہ
لکھا۔ اس قدح کا پلانا ایک مسئلہ تھا۔ بڑی بڑی دیر والدہ مرحومہ ایک ہاتھ میں دوا
کا پیالہ اور دوسرے میں مٹھائی کی پلیٹ لئے کھڑی رہتی تھیں اور بڑے محبت بھرے

انداز میں کہتی تھیں "نیم چندا! یہ دوا پی لو تو مٹھائی ملے گی" وہ بالکل اس طرح انکار کرتے جیسے کوئی اپنی ماں سے نخرے کرتا ہے۔ ناراض ہو جاتے اور کہتے "میں امروہہ جا رہا ہوں" لیکن وہ دوا پلائے بغیر نہ ہٹتی تھیں۔ اس انکار و اصرار میں محبت کے کتنے معصوم جذبات پنہاں تھے؛ ع

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

آخری علالت کے زمانہ میں ان کی آنکھیں بہن کی محبت کو ضرور تلاش کرتی ہوں گی لیکن ان کے شاگردوں اور متوسلین نے جس طرح ان کی خدمت کی، اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ جب میں مزاج پرسی کے لئے امروہہ گیا تو شاگردوں کی اس خدمت کو دیکھ کر حیرت میں رہ گیا۔ اور بے اختیار زبان پر آگیا کہ "جو کام ہمارے کرنے کا تھا وہ آپ لوگ کر رہے ہیں" فوراً میری طرف اپنا رخ کیا، ان کے چہرے سے اپنے رب کی احسانمندی کا جذبہ ٹپکتا تھا اللہ نے ان کو اولاد سے محروم کیا تھا، لیکن ہر دلِ دردمند کو ان کی اولاد بنا دیا تھا۔ انھوں نے ایک ایک تیماردار کو بلا کر مجھ سے ملایا اور تعارف کرایا۔ جب رخصت ہونے لگا تو میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، فرمایا: "فی امان اللہ، ۲۴ گھنٹے بعد پھر" ———— میں لکھنؤ چلا گیا۔ ۲۴ گھنٹے پورے نہ ہوئے تھے کہ وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اور امروہہ میرے لئے صرف بزرگوں کا قبرستان رہ گیا۔

---

مولانا فریدیؒ کی پوری زندگی علمی جدوجہد کی زندگی تھی۔ صبح سے رات تک (جب تک بینائی نے ساتھ دیا) مطالعہ میں مصروف رہتے، کتاب کبھی ہاتھ سے نہ چھٹتی۔ اکثر لیٹ کر پڑھتے تھے، اسی میں نیند آجاتی، کتاب سینہ پر رہتی۔ جس جگہ جاتے وہاں کے کتب خانوں کو دیکھنے کے لئے بے چین رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حافظہ بہت اچھا عطا فرمایا تھا۔ جو پڑھتے تھے ذہن کے کسی گوشے میں محفوظ ہو جاتا تھا۔ تذکروں، انساب، تاریخ و رجال پر وسیع نظر تھی اور اس خصوصیت میں وہ اپنے ایک نہالی بزرگ مرحوم حکیم سید حسن مثنی صاحب رضوی ندوی[1] سے کچھ آگے ہی تھے۔ مشیّت الٰہی کو کون سمجھ سکتا ہے کہ جب ان کی اس معلومات کا ذخیرہ ایک امتیازی رنگ اختیار کر رہا تھا کہ متعدد عظیم الشان علمی تصانیف وجود میں آسکتی تھیں، وہ بصارت

---

[1] ان کا تذکرہ مولانا علی میاں نے "پرانے چراغ" (حصہ اول ص ۲۸۴-۲۷۳) میں کیا ہے

سے محروم ہو کر بے بس ہو گئے۔ اور اپنی معلومات کا سفینہ سینے میں لئے اپنے معبود حقیقی کے پاس پہونچ گئے۔ اللہ علم کے اس شیدائی کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔

ان کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ میں جب کبھی ملک سے باہر جاتا وہ برابر کتب خانوں کا حال معلوم کرتے رہتے۔ خود ہندوستان میں کہیں جاتے تو مجھے تفصیل سے لکھتے کہ اس سفر میں کیا کیا کتابیں نظر سے گذریں اس سلسلہ میں ان کے دو خطوط کے کچھ حصے یہاں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے علمی مذاق کا ثبوت اس سے بہتر کہیں نہیں مل سکتا۔ (یہ طولانی اقتباس معذرت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے)

۱۹ر شوال المکرم ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۷ر مارچ ۱۹۶۲ء کو مجھے لندن لکھتے ہیں:

"بہت دنوں کے بعد تمہارا خط جو تم نے غالباً ۲۰ر مارچ کو لکھا تھا ۲۳ر مارچ کو مل گیا۔ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ تمام حالات معلوم ہوئے ... کتابوں کے بارے میں جو لکھا ہے اس کو پڑھا۔ ہر کتب خانہ سے متعلق ضروری یادداشت لکھتے رہنا بلکہ اگر مضمون کی شکل ہو جائے تو اچھا ہے۔ بعد کو بہت سی ضروری باتیں رہ جاتی ہیں۔ جن کتابوں کو تم نے لکھا ہے ان میں سے مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں: شرح حزب البحر: یہ دراصل حضرت شاہ ولی اللہ کی لکھی ہوئی ہے اور خوائح کے نام سے ہے۔ میرے پاس موجود ہے اور شاید تمہارے پاس بھی ہے۔ مطبع احمدی دہلی میں چھپی تھی۔ رسالہ .... وسوالات وجوابات یہ دونوں رسالے بھی حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی کے چند رسائل کے ساتھ شائع ہو گئے تھے بلکہ جو کتاب میں لایا تھا اس میں یہ رسالے مع دیگر رسائل کے ہیں۔ رسالہ لطائف اس کی شروع کی عبارت غور سے دیکھنا، یہ بھی حضرت شاہ ولی اللہ کا رسالہ نہ ہو جس کا نام الطاف القدس ہے جو لطائف پر ہے۔ اس کے دیباچے میں انھوں نے ظاہر فرمایا ہے کہ لطائف کا علم متاخرین صوفیاء کو خاص طور پر عطا فرمایا گیا ہے۔

مثنوی خواجہ باقی باللہ چھپ گئی ہے میرے پاس ہے۔ شرح قصیدہ شاہ محمدی معلوم نہیں کہ کس کی کتاب ہے، اس کو غور سے پڑھنا۔ غالباً یہ شاہ رفیع الدین کا رسالہ نہ ہوگا۔

کلیات باقی باللہ کے متعلق میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کتاب شائع ہوئی یا نہیں۔

حضرت خواجہ عبید اللہ عرف خواجہ خورد کے کچھ حالات سید کمال سنبھلی نے اسراریہ میں لکھے ہیں اور اسی میں اپنے ایک رسالے مجمع البحرین کا حوالہ دیا ہے کہ تفصیل سے میں نے اس میں لکھے ہیں ۔ صاحب اسراریہ خواجہ خورد کے مرید باخلاص ہیں ۔ ملفوظات خواجہ خورد بہت ممکن ہے سید کمال کے قلم سے تفصیل سے لکھے ہوئے ہوں جن کو نقل کرایا گیا ہو یا اسراریہ میں جو حالات و ملفوظات درج ہیں ان کو نقل کرلیا ہو ۔ اسراریہ میں شیخ من گفتا کہہ کر ملفوظ کو شروع کیا ہے، اگر وہاں بھی یہی طرز ہے تو اسراریہ کا اقتباس ہے ۔ حالات و ملفوظات خواجہ باقی باللہ، زبدۃ المقامات میں بہت تفصیل سے ہیں ۔ اگر زبدۃ المقامات سے مقابلہ ہوسکے تو کرلینا ۔ اگر اس میں موجود نہ ہوں تو ضرور ان حالات و ملفوظات کا عکس لینا چاہیئے ۔ ملفوظات خواجہ باقی باللہ جو خواجہ خورد کے قلم سے ہیں وہ بھی نقل کرالیے جائیں یا ان کا عکس لے لیا جائے ۔ مگر خواجہ خورد کی عمر حضرت خواجہ باقی باللہ کی وفات کے وقت کوئی گیارہ بارہ سال کی ہوگی ۔ خواجہ باقی باللہ کے صحیح حالات علاوہ اسراریہ اور زبدۃ المقامات کے یہاں نہیں ملتے ۔ وہاں پر تذکرۃ المشائخ مؤلفہ حاجی رفیع الدین مرادآبادی کا خیال رکھنا اور کسی قیمت پر بھی عکس حاصل ہو اس کا عکس لے لینا ۔ ایک کتاب القول الجلی فی ذکر الولی حضرت شاہ ولی اللہ کی سوانح عمری ہے، وہ شاہ محمد عاشق پھلتی نے لکھی ہے ۔ کتب خانہ کاکوری میں اس کا ایک نسخہ ہے ۔ اگر وہاں ہو تو اس کا عکس بھی لے لینا ۔ وہاں بزرگان ہند کے خطوط (ان کے قلم کے لکھے ہوئے لکھے ہوں گے ) ان کو ضرور دیکھنا ۔ یقیناً یہ ذخیرہ وہیں مل سکے گا ۔

امروہہ کے ایک شاعر میر تقی میر کے زمانہ میں سعادت امروہوی گذرے ہیں ۔ سنا تھا کہ ان کا دیوان لندن کے کتب خانہ میں رکھا ہوا ہے ۔ مولانا علی میاں آج کل علی گڑھ میں آنکھ کا آپریشن کرانے آئے ہوئے ہیں، وہ ایک ہفتہ ہسپتال میں رہیں گے ۔ میرے پاس خط آیا تھا، نزول الماء کی شکایت ہوگئی ہے ۔ تم خطوط حضرت سید شہید کا اول حصہ اور آخری حصہ اور کم از کم دو اسماء جن کو خطوط لکھے ہیں ضرور دیکھ لینا اور ایک گہری نظر ڈال لینا ۔ اگر ضرورت ہوئی تو اس کا عکس بعد کو منگا لیا جائے گا ۔ اگر مولانا علی میاں نے اس کے

عکس کو نکھا ہو تو اس کا عکس بھی لے لینا .....

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو ان کی کامیابی کا اور مزاج پرسی کا خط بھیجدیا ہوگا ..... میں ایک خط اور لکھوں گا جو تفصیلی ہوگا"

خود حیدر آباد کا سفر کیا تو ۲۵ رجب المرجب ۱۳۸۹ھ مطابق ۸ راکتوبر ۱۹۶۹ء کو لکھا :-

" حیدر آباد کا سفر بخیر و عافیت طے ہوا - تین چار دن بارش کی وجہ سے شہر میں نکلنا نہیں ہوا - عجیب پر رونق شہر ہے - قلمی کتابوں کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے آصفیہ، عثمانیہ، سالار جنگ اور سعیدیہ میں تقریبًا ایک لاکھ قلمی کتابیں ہر ہر فن پر مشتمل ہیں - باقی پرائیویٹ کتب خانے علیحدہ ہوں گے - آصفیہ میں پانچ چھ دن گیا فقط فن تصوف کی فہرست دیکھی اور اسیں کی چند کتابوں کا بغور یا سرسری مطالعہ کیا حضرت خواجہ خورد کے ملفوظات کا ایک نسخہ یہاں پر ملا - اس کا انتخاب نقل کر لیا جس کا ترجمہ الفرقان میں آئے گا - فہرست میں بعض کتابوں کے نام اور بعض مصنفین کے ناموں کے آگے ان کی وطنی نسبت غلط ہے - مثلاً حضرت شاہ محمد مجتبیٰ عرف مجا قلندر لاہرپوری کے (جو کہ کاکوری خاندان کے تین چار واسطوں کے بعد پیر طریقت ہیں) مکتوبات یہاں پر ہیں - اور حضرت شاہ مجتبیٰ قلندر کے نام کے بعد لاہوری لکھا ہوا ہے - تصحیح کون کرے اور کس سے کہا جائے ؟ موجودہ نظام کتب خانہ بھی غنیمت ہے - ایک کتاب کا نام لکھا تھا : ملفوظات مولانا فخر الدین مولفہ کلیم اللہ بن صبغۃ اللہ - کتاب کو نکلوایا تو یہ فخر الحسن کی شرح تھی - ملفوظات نہیں تھے - شرح بہت اچھی ہے - معلوم نہیں کہ تم نے اس کا ذکر تاریخ مشائخ چشت میں کیا ہے یا نہیں ؟ -

" ازالۃ القناع عن وجوہ السماع " مولانا نور اللہ بن مقیم الدین بھپھرایونی مرحوم کی مصنفہ ہے - فہرست میں ان کے وطن کا نام ہی نہیں - شبہ ہوا کہ یہ بھپھرایوں والے تو نہیں ہیں - کتاب کو دیکھا تو مولانا بھپھرایونی ہی کی کتاب نکلی -

حضرت شاہ عبد الرزاق جھنجھانوی کی سوانح حیات خیر البیان کا ایک نسخہ یہاں ہے - اس کی مجھے تلاش تھی - صرف خلفاء کی فہرست نقل کر لی ہے

متوسے زیادہ خلفا ہیں۔ ان میں بہت سے مشاہیر بھی ہیں۔ ایک امروہہ کے میران سید حامدؒ ہیں۔ صحائف المعرفت مولفہ حضرت..... شاہ عبدالمنان جھنجھانوی کا بھی ایک نسخہ یہاں ہے۔ میں اس کتاب کو جھنجھانہ میں دیکھ چکا ہوں۔

عثمانیہ میں...... مکتوبات شاہ ابوالرضاؒ و شاہ عبدالرحیمؒ و شاہ ولی اللہؒ کا یکجائی نسخہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اس میں سے پندرہ بیس مکتوب ایسے نکل سکتے ہیں جو میرے اس مجموعے میں بھی شامل ہو سکتے ہیں اور معلومات افزا ہیں اس پورے نسخے کی نقل آنی چاہیئے..... سعیدیہ میں بھی چند گھنٹے رہا۔ ڈاکٹر یوسف الدین صاحب نے خاص خاص کتابیں دکھائیں۔ مثلاً ابن عساکرؒ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تاریخ دمشق۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک بات عجیب کہی جو یاد رہے گی —— کہ چاند پر سے مٹی کا لانا آسان ہے مگر یہ کتابیں اگر خدانخواستہ ضائع ہو جائیں تو پھر ملنی مشکل ہیں.......

دائرۃ المعارف کو دیکھنے گئے۔ وہاں ڈاکٹر عبدالمعید خاں ناظم دائرۃ المعارف سے ملاقات ہوئی۔ نورالاسلام صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے ماموں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے پھر تو بہت خاطر تواضع فرمائی۔

....... (مکتوبات شاہ ولی اللہؒ کے متعلق آئندہ لکھوں گا)"

یہ سب تفصیلات اس وقت لکھی تھیں جب اس سے پہلے حیدرآباد ہی سے ایک خط میں لکھ چکے تھے کہ "وقت نہیں ہے اور نظر بھی کام نہیں دیتی"

رام پور جاتے ہیں تو وہاں بھی کتب خانوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"وہاں قاضی شہر کا کتب خانہ دیکھنے میں دن کچھ زیادہ لگ گئے۔ پھر بھی تمام کتب خانہ نہ دیکھ سکا۔ ابھی پندرہ دن اور رہتا تب پورے کتب خانے کی سیر ہوتی۔ ملفوظات حضرت شاہ پیر شطاری میرٹھیؒ کے کچھ اجزا ہیں جو ایک ملتانی مرید نے مرتب کئے ہیں۔ یہ کتاب تمہاری نظر سے کبھی گذری ہے۔ میاں اکرم صاحب۔ اقتباس الانوار کی ایک کتاب مناہج السالکین ہے اور ایک رسالہ حالات شیخ تاج الدین سنبھلیؒ میں، ان کے داماد سید محمود امروہوی (ساکن محلہ دانشمندان

امروہہ) کا ملا۔ اس کی بہت تلاش تھی میں نے شیخ تاج الدین سنبھلی پر جو مقالہ لکھا ہے اس وقت یہ رسالہ مل جاتا تو کچھ اور زیادہ معلومات مل جاتیں ........ میں حضرت شاہ پیر میر محمد پر ایک مقالہ لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں"

کتابوں ہی کے سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آگیا۔ میرے پردادا مرحوم کا نہایت اعلیٰ قلمی کتب خانہ تھا۔ اس کی بیشتر کتابیں تلف ہوگئیں ان کے بعد جو بھی دیکھنے کے لئے لے جاتا تھا پھر واپس کرنے کا نام نہ لیتا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد جب بہت سے لوگ پاکستان جانے لگے تو انھوں نے بعض کتابیں مجھے واپس کردیں۔ مولوی محمود احمد عباسی مرحوم نے بھی اخبار الاخیار کا ایک قدیم قلمی نسخہ جو کبھی دادا صاحب مرحوم سے مستعار لیا تھا، ماموں صاحب کو دیا کہ مجھے پہونچا دیں۔ ماموں صاحب نے مجھے واپس کیا تو فرمایا "عجیب بات ہے کہ دادا ارشاد علی صاحب کی بعض اہم کتابیں تمھارے پاس ایسی ایسی جگہ سے واپس آرہی ہیں کہ ان کی بازیافت کی کوئی امید نہ تھی۔ شاید اللہ تعالیٰ کو تم سے کوئی کام لینا مقصود ہے" میں کبھی اس جملے کے متعلق سوچتا ہوں تو عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

ماموں صاحب نے خود کتابوں کا اچھا ذخیرہ جمع کر لیا تھا۔ لیکن انھوں نے کبھی کتابوں کو ترتیب سے نہیں رکھا۔ تخت پر، پلنگ پر، الماری میں، کرسیوں پر ــــ ہر جگہ ڈھیر لگا دیتے تھے اس میں اکثر چوریاں بھی ہوتی تھیں، جس کا پتہ ان کو بہت بعد میں چلتا تھا۔ ایک بار امروہہ قیام کے زمانہ میں میں نے چاہا کہ ان کی کتابیں مرتب کردوں لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے بلکہ جب میں نے کہا کہ اس طرح تو یہ ذخیرہ بالکل بیکار ہے، تو ان کو ناگوار ہوئی۔ اس کے بعد میں نے کبھی اس موضوع پر گفتگو نہیں کی وہ کتابیں اپنے اندازے سے رکھتے تھے اور اگر کوئی ذرا بھی بے ترتیب کردے تو گھنٹوں تلاش کرتے تھے اور ناراض ہوتے تھے آخری زمانہ میں ان کی بیشتر کتابیں مسجد کے حجرہ میں اور کچھ گھر کی الماریوں میں تھیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ یہ کتب خانہ ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں منتقل ہو جاتا۔ اس طرح افادیت بھی بڑھ جاتی اور تحفظ بھی ہو جاتا۔

---

ماموں صاحب نے اپنے روحانی مشاغل کی جھلک کبھی کسی کو نہیں دیکھنے دی۔ رج کا خیال آیا تو ایک دم اس طرح چل دیئے جیسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی سرشاری کے عالم میں

روانہ ہو گئے تھے ۔ مولانا مدنیؒ سے ارادت بھی تھی اور گہری محبت بھی ۔ جب حضرت مدنیؒ امروہہ تشریف لاتے تو ان کو ہمارے ہی مکان میں ٹھہراتے تھے ۔ ایک مخصوص کمرہ تھا جو ان کو پسند تھا اور وہیں ٹھہرتے تھے ۔ ماموں صاحب نے آخری بیماری میں اپنا پلنگ اس کمرہ کے ملحق دالان میں اس طرح بچھوا لیا تھا کہ جہاں مولانا مدنیؒ نے آرام فرمایا تھا وہ جگہ منھ کے سامنے رہے ۔ اپنی کیفیات کا اظہار کبھی نہ کرتے تھے اور اس پر بند لگائے رکھتے تھے ۔ لیکن مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ میں یہ جام چھلک گیا ہے اور پکار اٹھتے ہیں :

"میں ہر چند نا اہل ترجمان ہوں لیکن اس پہ نازاں ہوں کہ ترجمہ کے اوقات میں صاحب مکتوبات سے ایک گونہ ربط قائم کر کے کچھ نہ کچھ اخذ فیوض و برکات کرتا رہا ، اگرچہ تہی دست اور کوتاہ عمل ہوں لیکن ایک شیخ کامل کی روحانیت کے دسترخوان سے زلہ ربائی پر شکر خدا ادا کرتا ہوں" (ص ۴)

لیکن یہاں بھی بات کھل کر نہیں کہی ہے ۔

حضرت مجدد صاحبؒ اور ان کے سلسلہ کے دیگر مشائخ سے ان کو گہرا روحانی اور قلبی تعلق تھا ، اسی محبت اور تعلق کے گرد انھوں نے خاموشی سے اپنی روحانی زندگی کو سجایا تھا ۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

---

# حالات و سوانح

**خاندان** مولانا نسیم احمد صاحب، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی اولاد میں تھے ۔ اور امروہہ کے مشہور فریدی خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔ بابا صاحبؒ کے فرزند شیخ نظام الدین رتنپوریؒ کے اخلاف امروہہ آ گئے تھے ۔ ان کے پوتے شیخ سالار کو سلطان فیروز شاہ تغلق نے نواح امروہہ میں جاگیر دی تھی ۔ یہاں ایک پورے محلہ میں یہ خاندان آباد تھا ۔ اس محلہ کا نام محلہ شیخ زادگان تھا ، اور اب محلہ جھنڈا شہید کے نام سے مشہور ہے ۔

شیخ سالارؒ کے پوتے خواجہ بہاء الدینؒ کا مزار رجب پور میں ہے ۔ اس قدیم تعلق کی

بنا پر بابا صاحبؒ اور قطب صاحبؒ کے بہت سے تبرکات امروہہ میں ہمارے خاندان میں محفوظ ہیں، جن کی تفصیل مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے ایک مضمون مطبوعہ ماہنامہ منادی دہلی (۵۳ جلد ۸، ۱۹۶۸ ص ۷۔۵) میں دی ہے اور لکھا ہے:

"ان تبرکات کے مستند ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ گذشتہ ۶۔۷ سو سال سے ایک ہی خاندان میں محفوظ رکھے رہنے کے باوجود نہ کبھی انھیں عام شہرت دی گئی ہے اور نہ ان کے ذریعے سے کوئی منفعت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ حضرت بابا صاحبؒ کی اولاد نے ان سب تبرکات کو ایک نہایت عزیز، قیمتی اور مقدس سرمایہ سمجھ کر محفوظ رکھا ہے"

علم اور دین سے تعلق اس خاندان کا امتیازی وصف تھا۔ مولانا فریدیؒ کے دادا، مولوی بشیر احمد صاحب مرحوم اور ان کے برادر بزرگ منشی ارشاد علی صاحب مرحوم سے انگریزی ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا۔ بشیر احمد صاحب کی عمر ۲ سال تھی جب ان کے والد کا انتقال ہوا۔ ان کی ساری تعلیم و تربیت منشی ارشاد علی مرحوم نے کی اور ان کی دینی اور اخلاقی تربیت کے لئے دو کتابیں بشیر النصائح اور بشیر المدائح لکھیں، جو اپنی افادیت کی بنا پر ایک زمانہ میں نصاب میں شامل کر لی گئی تھیں۔ گو مولوی بشیر احمد صاحب نے سرکاری ملازمت اختیار کر لی تھی لیکن ان کی زندگی میں دینی جذبات کی ہمیشہ کارفرمائی رہی۔ "تاریخ امروہہ" میں لکھا ہے:

"بشیر احمد صاحب صوبہ پنجاب کے محکمۂ نہر میں ڈپٹی مجسٹریٹ رہے۔۔۔ ابتداً ضلع میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ پابند مذہب و متبع شریعت تھے، حکام بالادست سے عرض کیا کہ مقدمات میں سود کی ڈگری دینا پڑتی ہے جو اپنے معتقدات مذہبی کی رو سے جائز نہیں سمجھتا۔ میرا تبادلہ محکمۂ نہار میں کر دیا جائے۔ حکام نے سمجھایا کہ اس محکمہ میں چار سو روپئے ماہوار سے زیادہ ترقی نہ ہو سکے گی اور موجودہ صورت میں نو سو روپیہ ماہوار تک مشاہرہ پانے کی توقع ہے۔ مگر انھوں نے کم تنخواہ پر قانع رہنا منظور کیا۔ مگر سود کی ڈگری دینی قبول نہ کی"

(جلد چہارم، تحقیق الانساب ص ۲۸۸)

مولانا نسیم احمد صاحب کے دادا کا انتقال ۱۹۱۵ء میں ہوا تھا۔ اس سے ایک سال

قبل ان کے والد مولوی حسین احمد صاحب کا انتقال ہوگیا تھا ۔ دادا پہلے ہی سے جائداد کا ہبہ نامہ کر چکے تھے ، اس طرح مولوی حسین احمد صاحب کی اولاد جائداد سے تو محروم نہ ہوئی لیکن زمینداری کے مسائل نے ان کے ایک بیٹے تسلیم احمد صاحب مرحوم (مولانا نسیم احمد صاحب کے منجھلے بھائی) کو اس طرح الجھایا کہ بالآخر ان کے دماغ پر اثر ہوگیا ۔ مولانا نسیم احمد صاحب کا مزاج ہی نہ تھا کہ وہ زمینداری کے مسائل کو دیکھ سکیں ۔ ادھر خاتمہ زمینداری اور پھر تقسیم ہند نے دشواریوں میں اضافہ کر دیا تھا ۔ مولوی حسین احمد صاحب مرحوم کو زمینداری کا بڑا ملکہ تھا ۔ دیہات میں باغات لگائے تھے ، اور مسلمان کاشتکاروں کی نئی آبادیاں بسائی تھیں ۔ جاٹ کاشتکاروں سے ایسے عمدہ تعلقات تھے کہ وہ ان پر جان نثار کرتے تھے ۔ جب دیہات جاتے ، کاشتکاروں کے بچوں کے لئے مٹھائی کی ٹوکریاں ساتھ ہوتیں ۔

باغات خاتمۂ زمینداری سے بچ گئے تھے ، لیکن چونکہ دیہات کے اندر واقع تھے ان پر قبضہ رکھنا دشوار تھا ۔ ایک مرتبہ مولانا نسیم احمد صاحب کو باصرار بھیجا گیا کہ کم از کم باغات کو دیکھ کر ان کے تحفظ اور نگرانی کا تو انتظام کر لیں ۔ کہنے سننے سے گئے ، لیکن وہاں کاشتکار جو نئی فضا میں پرانے احسانات کو بھول چکے تھے باغات پر قبضہ کرنے کی سوچ رہے تھے انھوں نے کہا : "مولوی جی ! اب ان کا خیال تو چھوڑ دو" ۔ اس کے بعد انھوں نے باغات کی طرف (جو آمدنی کا بہت اچھا ذریعہ ہو سکتے تھے) کبھی مڑ کر بھی نہیں دیکھا ۔ اس طرح زمینداری سے تعلق کا خاتمہ ہوا ۔ اور گو خاندان کے بہت سے افراد گورنمنٹ کی اعلیٰ ملازمتوں پر پہونچے لیکن خاندان کی علم اور فقر کی روایت کا تحفظ اللہ تعالیٰ نے مولانا نسیم احمد فریدیؒ کے سپرد کیا کہ بقول اقبال ؂

اس فقر سے آدمی میں پیدا<br>اللہ کی شانِ بے نیازی

## پیدائش

مولانا فریدیؒ ستمبر ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے ۔ ۴ سال کے بھی نہ تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ ایک خط میں لکھتے ہیں :

"... ان کی دھندلی سی تصویر ذہن و دماغ پر اب تک موجود ہے"

ان کی ماں (جمیلہ خاتون مرحومہ) سے جو حکیم علی احمد صاحب مرحوم (امروہہ) کے منجھلے

طبیب) کی بہن اور حکیم احمد حسن مرحوم کی بیٹی تھیں، ان کی پرورش بڑی محبت سے کی۔ دوسرے بھائی انگریزی تعلیم کی طرف مائل تھے، ان کے لئے وہ انتظام کیا، لیکن مولانا فریدیؒ کی رغبت ابتدا ہی سے علوم دینیہ کی طرف تھی، چنانچہ ان کے لئے اس کی سہولتیں فراہم کیں۔

محلہ جھنڈا شہید پر ایک پیرزادہ اسکول قائم تھا، جس میں ایک ماہر فن معلم منشی نسیم احمد مرحوم، تعلیم دیتے تھے۔ خاندان کی کئی نسلوں کو (جن میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی مدظلہ اور خاکسار راقم الحروف بھی شامل ہے) انھوں نے ابتدائی درجوں کی تعلیم دی تھی۔ ان سے کچھ عرصے تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا فریدیؒ مڈل اسکول میں داخل ہوئے اور تین سال بعد مڈل پاس کر کے اگلے سال انگریزی مڈل کا امتحان دیا۔ پھر منشی، کامل، مولوی اور اعلیٰ قابلیت کے امتحان پاس کئے۔

منشی اور منشی کامل کی تیاری مدرسہ نور المدارس امروہہ میں کی۔ فارسی میں خاص طور پر منشی عبدالرب شکیب مرحوم سے استفادہ کیا۔ وہ فارسی کے مشہور صاحب کمال استاد تھے انھوں نے فارسی زبان اور ادب کا صحیح مذاق پیدا کیا۔

## مدرسہ دارالعلوم حسینیہ عربیہ میں مدرسی

مولانا فریدیؒ نے ایک سال مدرسہ دارالعلوم حسینیہ عربیہ محلہ چلہ امروہہ میں فارسی پڑھائی پھر عربی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔

## مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد میں تعلیم

عربی تعلیم کی ابتدا مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں ہوئی۔ یہ مدرسہ حضرت مولانا احمد حسن صاحبؒ سے نسبت کی بنا پر ہمیشہ علوم دینیہ کا مرکز رہا ہے اور ہندوستان کے بعض مشہور علماء یہاں کے درس و تدریس سے متعلق رہے ہیں۔ مولانا فریدی نے مولانا سید رضا حسن مرحوم (داماد و برادر زادہ مولانا احمد حسن محدثؒ) مولانا انوار الحق عباسی مرحوم وغیرہما سے حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم متداولہ حاصل کئے۔ مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب صدیقی مفسر امروہویؒ سے قدرے پڑھی۔ امروہہ میں بیضاوی اور ترمذی شریف تک پڑھ کر دیوبند چلے گئے۔

## دارالعلوم دیوبند میں

دارالعلوم دیوبند میں مولانا فریدیؒ نے دورۂ حدیث پڑھا

یہاں ان کے اساتذہ مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا اعزاز علیؒ، میاں سید اصغر حسینؒ، مفتی محمد سہول بھاگلپوریؒ، مفتی ریاض الدین افضل گڑھیؒ اور مفتی محمد شفیعؒ تھے۔ تجوید کی تعلیم مولانا قاری حفظ الرحمٰن پرتاب گڑھی سے حاصل کی۔ وہ قاری عبدالرحمٰن مکی کے شاگرد تھے۔

دیوبند کی فضانے مولانا فریدیؒ کے دینی مزاج کو تقویت حاصل ہوئی اور اس کا رنگ پختہ ہوگیا۔ انھوں نے مولانا مدنیؒ کے درس حدیث کا نقشہ بڑے کیف و سرور کے عالم میں ایک مضمون میں پیش کیا ہے[1] دیوبند کی زندگی کے یہ شب و روز ہمیشہ ان کے ذہن و دل پر چھائے رہے۔

## مولانا تھانویؒ کی خدمت میں حاضری

دیوبند قیام کے زمانہ میں ایک بار مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا دو طالب علم اور ساتھ تھے۔ مولانا تھانویؒ کے مزاج اور قواعد کے متعلق وہ سن چکے تھے۔ جب خدمت میں حاضر ہوئے، مولاناؒ نے پوچھا کون ہو؟ ۔ مولانا فریدیؒ نے نہایت مودبانہ جواب دیا، ہم دیوبند کے طالبعلم ہیں۔ آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔ دو دن قیام کا ارادہ ہے" ــــــ یہ مکمل جواب سن کر مولانا تھانویؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا طالب علموں کا یہی انداز ہونا چاہیے پھر دو دن مسلسل اپنی عنایات سے نوازتے رہے گفتگو کی تفصیل ذہن میں نہیں رہی۔

## مولانا احمد علی مفسر لاہوریؒ کے حلقۂ درس قرآن میں

۱۹۳۶ء میں حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوریؒ کے حلقۂ درس میں شرکت کے لئے لاہور پہونچے اور تین مہینے تک شریک درس رہے۔ رخصت کرتے وقت انھوں نے سند بھی عطا کی[2]

---

[1] روزنامہ الجمعیۃ کا شیخ الاسلام نمبر۔ تذکرہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مکتبہ مدنیہ، گوجرانوالہ ۱۹۸۴ء ص ۱۴۲ - ۱۴۰ -

[2] مولانا احمد علی مفسرؒ کا انتقال ۲۳ر فروری ۱۹۶۲ء کو ہوا۔ ان کی تدریسی سرگرمیوں کے لئے: داستان خانوادہ مولانا احمد علی لاہوریؒ، از عبید اللہ انور لاہور ۱۹۷۹ء

## علامہ اقبال کی خدمت میں حاضری

لاہور قیام کے زمانہ میں علامہ اقبال کی خدمت میں حاضری کا موقع بھی ملا۔ تقریباً ایک گھنٹے جاوید منزل میں ان سے گفتگو رہی۔ اس گفتگو کی تفصیل اب ذہن میں محفوظ نہیں۔ لیکن یہ یاد ہے کہ وہ علامہ اقبالؒ کی دینی بصیرت اور دینی جذبہ کا ذکر ہمیشہ بڑی عقیدت سے کرتے تھے۔ اور ان سے ملاقات کا گہرا اثر ان کے دل اور دماغ پر ہوا تھا۔

## دیوبند واپسی

لاہور سے پھر دیوبند واپس آئے، اور ادب کی کتابیں یعنی متنبی حماسہ، سبعہ معلقہ اور اس کے ساتھ ساتھ مفتاح العروض وغیرہ پڑھیں۔ اگلے سال معقولات کی کتابیں پڑھنے کا ارادہ تھا، لیکن درمیان سال میں مولانا محمد منظور نعمانی صاحب نے بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ میں ان کا تعلق صدر مدرس کی حیثیت سے کرا دیا اور وہ بریلی چلے آئے

## بریلی میں قیام

مولانا فریدیؒ کی دینی فکر کو جلا اگر دیوبند میں ملی تو بریلی کے قیام سے ان کی تصنیف و تالیف کی زندگی کا باضابطہ آغاز ہوا۔ اس میں مولانا نعمانی کی صحبت کو بہت بڑا دخل تھا۔ "الفرقان" کے مجدد الف ثانیؒ نمبر میں لکھتے ہیں:

> "ادارۂ الفرقان نے جس وقت مجدد الف ثانیؒ نمبر نکالنے کی تجویز طے کی اور جب یہ ارادہ عزم کے درجہ میں آیا، اس وقت حسن اتفاق سے میں بریلی آ چکا تھا اور اس نمبر کی تیاری تک میرا قیام دفتر "الفرقان" ہی میں رہا۔ مدیر الفرقان للہ نے مجھ کو بھی اس "بزم مسعود" میں شرکت کی دعوت دی" (ص ۲۱۷)

یوں تو متفرق عنوانات پر وہ مضامین مختلف رسائل میں لکھتے رہے تھے لیکن الفرقان کے مجدد الف ثانیؒ نمبر میں ان کا مضمون "تذکرہ خلفائے مجدد الف ثانیؒ" (ص ۲۴۴-۲۱۷) قدرت کی طرف سے اس بات کا اعلان تھا کہ اب اس کا مصنف اپنی ساری ذہنی اور قلبی صلاحیتوں کو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے سلسلہ کے بزرگوں کے حالات و تعلیمات کی تحقیق و تدوین میں صرف کریگا!

بریلی کچھ عرصہ قیام کے بعد وہ اپنے وطن امروہہ واپس آ گئے۔ اور یہاں مدرسہ جامع مسجد

سے منسلک ہو گئے۔

**مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں** مولانا فریدیؒ نے جامع مسجد امروہہ میں درس تدریس میں کافی شہرت حاصل کی۔ یہاں مشاہرہ بے حد معمولی بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ لیکن کبھی اضافہ تنخواہ کی خواہش نہ کی۔ بلکہ ایک بار منتظمین نے کچھ اضافہ کرنا چاہا تو مدرسہ کی مالی حالت کے پیش نظر انکار کر دیا۔ اور کہا کہ اس سے زیادہ کی مجھے ضرورت نہیں۔ حالانکہ ان کی مالی دشواریاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ جب حافظ عبدالرحمٰن صاحب صدیقی کے صاحبزادے مولانا عبدالقدوس صاحب مرحوم کا انتقال ہو گیا تو شیخ الحدیث، مولانا فریدیؒ ہی کو مقرر کیا گیا۔ اور جب تک بینائی نے ساتھ نہیں چھوڑا۔ مدرسہ سے ان کا تعلق برقرار رہا، ایک زمانہ میں خیال آیا تھا کہ مدرسہ سے تعلق منقطع کر کے اپنا سارا وقت تصنیف و تالیف میں صرف کر دیں۔ ۱۸ شوال ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۰ جون ۱۹۵۵ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں

> میں دو سال سے مدرسہ سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن شوال[1] آتا ہے تو مدرسہ کے لئے اپنی ضرورت محسوس کرتا ہوں اور اپنی خدمات سپرد کر دیتا ہوں۔ امروہہ کے قیام کی صورت میں اس کے علاوہ بظاہر کوئی چارۂ کار بھی نہیں کہ میں مدرسہ سے اپنے تعلقات وابستہ رکھوں۔ اگرچہ اس میں کافی وقت صرف ہوتا ہے۔"

**دادا مرحوم سے استفادہ** میرے دادا مولوی فرید احمد صاحب نظامیؒ بڑے عالم تھے، علوم مشرقی و مغربی پر یکساں عبور حاصل تھا، مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ ان کو "بھائی" کہتے تھے، اور ان کی عالمانہ بصیرت کے قائل تھے فطرتاً کم آمیز تھے، سارا وقت مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ ماموں صاحب جب کبھی میرٹھ آتے گھنٹوں ان کی صحبت میں وقت گزارتے مختلف موضوعات پر اُن کی رائے معلوم کرتے، کتابوں کے

---

[1] عربی دینی مدارس کا تعلیمی سال شوال سے شروع ہو کر شعبان پر ختم ہوتا ہے۔

ڈمیں گفتگو کے دوران لگ جاتے، ان ملاقاتوں نے علم کو ایک خاندانی روایت سمجھ کر حاصل کرنے کا جذبہ ان میں پیدا کر دیا تھا۔ وہ خاندانی بزرگوں کے حالات بھی گہری دلچسپی کے ساتھ دریافت کرتے تھے، دادا صاحبؒ کا انتقال ۱۹۴۲ء میں میرٹھ میں ہوا، اس کے بعد جب بھی میرٹھ آتے، دادا مرحوم کے ذخیرۂ کتب سے کتابیں مجھ سے نکلوا کر کئی کئی دن تک مسلسل دیکھتے رہتے، میرٹھ میں اور کوئی خاص کتب خانہ نہ ہونے کے باعث وہ بیشتر وقت گھر پر ہی ان کتابوں کے مطالعہ میں گزارتے تھے، مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے ایک قریبی عزیز ہمارے پڑوس میں رہتے تھے، مولانا اکثر وہاں تشریف لاتے تھے اور دوران قیام ہمارے غریب خانہ پر بھی قدم رنجہ فرماتے تھے۔ بعض اوقات ماموں صاحب بھی وہاں مقیم ہوتے تو طویل صحبتیں رہتیں اور بڑی دلچسپ گفتگو ہوتی۔ میرٹھ قیام کے زمانہ میں جناب محترم مولانا قاضی زین العابدین سجاد صاحب زاد کرمہ سے بھی اکثر ملاقاتیں رہتی تھیں۔ اور ان کے رسالہ "حرم" کے لئے مضمون بھی لکھتے تھے

## تبلیغی جماعت سے تعلق

یہ بتانا میرے لئے مشکل ہے کہ تبلیغی جماعت سے اُنکا تعلق کب قائم ہوا، لیکن زندگی کے آخری لمحہ تک باقی رہا۔ اس میں حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے ارادت کو بھی دخل تھا۔ اس سلسلہ میں اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کر دوں تو شاید نامناسب نہ ہو۔ مجھے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے خاص عقیدت تھی۔ اور اپنے ابتدائی زمانہ میں میرٹھ سے جب دہلی جاتا ان کی خدمت میں ضرور حاضری دیتا تھا۔ اُن کی سادگی، خلوص اور جذبہ، تینوں نے مل کر ان کی شخصیت میں عجیب دلکشی پیدا کر دی تھی، ایکمرتبہ مجھ سے فرمایا۔ میاں کچھ دین کا کام کیجئے۔ عرض کیا۔ حضرت دعا فرمائیں۔ فرمایا۔ میاں! نیت تو آپ نہ کریں اور پھر کہیں کہ میری دعا میں تاثیر نہیں۔ یہ گفتگو نہ معلوم کتنی بار ماموں صاحبؒ نے تقاضے کر کے میری زبان سے سنی۔ جب تبلیغی جماعت کا ذکر آجاتا، تو مجھ سے فرماتے۔ اور ہاں! تم سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے کیا فرمایا تھا؟ معلوم نہیں اس طرح خود مجھے اس کام پر مائل کرنا مقصود تھا۔ یا اس جملہ میں ان کو ایک دلکشی محسوس ہوتی تھی جس سے وہ لطف اندوز ہوتے تھے مجھے کچھ ایسا خیال ہوتا ہے (ممکن ہے کہ غلط ہو) کہ ان کا تعلق تبلیغی جماعت سے

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے زمانہ سے نہیں بلکہ حضرت مولانا محمد یوسف رح کے زمانہ سے قائم ہوا تھا[1]۔ اور ان سے بے پناہ تعلق اور عقیدت پیدا ہوگئی تھی۔ "الفرقان" کے مولانا محمد یوسفؒ نمبر میں انھوں نے اپنا مضمون اس مصرع سے شروع کیا تھا۔ جس میں ان کے جذبات کی ایک دنیا سمٹ آئی ہے۔

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی مگر نظر میں سمائے ہیں

لکھتے ہیں۔

"مجھے اکیس سال سے حضرت مولانا مرحوم سے ایک گونہ تعلق اور ربط تھا وہ اپنے اخلاق عالیہ کے تقاضے سے احقر کا بڑا اکرام فرماتے تھے جس سے بعض اوقات اپنی بے عملی اور کم حیثیتی کے پیش نظر مجھے شرمندگی محسوس ہوتی تھی"

(ص ۴۲)

حضرت مولانا محمد یوسفؒ سے اپنے تعلقات کی تفصیل انھوں نے بڑی کیفیت کے ساتھ بیان کی ہے، امروہہ اور نواح امروہہ کے دیہات میں اُن کی تبلیغی سرگرمیوں کی طرف گذشتہ صفحات میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ کسی موقع پر اس کی تفصیل بیان کی جائیگی تاکہ یہ اندازہ ہوسکے کہ انھوں نے کیسی خاموشی سے تحریک کو آگے بڑھانے میں حصّہ لیا تھا اور نمود و نمائش سے گریزاں رہے تھے۔

**بچوں کی دینی تعلیم پر زور** ماموں صاحبؒ اپنے جماعتی دوروں اور روزمرہ کی مجلسوں میں بچوں کی دینی تعلیم پر بہت زور دیتے تھے، ان کا خیال تھا کہ اگر اس طرف سے بے توجہی برتی گئی تو مسلمانوں کی دینی زندگی کا تار و پود بکھر جائیگا، فرماتے تھے کہ

---

[1] "الفرقان" کے مضمون میں لکھتے ہیں، "حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ کو میں نے جہاں تک یاد پڑتا ہے صرف دو مرتبہ دیکھا ہے، ایک مرتبہ ریل میں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوسری مرتبہ اُن کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ہمراہی حضرت مولانا نعمانی مدظلہٗ دہلی جاکر۔ غرضیکہ میں اپنی محرومی کی بنا پر۔ ۔ ۔ ۔ ان کی زندگی میں کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔

(اشاعت خاص بیادگار مولانا محمد یوسفؒ ستمبر ۱۹۶۵ء ص ۴۲)

بچوں کو دنیاوی تعلیم کے دھندوں میں اس طرح الجھادیا گیا ہے کہ ان کو قرآن پاک تک کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے وقت نہیں رہا۔ ان کو اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ میرے بچے بفضلہٖ تعالیٰ دینی تعلیم سے محروم نہیں۔ بلکہ ادائیگی فرائض کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ میرا بڑا لڑکا احتشام سلمہٗ (جواب یونیورسٹی میں پروفیسر انجینیرنگ ہے) جب تعلیم کے لئے امریکہ گیا تو وہ اس کے فکر مند تھے کہ کہیں نماز روزہ سے بے توجہی نہ برتنے لگے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ نماز روزہ پابندی سے وہاں کرتا ہے تو بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔ قیام امریکہ کے زمانہ میں اس کو معلوم ہوا کہ حضرت علی میاں صاحب آنکھوں کے علاج کے لئے آئے ہوئے ہیں، اس نے ہسپتال جاکر مولانا سے ملاقات کی اور مزاج پرسی، اور یہ سب تفصیل ماموں صاحب کو لکھ کر بھیجی، وہ خود مولانا کی خیریت معلوم کرنے کے لئے بے چین تھے، خط پاکر بہت خوش ہوئے، اور کہا کہ اگر دینی تعلیم صحیح ہو جائے تو اخلاق خود بخود درست ہو جاتے ہیں۔ ماموں صاحب میری لڑکی عذرا سلمہا (جواب یونیورسٹی میں ریڈر ہے) کو دینی رسائل برابر بھیجتے رہتے تھے، اور جب علی گڈھ تشریف لاتے تو اس طرح کے سوال کرتے، جس سے اندازہ ہو سکے کہ اس نے وہ رسائل غور سے پڑھے ہیں یا نہیں۔ میرا سب سے چھوٹا لڑکا فرحان سلمہٗ (آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامک سنٹر کا ڈائرکٹر ہے) اس کے وہاں کام اور تقرر کے متعلق ماموں صاحب نے ندوہ میں سنا کہ مولانا علی میاں صاحب زاد مجدہ کی نگرانی اور سرپرستی میں وہ مرکز کام کر رہا ہے تو بہت خوش ہوئے، اور تحقیق کی کہ نماز روزہ اور تلاوت کلام پاک کی پابندی کا کیا حال ہے جب معلوم ہوا کہ اس کی پابندی کرتا ہے تو بہت خوش ہوئے۔ فرحان سلمہٗ کو سحری کے وقت اٹھنے میں نیند کے غلبہ کی وجہ سے بڑی دقت ہوتی تھی، اس نے بتایا کہ اس کا انتظام یہ کیا ہے کہ لندن سے ڈاکٹر خالد حسن قادری (فرزند مولانا حامد حسن قادری) اس کو صحیح وقت پر ٹیلی فون کرتے ہیں، اور جب تک وہ پوری طرح بیدار نہ ہو جائے۔ ٹیلیفون نہیں رکھتے۔ تو بہت دعائیں دیں اور کہا کہ باہر ملکوں میں جانیوالے بچوں کے متعلق سب سے بڑا خطرہ یہی رہتا ہے کہ کہیں دین سے دور نہ ہو جائیں، مجھ سے ایک بار فرمایا کہ اللہ نے اس معاملہ میں تمہیں خوش قسمت بنایا ہے کہ ماشاء اللہ اولاد دیندار ہے۔

**حج کو روانگی** حج کو روانگی بڑی کیفیت اور سرشاری کے عالم میں اچانک ہو گئی تھی۔ وہاں کی کیفیات کو بیان کرنے سے گریز کرتے تھے۔ وہاں جو لکڑی ہاتھ میں رہی اور جو جوتے پہنے تھے، ان کو بڑی احتیاط سے رکھا تھا۔ کسی نے لکڑی کو بداحتیاطی سے توڑ دیا تو کئی دن اس کا ملال رہا۔ انھوں نے اپنا سفرنامہ تو نہیں لکھا لیکن حج کو روانگی کے وقت مولانا رفیع الدین مرادآبادی کا سفرنامہ بڑی محنت سے ترجمہ کر کے شائع کیا۔[1]

امروہہ میں حافظ محمد عبدالرؤف صاحب رؤف امروہوی عشق رسولؐ میں اپنی سرشاری میں مشہور تھے۔ نعتیہ کلام بڑا پرسوز اور پرتاثیر ہوتا تھا۔ مولانا فریدیؒ کے اصرار پر انھوں نے اپنی سوانح حیات جس میں سفرِ حج کی روداد بھی شامل ہے شائع کی (آپ بیتی زبان سے دہلی ۱۹۶۰ء ص ۸۰) وہ دوسروں سے ان کی روداد حج بڑی دلچسپی اور انہماک سے سنتے تھے، لیکن انھوں نے اپنی داستان کبھی نہیں سنائی۔ بس ظاہری تفصیلات تک گفتگو کو محدود رکھتے تھے۔ جب میں نے حج کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو انھوں نے دمشق میرے پاس مولانا نعمانیؒ کی کتاب "آپ حج کیسے کریں؟" اس ہدایت کے ساتھ بھیجی کہ اس کا بہت غور سے مطالعہ روانگی سے قبل کر لینا۔

**فتوؤں کا کام** ۔ ان کے وفورِ علم اور تعبد دینی کے باعث لوگ بڑی تعداد میں ان سے فتوؤں کے لیے رجوع کرتے تھے، اور ان کے فیصلوں کا بڑا احترام کرتے تھے۔ روزنامہ اخبار "آزاد ہند" کلکتہ میں لکھا ہے:

> " امروہہ کے تمام مسلمان دینی اور دنیوی معاملات میں ان کو آخری جج مانتے تھے اور ان ہی کی تحریک پر لاکھوں روپے کے خرچ سے جامع مسجد اور اس سے ملحقہ عمارتوں کی تجدید و توسیع بھی ہوئی" (۲۶ اکتوبر ۱۹۸۰ء)

اس نوعیت کا اثر اور اس انداز کا احترام صرف اللہ کی دین ہے جس کے پیچھے ان کے

---

[1] یہاں پر غالباً فاضل مضمون نگار سے سہو ہوا ہے۔ مولانا فریدیؒ نے اپنا سفرنامہ زیارت حرمین کے عنوان سے لکھا تھا جو الفرقان کی جلد ۲۹ میں پانچ قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ (ادارہ)

[2] یہ سفرنامہ "الفرقان" کی خاص اشاعت کے طور پر "ہندوستان کا سب سے پہلا سفرنامہ حجاز" کے نام سے شوال ۱۳۸۰ھ میں شائع ہوا تھا۔

کردار کی مضبوطی اور سیرت کی دلنوازی کارفرما تھی۔

**صدرِ جمہوریہ کی طرف سے اعزاز** ۱۹۸۱ء میں صدر جمہوریہ ہند نے فارسی کی سند اعزاز مع مالی امداد تاحیات عنایت فرمائی۔ لیکن اس امداد سے ان کی زندگی کی متوکلانہ شان میں فرق نہیں آیا۔

**روحانی نسبت** حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے تلمذ تو تھا ہی، بعد کو روحانی نسبت بھی پیدا ہوگئی۔ تقسیم ہند کے بعد اعظم پور یا سٹھ کے قریب نواب ساجد علی خاں مغفور کے فارم کے ڈیرے میں حضرت مدنیؒ سے بیعت ہوئے۔ اپنے شیخ سے ان کو جو عقیدت اور محبت تھی، اس کا اندازہ ان کی گفتگو سے ہوتا تھا۔ ان کا نام آتے ہی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہو جاتی تھی۔ اپنے ابتدائی زمانہ میں مجھے مولانا مدنیؒ سے کوئی عقیدت نہیں تھی۔ انھوں نے اس انداز سے مختلف اوقات میں ان کے حالات وکوائف بیان کئے، اور بتایا کہ مولانا مدنیؒ نے مشائخ متقدمین کے طرز پر ریاضت کی ہے کہ رفتہ رفتہ میرے دل میں ان کی بڑی عزت پیدا ہو گئی۔ بعد کو حضرت مدنیؒ سے مختلف مسائل پر خط وکتابت بھی ہوئی۔ جب ۱۹۸۸ء میں دہلی میں شیخ الاسلام سیمنار منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا تو انھوں نے مجھے لکھا۔

> "تم بھی ۶-۷ صفحات کا ایک مختصر مقالہ لکھ دو جس میں اپنے تاثرات کا اظہار کر دو۔ تمہارے نام جو حضرتؒ کے خطوط آئے ان کا پس منظر بھی بیان کر دیا جائے تو بہتر ہے یا ان کی کسی خوبی یا خصوصیت کو ظاہر کرنے کے لیے چند صفحات لکھ دو..... اس سلسلہ میں کچھ ضرور لکھنا"

میں نے جب اپنا طویل مقالہ "قوموں کی تقدیر بردہ مرد درویش" سیمنار میں پیش کیا تو وہ موجود تھے۔ ان کو جو مسرت ہوئی وہ چہرے سے عیاں تھی۔ بار بار کہتے تھے: "تمہارا مقالہ اچھا ہے" مجھے اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیے کہ مولانا مدنیؒ کی عظمت، بزرگی اور کارناموں کی اہمیت کا احساس ماموں صاحب ہی نے میرے اندر پیدا کیا تھا۔

مولانا مدنیؒ کے وصال کے کافی عرصہ بعد انھوں نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

سے تعلق ارادت وعقیدت قائم کیا۔ بینائی سے محرومی کے باوجود ان کے سہارنپور قیام کے زمانہ میں وہاں پہونچتے تھے اور کئی کئی دن وہاں رہتے تھے۔ خود شیخ الحدیث ان پر اتنا کرم اور اس قدر شفقت فرماتے تھے کہ بعض اوقات بھرے مجمع میں اعلان کراتے تھے کہ مولانا فریدی جہاں ہوں میرے پاس آجائیں۔ شیخ الحدیث نے ان کو اپنی خلافت بھی عطا فرمائی تھی۔

مولانا وصی اللہ شاہ صاحب کے روحانی فیوض کی بھی بڑی قدر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ علی گڑھ کے قیام کے زمانہ میں انھوں نے خود غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمایا۔ ماموں صاحب کو معلوم ہوا تو بہت خوشی کا اظہار کیا۔ پھر جب "مجموعہ تالیفات مصلح الامت" جلد چہارم (ص ۱۱۲) میں میری تصنیف "حیات شیخ محدث دہلوی" کے اقتباسات نظر سے گذرے تو مجھے خط لکھ کر اپنی مسرت کا اظہار کیا۔ خود مولانا وصی اللہ شاہ صاحب ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے، ایک بار ماموں صاحب اپنے آنے کی اطلاع دے کر الہ آباد آگئے۔ اسٹیشن پر اترے تو دیکھا کہ شاہ صاحب خود استقبال کے لیے موجود ہیں۔ کہتے تھے کہ میں اتنا متاثر ہوا کہ شکر یہ ادا کرنے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ جس زمانہ میں اسپتال میں آنکھ کے آپریشن کے سلسلہ میں قیام تھا، میرے لڑکے وجیہ سلمہٗ سے (جو اب شعبہ زولوجی میں ریڈر ہے) متواتر شاہ وصی اللہ صاحب کے ملفوظات پڑھوا کر سنتے تھے۔ اور قرآن کی آیتیں صحیح پڑھنے پر خوش ہوتے تھے۔

**دیوبند، پھلت اور سہارنپور کے سفر** مولانا فریدی کا معمول تھا کہ سال میں ایک بار دیوبند، سہارنپور اور پھلت ضرور جاتے تھے۔ ان کی روحانی اور علمی زندگی کے یہ سرچشمے تھے۔ یہاں پہونچ کر ایک نئی توانائی محسوس کرتے تھے۔ عموماً یہ سفر ماہ رمضان المبارک میں ہوتے تھے۔ حکیم محمد شجاع الدین صاحب نے اپنے تعزیت نامہ میں لکھا تھا:

> "مرحوم موصوف میرے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرماکر بڑا کرم فرمایا کرتے تھے۔ مرحوم کی تشریف آوری پر ہم سب اہل پھلت بڑے مسرور ہوتے۔ اور رمضان المبارک میں تو خاص طور سے ہم ان کی آمد کے منتظر رہتے۔ ان کے قدوم میمنت لزوم سے خانۂ تاریک فروزاں ہوجاتا۔ اب وہ مجلسیں کہاں نصیب ہوں گی"

شاہ ولی اللہؒ سے عقیدت کی بنا پر انھوں نے اس "قریۃ الصالحین" میں ایک ایک جگہ کو دیکھا تھا۔ شاہ صاحبؒ کی پیدائش کی جگہ، ان کے رہائشی مکان، مسجد، خاندانی قبرستان ہر جگہ جاتے تھے۔ اگر دہلی میں مرزا شاہ ولی اللہؒ "دل بدریا س اور چشم گریاں" لے کر گئے تھے تو پھلت میں رہ کر کاروان رفتہ کے نقوش تلاش کیے تھے!

**بصارت کی کمزوری اور بالآخر معذوری** بینائی پیدائشی کمزور تھی۔ رات کو بہت کم نظر آتا تھا۔ مسلسل مطالعہ نے مزید کمزوری پیدا کر دی۔ ۱۹۶۸ء میں تکلیف کا آغاز ہوا۔ علی گڑھ میں ڈاکٹر شکلا کو دکھایا اور علاج چلتا رہا۔ دسمبر ۱۹۷۳ء میں آپریشن ہوا۔ لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ جس شخص کا اوڑھنا بچھونا مطالعہ ہو، اس کا بینائی سے مستقلاً محروم ہو جانا ایک ایسی آزمائش ہے جس کے تصور سے بھی روح کانپ اٹھتی ہے۔ انھوں نے جس ضبط اور تحمل کے ساتھ اس حادثہ کو برداشت کیا وہ ان کی سیرت کا ایسا پہلو ہے جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کبھی زبان پر گلہ نہ آیا، ہمیشہ راضی برضا کی کیفیت رہی۔ کئی بار خیال آیا کہ ان کا ذکر بھی نواب صدر یار جنگ مرحوم کی کتاب "علمائے سلف اور نابینا علماء" میں جگہ پانے کا مستحق ہے۔

**آخری علالت اور وصال** مولانا فریدیؒ صاحب کو میعادی بخار ہوا۔ یونانی دوا سے طبیعت روبہ اصلاح ہو گئی، لیکن پرہیز میں بے توجہی برتی۔ مرض پھر عود کر آیا۔ اسی میں روزے رکھے، اور حسب معمول دیو بند، پھلت، سہارنپور کے سفر بھی کیے۔ میں انگلستان سے ایک طویل علالت کے بعد واپس آیا تھا۔ لکھا کہ لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم خیریت سے واپس آ گئے۔ تمہیں دیکھنے علی گڑھ آ رہا ہوں۔ میں نے لکھا کہ موسم ذرا بہتر ہو جائے جب سفر کیجیے۔ میں خاندان کی تاریخ ایک عرصہ سے مرتب کر رہا تھا اور سوچتا تھا کہ ایک بار ان کو پوری سنا دوں۔ تاکہ اصلاح اور اضافے ہو سکیں۔ وہ خود بھی اس کو سننے کے لیے بے چین تھے۔ اس دوران میں خطوط آتے رہے، جن میں مولانا احمد حسن محدثؒ کے خطوط کو مرتب کرنے کی اطلاع تھی اور بعض تفصیلات طلب فرمائی تھیں۔ میں سمجھا کہ شاید اب طبیعت بہتر ہے۔ پھر اچانک اطلاع ملی کہ طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔

میں امروہہ پہونچا تو حالت دیکھ کر دل بیٹھ گیا، پلنگ پر بے حس و حرکت لیٹے تھے، مجھ سے کچھ
باتیں کیں، میرے ہاتھ میں سیر الاولیاء کا ایک نسخہ تھا، پوچھا کیا ہے؟ میں نے بتلایا۔ فرمایا۔
میں اسے پڑھوا کر سنوں گا، اسے چھوڑ جانا۔ میں نے وہیں رکھ دیا اور حیرت میں رہ گیا کہ ایک
طرف روح سکرات کے تلاطم میں ہے دوسری طرف دل و دماغ طالب علمانہ جستجو میں مصروف
ہیں! اللہ اکبر، علم سے ایسا والہانہ لگاؤ! اب کہاں دیکھنے کو ملے گا!

چوبیس گھنٹے بھی نہیں گذرنے پائے تھے کہ ان کی روح مالک حقیقی کے حضور میں
پہونچ گئی۔ امروہہ میں اس خبر سے ایک کہرام مچ گیا، اور در و دیوار سے صدا آنے لگی ؎

کدام میکدہ را روز ماتم است امروز
کہ موتِ عالم چوں موتِ عالم است امروز

امروہہ میں نواب وقار الملک مرحوم اور حضرت مولانا احمد حسن محدثؒ کے جنازوں میں
بھی شاید ہی اتنے آدمی ہوں۔ دفن کرنے پر بہت بحث و تکرار ہوئی۔ بعض لوگ جامع مسجد
میں دفن کرنا چاہتے تھے جہاں انھوں نے درس دیئے تھے، کچھ لوگ مصر تھے کہ جس مسجد
میں وہ رہتے تھے وہاں دفن کیا جائے۔ جناب محترم مولانا اسعد مدنی صاحب زاد کرمہٗ نے
خاندانی مسجد میں دفن کرنے کا مشورہ دیا۔ اور اسی پر لوگوں نے عمل کیا۔ غم و الم سے بھرے
ہوئے دلوں نے زبان حال سے یہ کہتے ہوئے ان کے جسد پاک کو سپرد خاک کیا ؎

اے خاک تیرہ خاطر مہماں نگہ دار
ایں نور چشم ماست کہ در بر کشیدہ

(۳)

# تصانیف اور علمی خدمات

کہتے ہیں کہ علامہ ابن العلاء سے کسی نے پوچھا کہ آدمی کو کب تک علم حاصل کرنا چاہیئے۔
فرمایا: مادامت الحیوۃ تحسن بہ

یعنی جب تک حیات مہربان رہے۔ مولانا فریدیؒ کا بھی حال رہا وہ فنافی العلم
تھے اور آخری دم تک طالب علمانہ جستجو کرتے رہے۔

**ابتدائی زمانہ میں شاعری کا شوق** ابتدائی زمانہ میں شاعری کا بڑا شوق تھا۔ اپنے مکان میں مشاعرے کی محفلیں بھی اکثر منعقد کرتے تھے۔ منشی عزیز احمد صاحب عزیز تلمیذ مضطر خیرآبادی سے (جو امیر مینائی کے شاگرد تھے) تلمذ حاصل کیا۔ منشی عبدالرب شکیب سے بھی شعر و شاعری میں مشورہ لیا۔ وہ ابوالحسن ساکت امروہوی (تلمیذ خاص نظام رامپوری) کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ہی امداد تخلص سے فریدی تخلص رکھوایا۔ مجھے ان کا کوئی کلام یاد نہیں، لیکن حضرت مجدد صاحبؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ پران کی نظمیں دل و دماغ پر نقش ہیں۔ ایک بار "حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ" کے ابتدائی صفحات پڑھ کر سنا رہا تھا۔ اس میں دور اکبری کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک مصرعہ لکھا تھا ؎

غرض فتنوں کی شوریدہ سری اک رنگ لائی تھی

میں نے پڑھ کر پوچھا، یہ مصرعہ کس کا ہے۔ کچھ سوچ میں پڑ گئے، جب میں نے بتایا کہ خود مجدد صاحبؒ پر ان کی نظم سے لیا گیا ہے تو ہنس پڑے اور فرمایا: بہت صحیح جگہ استعمال کیا ہے۔ بچپن کا ایک واقعہ یہاں بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ماموں صاحب کی ایک غزل تھی جس کا مقطع تھا ؎ فریدی کیوں گل و بلبل کا سودا سر میں ہے (پوری غزل یاد نہیں) میں نے فریدی کی جگہ نظامی کر دیا اور اپنی بڑی بہن کی معرفت پوری غزل تہذیب نسواں میں اشاعت کے لیے بھیج دی کہ میرے چھوٹے بھائی کی تصنیف ہے۔ وہاں سے واپس آگئی کہ یہ کسی بڑے آدمی کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ واقعہ ماموں صاحب کو سنایا۔ ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔

**تصنیف وتالیف کا آغاز اور اس کے بنیادی خطوط** یوں تو وہ بعض جرائد اور رسائل میں مضامین لکھتے رہتے تھے لیکن تصنیفی زندگی کا آغاز بریلی سے ہوا اور اس میں جناب محترم مولانا محمد منظور نعمانی صاحب زاد مجدہٗ کے مشوروں اور مخلصانہ تقاضوں کا بڑا دخل تھا۔ "الفرقان" کے مجدد الف ثانی نمبر میں ان کا مضمون ان کی آیندہ علمی زندگی کی بشارت دیتا ہے۔ یہیں سے ان کی دلچسپیوں کا رخ متعین ہوا اور آیندہ کام کی بنیاد پڑی۔ ۱۹۳۵ء میں جب مجدد الف ثانیؒ نمبر نکلا تو ماموں صاحب نے ایک کاپی مجھے میرٹھ اس ہدایت کے ساتھ بھیجی کہ اسے شروع سے آخر تک پڑھنا۔ میں نے اس کو بار بار

پڑھا اور حقیقت یہ ہے کہ اگر میں اپنی پانچ محسن کتابوں کی فہرست بناؤں تو ان میں بلا شبہ الفرقان کا مجدد الف ثانیؒ نمبر ایک ہوگا۔ گو اس کے بعد تحقیق کی اور راہیں سامنے آتی رہیں، لیکن مجدد صاحبؒ کے کام کی اہمیت کا احساس "الفرقان نمبر" ہی نے دلایا تھا۔

مولانا فریدیؒ کی علمی جد و جہد کے مرکز و محور دو تھے ——

(۱) مشائخ سلسلہ مجددیہ

(۲) اکابر دارالعلوم دیوبند

ان کی ساری تصانیف اسی محور پر گردش کرتی ہیں۔ بہ حیثیت مصنف ان کی خصوصیت یہ تھی کہ بڑی محنت سے مواد جمع کرتے تھے۔ ان کا یقین تھا کہ ؎

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر

جب کوئی موضوع پیش نظر ہوتا تو سوتے جاگتے اسی میں مشغول رہتے۔ وہ جو کچھ لکھتے تھے اس کے پیچھے وسیع مطالعہ اور بے اندازہ تحقیقی کاوش ہوتی تھی۔ پورا مضمون جب اپنے اندر جذب کر لیتے تھے، جب قلم اٹھاتے تھے، یہی سبب ہے کہ ان کی عبارت میں شگفتگی اور کیفیت محسوس ہوتی تھی۔

تحقیق معیار کافی اونچا تھا۔ اس کا کچھ اندازہ ملیح آبادی کی "مولانا آزاد کی کہانی" پر ان کے تبصرے سے ہوتا ہے۔

تلخیص اور ترجمے میں کمال حاصل تھا۔ ترجمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک زبان و بیان پر پوری قدرت نہ ہو، اور تلخیص کا کام صرف وہ شخص کر سکتا ہے جس نے پورے مباحث کو جذب کر لیا ہو اور فکری اعتبار سے اس پر پورا عبور رکھتا ہو۔

مولانا فریدیؒ کا خیال تھا کہ اکابر ملت کی فکر کو عوام تک پہنچانے اور اس سے مثبت فوائد حاصل کرنے کے لیے مکتوبات اور ملفوظات پر زیادہ کام کی ضرورت ہے۔ انھوں نے کتنے ہی مکتوبات کے مجموعے دریافت کیے اور ان کو روشناس کرایا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مکتوبات کا قلمی نسخہ چاند پور ضلع بجنور میں مولانا تقی حسن مرحوم کے کتب خانہ میں دریافت کیا اور خود یہ فیصلہ فرمایا کہ اس کے سیاسی مکتوبات تم ایڈٹ کرو، مذہبی مکتوبات میں ایڈٹ کروں گا۔ وہ جب کوئی نئی چیز دریافت کرتے تو خوشی میں فوراً مجھے مطلع کرتے۔

مکتوبات شاہ ولی اللہ کے علاوہ انھوں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا احمد حسن محدث امروہوی وغیرہم کے مکتوبات جمع کیے۔ اور ان میں تاریخی اور دینی اہمیت کے مواد پر توجہ دلائی۔

اکابر دیوبند کے حالات کی تلاش و تحقیق پر بھی مولانا فریدی نے کافی وقت صرف کیا تھا۔ مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی زاد کرمہ اپنے مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں:

"پچھلے دنوں دیوبند کی شیخ الہند اکاڈمی نے اکابر دیوبند کی نادر و نایاب تالیفات کو جدید انداز پر ایڈٹ کرنے کا فیصلہ کیا، تو جن لوگوں نے اس کام کو انجام دیا، ان کی رہنمائی اور ان کے کام پر نظر ثانی کے لیے سب کی نگاہیں حضرت مولانا ہی پر اٹھیں اور مولانا مرحوم نے بھی بطیب خاطر اس ذمہ داری کو قبول فرمایا"

دیوبند کی تاریخ، اس کے اکابر کی دینی، علمی خدمات اور روحانی بصیرت پر جو نظر ان کی تھی وہ حیرت انگیز تھی۔ کسی کا ذکر چھیڑ دیجیے اور پھر ان کی گل فشانی گفتار کو دیکھیے وہ اس معلومات کا بوجھ اپنے اوپر لیے نظر نہ آتے تھے، بلکہ یہ سب کچھ ان کے علم کا جز اور ان کی شخصیت کا حصہ بن گیا تھا۔ انھوں دار العلوم کو صرف اپنی مادر درسگاہ ہی نہیں سمجھا، بلکہ اس کو اپنی زندگی کا ایک حصہ بنا لیا تھا جس سے ان میں احیاء دین کے جذبات پرورش پاتے تھے۔

تذکرہ خواجہ باقی باللہ اور صاحبزادگان و خلفاء ۱۹۷۸ء میں الفرقان بکڈپو سے شائع ہوا۔ یہ تذکرہ مضامین کی شکل میں "الفرقان" میں چھپ چکا تھا۔ اس میں خواجہ صاحب اور ان کے اخلاف و منسلکین کے حالات بڑی تحقیق اور جستجو سے جمع کیے گئے ہیں۔ اسرار یہ کی اہمیت اور افادیت پہلی مرتبہ اس سے واضح ہوئی۔ صاحبزادگان کے نام اور کام کے متعلق بہت سی دلچسپ معلومات اس میں جمع کی گئی ہیں۔ خواجہ خرد کے ملفوظات کے ایک نادر نسخہ کی دریافت نے اس تذکرہ میں جان ڈال دی ہے۔ اس عہد کی بعض اہم کتابیں جو اس مجموعہ کی طباعت کے بعد دریافت ہوئی ہیں، توفیق رفیق ہوئی تو "الفرقان" میں ضمیمہ

کے طور پر ان کا تعارف کرایا جائے گا۔

**تجلیات ربانی یعنی مکتوبات مجدد الف ثانی کا ترجمہ اور تلخیص** حضرت مجدد صاحبؒ کے مکتوبات کو یوں تو عربی، ترکی اور اردو میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن شاید کوئی کوشش اتنی موثر نہیں ہوئی جتنی تجلیات ربانی۔ جن مباحث کو عام ذہن کی سمجھ سے بالاتر پایا ان کو شامل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جس طرح مفید مطالب و مباحث کو محنت سے اخذ کر کے دل کش انداز میں پیش کیا گیا ہے اس نے مجدد صاحبؒ کی فکر اور ان کے عظیم الشان کارناموں کو سمجھنے میں فقید المثال خدمت انجام دی ہے۔ یہ مکتوبات مختلف اوقات میں "الفرقان" میں شائع ہوتے رہے تھے، ۱۹۶۷ء میں کتابی شکل میں کتب خانہ "الفرقان" سے دو جلدوں میں طبع ہوئے۔ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ "الفرقان" کے مجدد الف ثانیؒ نمبر" اور مولانا فریدیؒ کی "تجلیات ربانی" نے حضرت مجدد صاحبؒ کے کلام و پیام کو جس طرح عوام و خواص تک پہونچایا ہے وہ ہمیشہ احسان مندی کے ساتھ یاد رکھا جائے گا۔ مولانا نعمانی زاد و مجدہٗ نے اس کے متعلق لکھا ہے:

> "انھوں نے بالکل اسی انداز پر جو اس عاجز کی آرزو تھی، مکتوبات کے تینوں دفتروں کی تلخیص و ترجمہ کا کام انجام دیا۔ اس حقیقت کے اظہار میں ذرہ برابر بھی تواضع اور کسر نفسی نہیں ہے کہ اگر میں خود یہ کام کرتا تو ہرگز ایسا نہ کر سکتا، اللہ تعالیٰ نے مولانا فریدیؒ کو ایسے کاموں کی خاص صلاحیت بخشی ہے" (ص ب)

**مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ** یہ مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات کے تین مجموعوں وسیلۃ السعادہ، درۃ التاج، اور مکتوبات معصومیہ۔ کا عطر ہیں۔ سنہ ۱۹۶۰ء میں مکتبہ الفرقان نے کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس تالیف سے پہلی بار خواجہ محمد معصومؒ کی صلابت فکر، مجتہدانہ کارناموں اور دینی بصیرت کا اندازہ ہوا۔ نقشبندی سلسلہ کے لٹریچر میں یہ کتاب بیش قیمت اضافہ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مجدد صاحبؒ کے کام کا تکملہ ان ہی مکتوبات میں نظر آتا ہے۔ خواجہ صاحبؒ نے عبید اللہ بیگ کو یہ لکھ کر:

"ہر زمانے کے مذاق مختلف ہیں، ہر شہر کی ایک علیحدہ خاصیت ہے اور
ہر قریہ کا ایک جدا معاملہ ہے، اہل بصیرت ہر توجہ سے فیض حاصل کرتے
ہیں اور ہر زمین سے ایک خاص کمال بہم پہنچاتے ہیں۔"

اصلاح و تربیت کا ایک زبردست اصول بیان فرما دیا ہے۔ مولانا فریدیؒ نے خواجہ محمد معصومؒ کی فکر کو آئینہ کی طرح روشن کر کے یہاں پیش کر دیا ہے۔ مجددی فکر کے ہر گوشہ کو جس طرح انھوں نے واضح کیا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔

**خلفاء مجدد صاحبؒ** خلفاء مجدد صاحبؒ پر مولانا فریدیؒ نے "مجدد الف ثانیؒ نمبر" میں تفصیلی مضمون لکھا تھا جو بعد کو تذکرہ مجدد الف ثانیؒ، میں بھی شامل رہا۔ اس میں مجدد صاحب کے خلفاء کا حال مستند مآخذ کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر حالات مساعدت کرتے تو وہ خلفاء مجدد صاحبؒ پر مفصل اور بصیرت افروز کتاب لکھ سکتے تھے۔ اس سلسلہ کا بیش بہا ذخیرۂ معلومات ان کے ذہن میں محفوظ تھا۔

**شاہ غلام علی صاحبؒ** شاہ غلام علی صاحبؒ اپنے زمانہ میں نقشبندی سلسلہ کے عظیم المرتبت بزرگ شمار کئے جاتے تھے۔ ان کی خانقاہ میں اسلامی ممالک کے گوشہ گوشہ سے لوگ آتے تھے۔ ان کے ملفوظات "درالمعارف" شاہ رؤف احمد نے بڑی محنت سے جمع کئے تھے۔ مولانا فریدیؒ نے اپنے مخصوص انداز میں ان ملفوظات کا خلاصہ اپنے مضامین میں جو الفرقانؔ میں شائع ہوئے پیش کر دیا ہے۔ پھر "قافلہ اہل دل" کے نام سے ان کے خلفاء کا بڑا جامع تذکرہ ترتیب دیا۔ (الفرقان ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۷۴ء) کیا ہی اچھا ہو اگر یہ مضامین بھی ادارۂ الفرقان کتابی شکل میں شائع کر دے۔ (الحمد للہ اب یہ مجموعہ شائع ہو گیا ہے۔
(ادارہ الفرقان)

**شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے اخلاف پر تحقیقی کام** "الفرقان" کے شاہ ولی اللہ نمبر میں مولانا فریدیؒ نے ایک نظم "مزار شاہ ولی اللہ پر پہنچکر" لکھی تھی جس سے ان کے جذبات عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے لکھتے ہیں۔

میرے پیش نظر تصویر ہے بزم محدث کی
تصور میں گلستاں در گلستاں لے کے آیا ہوں
وہ دہلی اور اس کی شوکتیں پھر یاد آئی ہیں!
خزاں کے دور میں یاد گلستاں لے کے آیا ہوں

مولانا عبدالقیوم مظاہری کی تصنیف الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ صاحبؒ نے قرآن مجید کی بابرکت آیات نیز رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، اور آپ کے انسانیت نواز ارشادات و فرمودات کی روشنی میں وہ لائحہ عمل پیش فرمایا ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر تمام دنیا کا بھلا ہو سکتا ہے۔ رفاہ خلق اور رفاہ عام کے سلسلہ میں ان کے عنبریں قلم سے جو مضامین برآمد ہوئے ہیں ان کی وضاحت کی جائے اور ان پر عمل کا سایہ ڈالا جائے تو کسی غلط نظام اور باطل ازم کو پنپنے کا موقع نہ ملے"

انھوں نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مکتوبات کو بڑی محنت سے جمع کیا ہے یقین ہے وہ مجموعہ جلد شائع ہو کر سامنے آجائے گا اور اس سے فکر ولی اللہی کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے سلسلہ میں ان کے مضامین جو خاص طور پر مطالعہ کے قابل ہیں، مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت شاہ ابوسعید حسنیؒ کے روابط حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے خاندان سے" ("الفرقان" اپریل، مئی۔ جون ۱۹۶۵ء)

(۲) "سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ"
"الفرقان" محرم، صفر، ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

یہ مضامین پاکستانی رسائل بالخصوص "الرحیم" میں نقل ہو کر بے حد مقبول ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے حالات اور ملفوظات پر ان کے مضامین جو "الفرقان" ماہ محرم ۱۳۸۷ھ سے ماہ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ تک شائع ہوئے، نئی تحقیق، حیرت انگیز معلومات اور ملفوظات کے مروجہ نسخوں کی تنقیح میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

**اکابر دیوبند** اکابر دیوبند پر مولانا فریدیؒ نے جو مضامین شائع کئے ہیں وہ نئی دریافت پر مبنی ہیں اور ضرورت ہے کہ ان کو ایک جگہ کتابی شکل میں لایا جائے۔ بالخصوص مندرجہ مضامین ـــــ

(۱) "آثار شیخ الہند" "الفرقان" اگست ستمبر ۱۹۸۱ء

(۲) "حضرت مولانا نانوتوی بی شاعری" "دارالعلوم" ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ

(۳) حضرت نانوتوی اور حضرت شیخ الہند کے غیر مطبوعہ خطوط "دارالعلوم" ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ

(۴) "حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہوی" "دارالعلوم" ربیع الاول تا شوال ۱۳۷۳ھ

(۵) "حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب امروہوی" "دارالعلوم" ۱۳۷۱ھ

(۶) "درس حدیث کی ایک جھلک" الجمعیۃ، شیخ الاسلام نمبر ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء

(۷) "حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے دو مکتوب گرامی اور ان کا پس منظر" شیخ الاسلام ـــــ حیات و کارنامے

مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ کے مکتوبات کو اپنی آخری علالت کے زمانہ میں مرتب کیا ہے۔ اور امید ہے کہ جلد وہ مجموعہ شائع ہو جائے گا۔ ان کے مضامین میں تاریخ دیوبند اور اکابر دیوبند کے متعلق بیش بہا معلومات بکھری ہوئی ہیں۔ بعض کتب خانوں کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں اس سلسلہ کا مواد مل سکتا ہے۔ تاریخ دیوبند کا کوئی طالب علم ان مضامین کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تحقیق کا کام ان ہی خطوط پر جاری رکھنا ہوگا جب کہیں دیوبند کی مفصل مبسوط اور مستند تاریخ لکھی جا سکتی ہے۔

**فرائد قاسمیہ** حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے غیر مطبوعہ مضامین کا یہ مجموعہ

انھوں نے ۱۹۸۰ء میں ادارۂ ادبیات دلی سے شائع کیا۔ عجیب اتفاق تھا کہ یہ مجموعہ حضرت نانوتویؒ کے وصال کے ٹھیک سو سال بعد شائقین کے ہاتھ میں پہونچا۔ مولانا فریدیؒ نے اس پر مختصر مگر جامع مقدمہ لکھا اور مکتوب الیہم کے مختصر حالات بھی درج کئے۔ فرائد قاسمیہ کا یہ نادر نسخہ ان کو حاجی سید عبد الغنی پھلاؤدیؒ کے کتب خانہ سے ملا تھا۔

اس میں بعض اہم مسائل جن پر حضرت نانوتویؒ نے گفتگو فرمائی ہے، رفع تعارض بین الحدیث والقرآن، تحقیق مال حرام، وغیرہ سے متعلق ہیں۔

کتب خانہ کی اہمیت کو سب سے پہلے مولانا فریدیؒ نے ہی اس طرح واضح کیا ہے

> "حضرت نانوتویؒ کی تمام مطبوعات کا ذخیرہ ان کے کتب خانہ میں موجود ہے، جن میں وہ اڈیشن بھی ہیں جن کا وجود بہت کم کتب خانوں میں پایا جاتا ہے" (ص ۳)

مولانا فریدیؒ کو حضرت نانوتویؒ کی تصانیف سے غیر معمولی شغف اور ان کی ذات سے بے پناہ عقیدت تھی اور ان کے حالات بڑی دل چسپی کے ساتھ سنایا کرتے تھے۔ ان کے بہت سے اشعار بھی یاد تھے۔ بہت موقع سے پڑھتے تھے اور ساری گفتگو میں شگفتگی اور جان پیدا کر دیتے تھے۔ مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر صاحب نے جب حضرت نانوتویؒ کی شاعری پر ان کا مقالہ "دارالعلوم" میں شائع کیا تھا تو لکھا تھا:

> "برادرم مولانا فریدی کے متعلق اگر میں یہ کہوں کہ ان کی زندگی متضاد صفات وخصوصیات کی حامل ہے تو اس میں کسی شاعرانہ یا خطیبانہ مبالغہ کا دخل نہیں ہوگا۔ اپنی شکل وصورت، اور ظاہری انداز و اطوار کے لحاظ سے وہ مجذوب صفت انسان ہیں جنھوں نے درس وتدریس، تبلیغی جماعت اور قومی کاموں کے لیے خود کو وقف کر دیا ہے لیکن کچھ دیر ان سے گفتگو کیجیے تو معلوم ہوگا دین اور دیانت کے اس سبزہ زار میں جابجا شعر وادب، علم وتحقیق اور فکر ونظر کے ایسے سدا بہار پھول بھی کھلے ہوئے ہیں جن کی رنگارنگی، تازگی اور دلکشی گل چیں کو بے ساختہ اپنی طرف کھینچتی ہے"

(دارالعلوم، ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ ص ۲۴)

**سفرنامہ حج شاہ رفیع الدین مراد آبادی** شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تلمیذ رشید شاہ رفیع الدین مراد آبادی کا یہ سفرنامہ، خاکسار راقم الحروف کے ذخیرہ کتب میں تھا۔ مولانا فریدیؒ نے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا اور اس کا ترجمہ "الفرقان" کی خصوصی اشاعت (اپریل مئی ۱۹۶۱ء) میں شائع ہوا۔ حج کے سفرناموں میں اس سفرنامہ کی خاص اہمیت ہے۔ اس میں بحری سفر، جہازوں کی حالت، ملاحوں، بندرگاہوں کے متعلق بہت دلچسپ معلومات درج ہیں۔

**تلخیص میں مہارت** مولانا فریدیؒ کو تلخیص میں خاص مہارت تھی۔ یہ نتیجہ تھی گہرے مطالعے اور مطالب پر عبور کا۔ انھوں نے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے مقالہ "الف ثانی یا ہزارہ دوم کا تجدیدی کارنامہ" کا جس طرح "افادات گیلانی نمبر" میں خلاصہ کیا ہے وہ لائق ستائش ہے۔ (جولائی ۱۹۵۷ء الفرقان)

**ذاتی یادیں اور علمی استفادہ** اپنے ذہن کو ماضی کے دھندلے نقوش کی تلاش میں لگاتا ہوں تو ماموں صاحب مرحوم کی (جن کو ہم "جی ماموں" کہا کرتے تھے) دو یادیں عجیب انداز میں سامنے آتی ہیں۔ میں نے نیا نیا لکھنا سیکھا تھا، میرٹھ سے اپنی نانی مرحومہ کو خط لکھا، اس طرح کہ ہر لفظ کو نئے رنگ کی روشنائی سے لکھا تھا۔ اس کا جواب ماموں صاحبؒ نے نہایت خوشخط قلم سے دیا اور بہت سی دعائیں خود اپنی اور نانی مرحومہ کی طرف سے لکھیں، یہ خط میرٹھ میں برسوں میرے پاس رہا، معلوم نہیں اب کہاں ضائع ہوگیا۔ دوسری یاد یہ ہے کہ والد مرحوم نے ایک نہایت خوبصورت لیمپ مجھے بھیجا تھا۔ یہ جل رہا تھا اور تپائی پر رکھا تھا۔ ماموں صاحبؒ کچھ اس طرح چلے کہ تپائی سے ٹکرا گئے اور وہ لیمپ گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ میں بہت رویا۔ اس وقت کیا معلوم تھا کہ جس شخص نے یہ ایک لیمپ بجھایا ہے وہ میرے دل میں کتنی شمعیں روشن کرے گا۔ اور اس کی زندگی کتنی دور تک قندیل رہبانی بنے گی۔

میری تعلیم و تربیت میں سب سے بڑا ہاتھ والد مرحوم کا تھا جو علم و بصیرت کا ایک

بحر ذخار تھے اور جن سے ماموں صاحبؒ نے بھی کافی استفادہ کیا تھا۔ ان کے بعد جس شخص نے میری زندگی اور فکر کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ماموں صاحبؒ ہی تھے۔ انھوں نے "الفرقان" کے "مجدد الف ثانیؒ نمبر اور شاہ ولی اللہؒ نمبر" اصرار کے ساتھ از اول تا آخر پڑھوا کر ہندستان میں مسلمانوں کی فکری اور ملی تاریخ میں دلچسپی کا وہ بیج بویا جس کے ثمرات میری تصانیف میں نظر آئیں گے۔ وہ نازک مسائل پر میری رہبری کرتے، کوئی مسئلہ اپنے قابو کا نہ پاتے تو حضرت مولانا مدنیؒ سے رجوع کرنے کی ہدایت کرتے صوفیاء و مشائخ کے حالات و تعلیمات کے مطالعہ میں ویسے بھی بہت سے نازک مقام آتے ہیں۔ اگر کوئی ٹوکنے والا نہ ہو تو مشکلات میں پھنس جانا لازمی ہے۔ ان کی رہبری اور نگرانی نے اس راہ کے مسائل سے باخبر کیا۔ انھوں نے مکتبۂ جامعہ دہلی کے کتاب نما (نمبر اشارہ ۵) میں "تاریخ مشائخ چشت" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

> "پروفیسر خلیق احمد نظامی نے تاریخ و تصوف، سوانح و تذکرہ کی سیکڑوں کتابوں کا مطالعہ کرکے تحقیق و تدقیق کے معیار پر حتی الامکان جانچ کر بڑی محنت و جستجو کے ساتھ سلسلہ مشائخ ہند کی اس پہلی کڑی کو پیش کیا ہے"

اس ریویو میں میری اور کتابوں پر بھی اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ ان کی ہمت افزائی نے راہ کی دشواریوں کو آسان کیا اور محنت و تلاش کے جذبے کو ترقی دی۔ ؎

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے

میں اس مضمون کو جناب محترم مولانا نعمانی زاد مجدہٗ کے ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں جو انھوں نے "تجلیات ربانی" کے تقریب و تعارف میں مولانا فریدیؒ کے متعلق لکھے تھے:

> "اگر شریعت میں تصویر کی ممانعت نہ ہوتی تو میں (اس حالت میں کہ وہ بہت کمزور، نحیف و نزار اور آنکھوں سے معذور ہو چکے ہیں اور ایسی فقیرانہ زندگی بسر کر رہے ہیں جس کی مثال طبقۂ علماء میں مشکل ہی سے ملے گی) ان کا فوٹو تقریب و تعارف کی ان سطروں کے ساتھ شامل کرتا ـــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور دعا ہے جو کتب حدیث میں مروی ہے:

| | |
|---|---|
| اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین۔ | اے اللہ! مجھے زندہ رکھ مسکینی کی حالت میں اور موت دے مسکینی کی حالت میں اور مسکینوں کی جماعت میں میرا حشر فرما! |

اس عاجز کی نظر میں مولانا فریدیؒ ان بندگان خدا میں ہیں جنھیں دیکھ کر اس دعائے نبوی کے لفظ مسکین کا مطلب سمجھ میں آجاتا ہے بلکہ اس کا ایک نمونہ سامنے آجاتا ہے" (ص ح)

اب مولانا فریدیؒ اپنے رب کے جوار رحمت میں پہنچ چکے ہیں ؎

خزاں رسید گلستاں بآں جمال نماند
سماعِ بلبل شوریدہ رفت وحال نماند
نشان لالہ ازیں باغ از کہ می پرسی
ہر دکہ آنچہ تو دیدی بجز خیال نماند

---

# مزار شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ پر پہنچکر

از۔ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی فاروقی امروہیؒ

مزار حضرت شاہ ولی اللہؒ پر ہمدم! — دل پر یاس و حسرت چشم گریاں لیکے آیا ہوں

نہیں آیا میں خالی ہاتھ اس درگاہ عالی میں — عقیدت کیشیاں نقد دل و جاں لیکے آیا ہوں

جو کمھلا جائیں دو اک روز میں وہ پھول کیا لاتا — میں اپنے باغ دل کی چند کلیاں لیکے آیا ہوں

چڑھانے کو تری تربت پہ چادر ساتھ کیوں لاتا — میں اپنے سر پہ تیرا بار احساں لیکے آیا ہوں

مرے پیش نظر تصویر ہے "بزم محدثؒ" کی — تصور میں گلستان در گلستاں لیکے آیا ہوں

وہ دہلی اور اس کی شوکتیں پھر یاد آئی ہیں — خزاں کے دور میں یاد گلستاں لیکے آیا ہوں

بچایا راہزن سے رہنمائی نے تری اس کو — بحمد اللہ متاع دین و ایماں لیکے آیا ہوں

تری تعلیم کے صدقے سے ہے جس میں تڑپ باقی — اسی حساس دل کو زیر داماں لیکے آیا ہوں

سنا دے پھر وہی نغمے مجھے توحید و سنت کے — میں اُن نغمات کے سننے کا ارماں لیکے آیا ہوں

فلک سے کہہ دو اب شبنم کے قطروں کو نہ برسائے — میں قبر شیخ پر اشکوں کی لڑیاں لیکے آیا ہوں

عقیدت، نقد الفت، یاد ماضی، سوز پنہانی — مزار شیخ پر کیا کیا میں ساماں لیکے آیا ہوں

سناتی ہے مجھے اک داستاں بزم تصور میں — میں اک دنیائے جذبات پریشاں لیکے آیا ہوں

فریدی میں نہیں آیا ہوں تنہا مرقد شہ پر
دعا ہائے فراواں ذوق پنہاں لیکے آیا ہوں

پروفیسر نثار احمد فاروقی دہلی یونیورسٹی دہلی

# گوہر یک دانہ

## تذکرۂ حضرت مولانا نسیم احمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ

### خاندان اور نسب

مسلمانانِ ہند کی روحانی ثقافت کی تاریخ میں حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ کی شخصیت اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی، ان کی اولاد و خلفاء کی تبلیغی و اصلاحی کوششوں کے آثار آج بھی برصغیر کے ہر کونے میں دیکھے جاسکتے ہیں، بابا صاحبؒ کے پانچ صاحبزادے تھے: شیخ نصیر الدین نصر اللہؒ، شیخ شہاب الدینؒ، شیخ بدرالدین سلیمانؒ شیخ نظام الدین شہیدؒ اور خواجہ محمد یعقوبؒ۔

چوتھے فرزند شیخ نظام الدین شہیدؒ کے بارے میں قدیم مآخذ کہتے ہیں کہ بابا صاحبؒ انھیں اپنے سب فرزندوں سے زیادہ چاہتے تھے، وہ سپاہیانہ وضع رکھتے تھے، بلبن کی فوج میں ملازم تھے اور اپنی شجاعت کے سبب سے "حیدر ثانی" کہلاتے تھے۔ بابا صاحبؒ کی خدمت میں بہت گستاخ بھی تھے، یعنی جو جی میں آتی تھی کہہ دیتے تھے، بابا صاحبؒ مسکرا کر سن لیتے تھے اور اُن سے رنجیدہ نہ ہوتے تھے۔ وہ نہایت ذہین و فطین اور معاملہ فہم بھی تھے۔

جب بابا صاحبؒ کا انتقال ہوا (۵ محرم ۶۷۰ھ۔ ۱۳ اگست ۱۲۷۱ء) وہ اُس وقت پٹیالی میں تھے، وہاں خواب میں دیکھا کہ بابا صاحبؒ بلاتے ہیں، فوراً روانہ ہو گئے، اجودھن (موجودہ پاک پٹن پاکستان) پہنچے تو شہر پناہ کے دروازے بند ہو چکے تھے، رات وہیں شہر پناہ سے باہر بسر کی، صبح کو دروازے کھلے تو ایک جنازہ آرہا تھا، معلوم ہوا کہ گذشتہ شب حضرت بابا صاحبؒ کا انتقال ہو گیا ہے اور اب اُنھیں مقابرِ شہیداں میں دفن کرنے لے جا رہے ہیں، حضرت شیخ نظام الدینؒ نے فرمایا اگر تم انھیں آبادی سے باہر دفن کرو گے تو لوگ باہر باہر ہی فاتحہ پڑھ کر چلے جایا کریں گے اُن کی اولاد کو کوئی نہ پوچھے گا، جس حجرے میں اُن کا انتقال ہوا ہے وہیں لے کر چلو، چنانچہ وہیں دفن کیا گیا۔

حضرت نظام الدینؒ کے بارے میں دو روایات ہیں، ایک تو یہ کہ اجودھن پر کفار (منگولوں) کا حملہ ہوا، انھوں نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، بعد کو اُن کی لاش میدانِ جنگ میں بہت تلاش کی گئی، نہیں ملی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ قلعۂ رنتھمبور (موجودہ سوائی مادھوپور، راجستھان) کو فتح کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے ([illegible]) اور وہیں قلعے کے اندر اُن کا مزار ہے، یہ روایت زیادہ قرینِ صحت ہے۔

حضرت نظام الدین شہیدؒ کے دو بیٹے تھے: خواجہ عضد الدین المعروف بخواجہ ابراہیم اور خواجہ علی (یا خواجہ علی شیر)۔ خواجہ ابراہیم کے پوتے خواجہ عزیز الدین تھے، اُن کی والدہ مولف سیر الاولیاء امیر خورد کرمانی کی پھوپھی تھیں، اُن کی پرورش حضرت نظام الدین اولیاء (ف ۷۲۵ھ) کی نگرانی میں دہلی میں ہوئی اور انتقال کے بعد وہیں پائینِ مزار دفن ہوئے۔ خواجہ علی کے چارؔ فرزند تھے: شیخ سالار، نور الدین، شیخ یحییٰ اور شیخ خسرو، شیخ سالار کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تھی، وہ شیخ فخر الدین، شیخ عالم، شیخ خواجہ، شیخ مغیث اور شیخ مجیر الدین۔ آخر الذکر کی اولاد حصار (ہریانہ) میں آباد تھی۔ شیخ فخر الدین کے فرزند شیخ بہاء الدین اور ان کے بیٹے شیخ ضیاء الدین تھے جن کے بیٹے حاجی محمد موسیٰؒ ہوئے آخر الذکر وہ تینوں بزرگوں کے مزار موضع رجب پور (ضلع مراد آباد) میں ہیں۔

حاجی محمد موسیٰؒ کے تین فرزند تھے، شیخ منور، شیخ طاہر اور شیخ لہرہ۔ شیخ منور کے پوتے عبد القادر کالپی میں جا بسے تھے، اور انکی اولاد میں حیدرآباد کے امرائے پائیگاہ (نواب ظہیر یار جنگ وغیرہ) کا خاندان ہے۔ شیخ طاہر کے فرزند شیخ مجاہد، انکے بیٹے شیخ صلاح اور انکے فرزند شیخ مظفر ہوئے اور مؤخر الذکر کے بیٹے حاجی عبد الغفور امروہہ میں رہے، وہیں جانبِ غرب آپ کا مدفن ہے، انکے بیٹے شیخ محمد معمور تھے، یہاں تک سلسلۂ نسب کی تفصیل جواہرِ فریدی میں بھی درج ہے، شیخ محمد معمور کے پانچ فرزند ہوئے، چار غیر معقب رہے، صرف ایک شیخ بدر عالم سے نسل چلی جنکے بیٹے شہاب الدین اور انکے دو بیٹے محمد منیر اور محمد حارث تھے، شیخ محمد حارث کے فرزند محمد عبد الغفور ثانی ہوئے، انکے دو بیٹے تھے محمد بخش عرف لساون اور شیخ اولاد محمد۔ مؤخر الذکر کے تین بیٹوں میں صرف ابدال محمد سے نسل چلی، اُن کے چار بیٹے ہوئے: محمد ارشاد علی، بشیر احمد، ولی محمد اور حافظ نذیر احمد (ف ۱۸۵۷ء) مولوی ارشاد علی (ف ۱۹۰۰ء) نے انگریزوں کی حکومت میں مختلف عہدوں پر کام کیا۔ ۱۸۵۷ء میں وہ کرنل جان [illegible] کے ساتھ علاقۂ ملتان میں سر رشتہ دار تھے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی اُن کے پرپوتے ہیں۔

مولوی بشیر احمد فریدی کے بارے مؤلف تحقیق الانساب نے لکھا ہے :-

"ڈپٹی بشیر احمد صوبۂ پنجاب کے محکمۂ نہر میں ڈپٹی مجسٹریٹ ہے بصلۂ خدمات حکومت سے دو مرتبہ خلعت وانعام پایا۔ ابتداءً ضلع میں ڈپٹی کلکٹر تھے، پابند مذہب و متبع شریعت تھے، حکام بالادست سے عرض کیا کہ مقدمات میں سود کی ڈگری دینا پڑتی ہے جو اپنے معتقدات مذہبی کی رو سے جائز نہیں سمجھتا، میرا تبادلہ محکمۂ انہار میں کر دیا جائے۔ حکام نے سمجھایا کہ اس محکمہ میں چار سو روپیہ ماہوار سے زیادہ ترقی نہ ہو سکے گی اور موجودہ صورت میں نو سو روپیہ ماہوار تک مشاہرہ پانے کا موقع ہے۔ مگر انھوں نے کم تنخواہ پر قانع رہنا منظور کیا مگر سود کی ڈگری دینی قبول نہ کی۔" (تحقیق الانساب ص ۲۸۸)

مولوی بشیر احمد کی اولاد میں زوجۂ اولیٰ سے ایک فرزند مولوی حسین احمد تھے اور زوجۂ ثانیہ سے مولوی حسن احمد، حسنین احمد، طفیل احمد اور مولوی شبیر احمد ہوئے۔

مولوی حسین احمد کی عمر زیادہ نہ ہوئی اُن کی تعلیم لاہور، بہاولپور اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں ہوئی تھی پھر امروہہ میں اپنی زمینداری کا انتظام سنبھال لیا تھا ایک بار موسم سرما میں گھوڑے کی سواری کر کے گاؤں سے آئے تو ڈبل نمونیا ہو گیا، اسی میں واصل بحق ہوئے۔ مولوی حسین احمد مرحوم کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں: تحسین احمد، تسلیم احمد، ابرار اور نسیم احمد۔ سارہ خاتون اور سیدہ خاتون۔

یہی تیسرے بیٹے حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی قدس اللہ سرہٗ العزیز ہیں تسلیم احمد راقم الحروف کے والد ماجد (متوفی ۴ جنوری ۱۹۸۷ء) ہیں اور سیدہ خاتون (متوفیہ ۵ راگست ۱۹۸۶ء) پروفیسر خلیق احمد نظامی کی والدہ ماجدہ ہیں رحمہا اللہ رحمۃ واسعۃ۔

## ننھیال

مولانا فریدی کا ننھیالی سلسلہ حضرت شاہ ابن بدر چشتی علیہ الرحمۃ سے ملتا ہے وہ حضرت شیخ علاء الدین فیل مست کے خلیفہ تھے، آپ کا سلسلۂ طریقت بھی حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ تک منتہی ہوتا ہے، وہ آگرہ سے آکر امروہہ میں رونق افروز ہوئے تھے

ملا عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ اُن سے ملے ہے اور انکی بزرگی کا تذکرہ ایسے الفاظ میں کرتا ہے ' شاہ ابن کا انتقال ۹۸۷ھ ۔۔۔ ۱۵۸۰ء میں ہوا امروہہ ریلوے اسٹیشن کے قریب اُن کا روضہ ہے ' اسی میں وہ خاندانی ہڑ واڑہ ہے جس میں حضرت مولانا فریدی کے والدین اور دادا نیز دوسرے مرحوم افرادِ خاندان آسودہ ہیں ۔

حضرت شاہ ابن بڈھ چشتی کی نسل انکے چھ بیٹوں سے چلی ' ان میں شیخ شاہ احمد کی اولاد میں بڑے نامی طبیب اور علماء بھی گزرے ہیں ۔ ریاست حیدر آباد کے پہلے افسر الاطباء حکیم احمد سعید اسی شاخ سے تھے ' اسی خاندان میں ایک جلیل القدر شخصیت حکیم نثار علی کی تھی ان کے چار فرزند ہوئے حکیم ابن حسن ' حکیم احمد حسن ' حکیم علی حسن اور نور الحسن ۔ حکیم ابن حسن کے لائق فرزند حکیم سید طفیل حسن تھے ' جو ابو النظر رضوی کے نام سے مضامین لکھا کرتے تھے ' بڑے علم دوست اور صاحبِ نظر انسان تھے ' حکیم احمد حسن حضرت مولانا نسیم احمد فریدی کے نانا تھے ۔

مولانا فریدی کے والد ماجد کا انتقال ۱۹۱۴ء میں ہوگیا تھا ' اس وقت مولانا فریدی کی عمر تین سال سے زیادہ نہ تھی ۔

## ولادت

مولانا فریدی اپنے سب بھائی بہنوں سے چھوٹے تھے ' انکی ولادت امروہہ میں ستمبر ۱۹۱۱ء محرم ۱۳۲۹ھ میں ہوئی ' صحیح تاریخ اور دن کی ابھی تحقیق نہیں ہوسکی ہے ' والد کے انتقال کے بعد ۱۹۱۵ء میں دادا مولوی بشیر احمد کا بھی وصال ہوگیا ۔ جائداد کا نظم وضبط درہم برہم ہوگیا اس لئے ابتدائی زمانہ خاصی تنگی اور پریشانی میں گذرا ۔ مولانا کے ماموں حکیم سید علی احمد رضوی مرحوم نے اپنی بہن اور بھانجوں کا خاص طور پر بہت خیال رکھا انکے چھوٹے بیٹے حکیم سید سلطان احمد رضوی ( متوفی ۸ ار اکتوبر ۱۹۸۳ء ) جو بڑے حاذق طبیب ہوئے اور بازار نصر اللہ خاں رامپور میں اُن کا بہت کامیاب مطب تھا ' مولانا فریدی کے ہم عمر تھے دونوں کا کھیلنا اور لکھنا پڑھنا ساتھ ہی تھا ۔ پہلے پرائمری اسکول محلہ پیرزادہ میں داخلہ لیا یہاں سے مڈل اسکول میں منتقل ہوئے اور ہندی مڈل کا امتحان پاس کیا ' بچپن ہی سے مطالعے کا ذوق پیدا ہوگیا تھا مولانا فریدی نے ایک مضمون میں لکھا :-

"میری رسمی مکتب بھی نہیں ہوئی تھی، ممانی صاحبہ نے ناز برداری کے ساتھ ساتھ
صاحبزادے کی تعلیم کا بھی خیال رکھا، ماموں صاحب بھی میرے اوپر خاص نظرِ
عنایت رکھتے تھے میں نے پان کھانا انھیں کے پاندان سے سیکھا بچپن ہی میں
شوقِ مطالعہ پیدا ہوا تو انھیں کے کتب خانے سے چند کتابیں دیکھیں جن میں
حضرت مولانا نانوتوی کی سوانح عمری بھی تھی جو حضرت مولانا محمد یعقوب
نانوتوی نے لکھی ہے۔ رموز الاطباء اور چند دیگر طبی اور ادبی کتابیں بھی دیکھیں۔"
(درِ مقصود جلد ۷۔ ۱۹۸۶ء)

بچپن ہی میں کھیل کے طور پر ایک بار انھوں نے اپنے ماموں زاد بھائی سلطان احمد صاحب کے ساتھ الیکشن لڑا تھا۔ اور اُس میں ہار گئے تھے، تو یہ خیال کیا کہ میں یتیم ہوں اور مفلس ہوں اور سلطان احمد کے باپ موجود ہیں اور کھاتے پیتے آدمی ہیں اس لئے مجھے زیادہ ووٹ نہیں ملے، طبیعت میں شروع ہی سے فقر و مسکنت عاجزی اور انکسار پیدا ہو گیا تھا۔

## تعلیم

امروہہ کے محلہ دانشمندان میں ایک مدرسہ نور المدارس تھا، مڈل پاس کرنے کے بعد (۱۹۲۴ء) وہاں جانا شروع کیا اور منشی، منشی کامل، مولوی، اعلیٰ قابل وغیرہ مشرقی امتحانات اس مدرسہ میں پڑھ کر پاس کئے اُسی زمانے سے شعر گوئی بھی شروع کر دی تھی اور "امداد" تخلص اختیار کیا تھا، امروہہ میں ایک بزرگ منشی عزیز احمد عزیز امروہوی تھے اُن سے اپنے کلام پر اصلاح لی۔ عزیز صاحب کو مضطر خیرآبادی سے تلمذ تھا۔

بالکل ابتدائی دور (۱۹۲۵۔۱۹۲۶ء) کے چند اشعار یہ ہیں اُس وقت مولانا کی عمر ۱۴۔۱۵ سال سے زیادہ نہ تھی ؎

عدم سے میری ہستی کو کیا اک دم عیاں تو نے — یہاں پر کچھ دنوں رکھ کر کیا اس کو نہاں تو نے
تعجب ہے کہ ہر اک شے سے تیرا نور ظاہر ہے — پتا لیکن نہ طالب کو دیا اے جانِ جاں تو نے
غزل امداد کی سن کر یہ کہتے ہیں سبھی شاعر — علیحدہ ہی رکھا سب سے اپنا کچھ طرزِ بیاں تو نے

---

یادِ جاناں کے سوا عیش سے کچھ کام نہیں — عاشقِ زار ہوں میں طالبِ آرام نہیں

میری امداد یہی ہیں شافعِ محشر امداد ‌ ‌ ‌ پرسشِ حشر سے واللہ مجھے کام نہیں

---

امداد فضلِ حق سے کی میں خاکسار ہوں ‌ ‌ ‌ پہونچا سکے گا مجھ کو نہ دشمن ضرر کبھی

---

کون سی شے ہے نہیں جس میں تجلی تیری ‌ ‌ ‌ ذرہ ذرہ ترے جلوے کا تماشائی ہے
بے خبر ہم سے ہے وہ رشکِ مسیحا امداد ‌ ‌ ‌ کوئی پوچھے کہ یہی شانِ مسیحائی ہے!

---

قدم رکھا ہے جب سے وادیٔ الفت میں عاشق نے ‌ ‌ ‌ نہ کچھ کھٹکا ہے رہزن کا نہ کچھ پروا ہے منزل کی
نہ کیوں ہو ناز ہوں کیوں کر بھلا امداد کو مجھ کو ‌ ‌ ‌ وہ ہے اولاد میں خواجہ فرید الدین کامل کی

---

داغ جبیں پہ پڑ گئے کثرتِ سجدہ کے سبب ‌ ‌ ‌ ایک زمانہ ہو گیا پڑھتے ہوئے نماز عشق

---

اسی زمانے میں ایک صاحب منشی عبدالرب شکیب تھے جن کی لیاقت فارسی زبان وادب میں بہت اچھی تھی کبھی ریاست سروہی (راجستھان) میں ملازم تھے اُن سے فارسی کی کچھ کتابیں پڑھیں اور شاعری میں بھی مشورہ کیا انھوں نے تخلص بدل کر "فریدی" کر دیا۔
فارسی کی تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا فریدی نے کچھ دنوں مدرسۂ عربیہ محلہ چلہ میں درس بھی دیا، پھر مدرسۂ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ لے لیا، یہاں انکے اساتذہ میں مولانا سید رضا حسن (برادر زادہ مولانا احمد حسن محدث امروہی) مولانا انوار الحق عباسی اور حافظ عبدالرحمٰن صدیقی تھے، بیضاوی اور ترمذی تک امروہہ میں پڑھ کر فراغت کے لئے دیوبند تشریف لے گئے دیوبند میں اُن کے اساتذہ تھے :۔

۱۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی۔
۲۔ شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی۔
۳۔ مولانا میاں اصغر حسین دیوبندی۔
۴۔ مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوری۔
۵۔ مولانا مفتی ریاض الدین افضل گڑھی۔

۶۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی۔
۷۔ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی۔
۸۔ قاری حفظ الرحمن پرتاپ گڑھی۔

مولانا فریدی نے کتاب "مکتوبات اکابر" کے مقدمے میں لکھا ہے: "میرا قیام تعلیمی سلسلے میں دارالعلوم کے اندر سنہ ۵۵ھ سے ۵۷ھ تک رہا"۔ (ص ۹)

اسی زمانے میں چند طلبہ کے ساتھ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں بھی پہونچے تھے مولانا تھانوی بیعت وغیرہ کے لئے کسی طالب علم کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے تھے اس لئے ان طالب علموں کو بھی جلدی رخصت کر دیا تھا۔

لاہور میں حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوری کی مجلس درس قرآن کی بڑی شہرت تھی اُن کے درس سے استفادہ کرنے کیلئے ۱۹۳۶ء میں لاہور کا سفر کیا، اور تین ماہ قیام کر کے تفسیر کا درس لیا۔ قرآن کریم سے متعلق مختلف موضوعات پر حضرت مولانا احمد علی چھوٹے چھوٹے رسالے بھی شائع کیا کرتے تھے۔ ایسے کئی درجن رسالے مولانا فریدی راقم الحروف کیلئے وہاں سے لے کر آئے تھے، مگر میں اُس وقت بہت کم عمر تھا جب اُن کو پڑھنے کا وقت آیا تو وہ سب ناپید ہو چکے تھے۔

لاہور کے زمانۂ قیام میں شاعر مشرق علامہ اقبال سے بھی ملاقات کی اور پھر لاہور سے دیوبند آگئے۔ دیوبند کے بھی اساتذہ اُن سے محبت کرتے تھے مگر خصوصی تعلق حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا اعزاز علی اور میاں اصغر حسین صاحب سے رہا۔ مولانا اعزاز علی صاحب کی بعض تصانیف کے مسودات بھی مولانا فریدی نے اپنے قلم سے صاف کئے اور فرماتے تھے کہ وہ اس کیلئے ایک جزو کی اُجرت ۱۴ آنے دیا کرتے تھے۔ اُن کی تالیف "نفحۃ العرب" کی طباعت بھی مولانا فریدی نے دہلی آکر اپنی نگرانی میں کرائی تھی۔

## شیخ الادب مولانا اعزاز علی کا خط

۱۳۵۷ھ - ۱۹۳۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی تو شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب نے مولانا فریدی کو یہ خط لکھا تھا:۔

عزیز مکرم جناب مولوی نسیم احمد صاحب امروہوی زیدت معالیکم

پس از سلام مسنون۔ آپ علوم دینیہ عربیہ سے فارغ ہو چکے ہیں اور عنقریب آپ دارالعلوم سے رخصت ہوں گے، بنائً علیہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کردوں تاکہ اگر کسی ادارے کا کوئی کام آپ کے سپرد ہو تو اس کے کارکنوں کو آپ کے متعلق صحیح اندازہ کرنے کا موقع ملے۔

عزیزم، چونکہ آپ امروہہ کے باشندے ہیں اور یہی وطن میرا بھی ہے، اس لئے میں نے ان کئی سالوں میں آپ کے حرکات وسکنات تحصیل علم میں تحمل صعوبات، رفتار و گفتار پر پوری نظر رکھی ہے کیونکہ میں متمنی ہوں کہ امروہہ علماء و فضلاء سے خالی نہ رہے۔ سو بحمداللہ کہ بظاہر اسباب میری توقع بے موقع نہیں ہے۔ آپ نے نہ فقط تحصیل علم میں صعوبات کا تحمل کیا، بلکہ سادگی اور خوش اخلاقی سے اس طرح پر بسر کی کہ اساتذۂ دارالعلوم دیوبند اور میں خصوصاً بہت زیادہ خوش رہا۔ مجھ کو یقین ہے کہ آپ جس علمی ادارے میں انتظامی، تدریسی یا مالی کام کرینگے اُس کے ہر فریضے کو باحسن وجوہ انجام دینے میں بتوفیق اللہ وبعونہ کامیاب ہوں گے۔

میں دعاگو ہوں کہ قادر مطلق آپ کو عمر دراز عطا فرما کر علمی اشاعت کی مخلصانہ توفیق دے اور اپنی مرضیات میں مصروف رکھے۔

محمد اعزاز علی غفرلہ مدرس دارالعلوم دیوبند
وممتحن درجۂ مولوی فاضل صوبۂ پنجاب
وصوبۂ آسام

۲۸ محرم ۱۳۵۷ھ و ۳۱ مارچ ۱۹۳۸ء یوم الخمیس

مولانا اعزاز علی نے اس خط میں تحمل صعوبات کا ذکر کیا ہے۔ وہ زمانہ بہت سی خانگی پریشانیوں کا تھا، جائداد کی آمدنی محدود ہو گئی تھی اور مقدمات کا سلسلہ پھیل گیا تھا مولانا کے برادر بزرگ مولوی تسلیم احمد (راقم الحروف کے والد) ان مقدمات میں الجھے ہوئے تھے، وہ کبھی مولانا فریدی کی مالی امداد کر پاتے تھے اور کبھی مجبور ہوتے تھے اُس زمانے میں مولانا کے چچا مولوی شبیر احمد فریدی (اللہ انکی تربت کو ٹھنڈا رکھے) پانچ روپیہ ماہوار بھیج دیا کرتے تھے، بس اُسی میں گزارا ہوتا تھا صرف دو جوڑی کپڑے پاس تھے اُن میں بھی خود ہی پیوند لگالیا کرتے تھے، مگر کبھی کسی کے سامنے اپنی کسی پریشانی اور تکلیف کا اظہار کیا، نہ کوئی حرفِ شکایت زبان پر لائے،

نہ کسی طرح کی آسائش کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بلکہ زندگی کی راحتوں اور آسائشوں سے انھوں نے اپنا رشتہ ہمیشہ کے لئے ایسا منقطع کر دیا تھا کہ اسبابِ آسائش سے انھیں تکلیف محسوس ہوتی تھی۔

## مدرسہ اشفاقیہ بریلی میں

دیوبند سے فراغت ہوئی تھی کہ بریلی کے مدرسۂ اشفاقیہ میں ایک استاذ کی جگہ خالی ہوئی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی جوہر شناس نگاہ مولانا فریدی پر پڑی اور انھوں نے ان کو بریلی بلا لیا۔ اس وقت رسالہ "الفرقان" بھی بریلی سے شائع ہوتا تھا اس کا نہایت اہم اور شاندار "حضرت مجدد الف ثانی نمبر" شائع ہوا تو اس میں بھی مولانا فریدی نے بھرپور مدد کی اسی زمانہ میں حضرت مولانا نعمانی اور مولانا فریدی کے مابین جس قلبی تعلق کی بنیاد پڑی اسے ان دونوں بزرگوں نے ساری عمر ایسا نبھایا کہ اُس کی مثال مشکل سے مل سکے گی، مولانا فریدی کا قلم "الفرقان" کے لئے وقف ہو کر رہ گیا تھا، دوسرے رسالوں کو شاذ و نادر ہی کچھ مل جاتا تھا اور نہ آخر عمر تک "الفرقان" کا ہر شمارہ پڑھتے رہے اُس کا ایک ایک پرچہ محفوظ رکھا اور معذوری کے باوجود اُس کے لئے املا کرا کر مضامین لکھواتے اور بھیجتے رہے۔

## بڑے بھائیوں کی خدمت

مولانا فریدی کے سب سے بڑے بھائی تحسین احمد تقریباً بیس سال کی عمر میں مجذوب ہو گئے تھے اور اس حال میں ستّر برس سے زیادہ زندہ رہے شروع زمانے میں تو صحرا کی طرف نکل جاتے تھے اور کئی کئی دن گھر والے پریشان رہتے تھے پھر وہ زمانہ آیا کہ گھر میں خاموش لیٹے رہتے تھے، اور بہت ہی کم کسی سے بات کرتے تھے، جذب اور گہرا ہوا تو لباس کا بھی ہوش نہ رہا، اپنے کپڑے خود تار تار کرتے رہتے تھے اور کبھی بول و براز بھی کپڑوں ہی میں کر لیتے تھے، مگر عجیب بات یہ ہے کہ اُن کے قریب جا کر کبھی کسی کو بدبو کا احساس نہ ہوتا تھا، نہ وہ کبھی بیمار ہوئے، نہ کوئی دوا استعمال کی، نہ غذا میں کسی طرح کی نفاست کا کوئی لحاظ تھا مگر نوّے سال کی عمر میں بھی بچوں کی طرح بھاگ سکتے تھے، مولانا فریدی نے ۴۰ سال تک انکے کھانے کپڑے کا، نہانے دھونے اور دوسری ضروریات کا ایسا خیال رکھا کہ صرف یہی مجاہدہ

کسی شخص کو ولایت و قطبیت کے اعلیٰ ترین مدارج تک پہونچانے کیلئے کافی ہو سکتا ہے۔
جب اُن کا انتقال ہوا تو مولانا فریدی علی گڑھ میں پروفیسر خلیق نظامی کے گھر پر تھے، ایک دن صبح کی نماز کے بعد کہنے لگے میں امروہہ ابھی جاؤں گا۔ نظامی صاحب نے کہا کہ گاڑی آجائے وہ آپ کو اسٹیشن تک پہونچا دے گی۔ فرمایا نہیں شکیل احمد مجھے سائیکل پر بٹھا کر اسٹیشن پہونچا دیں گے میزبان کو ناگوار بھی ہوا ہو گا کہ یہ ایسی ضد کر کے اور عجلت میں تکلیف اُٹھاتے ہوئے جا رہے ہیں، مگر اُن کے جانے کے بعد امروہہ سے ٹیلیفون آیا کہ تحسین احمد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ بتایا گیا کہ مولانا فریدی آج ہی روانہ ہوئے ہیں، یہ امروہہ پہونچے تو اپنے بڑے بھائی کے پیروں سے لپٹ کر بچوں کی طرح روئے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ بڑے بھائی کی وجہ سے مرتے دم تک بہت ہی غم زدہ تھیں اور یہ سوچتی تھیں کہ ان کی زندگی کیسے گزرے گی۔

## مدرسہ بریلی سے استعفا

جائداد اب تھوڑی سی رہ گئی تھی، اور وہ بھی مقدمات میں الجھی ہوئی تھی، گاؤں والوں کی اکثریت جاٹوں پر مشتمل تھی انھوں نے یہ ستم کیا کہ ایک رات کو دس بارہ جاٹ لاٹھیاں وغیرہ لے کر ڈیرے پر چڑھ آئے اور میرے والد مولوی تسلیم احمد پر حملہ آور ہوئے خدا جانے ان کے دماغ پر کوئی شدید ضرب آئی یا خوف کا غلبہ ہوا، وہ بدشواری تمام وہاں سے نکلے اور اسٹیشن پہونچ کر ریل میں بیٹھ گئے کئی دن تک ریل میں اِدھر اُدھر سفر کرتے ہوئے اپنی بہن کے پاس میرٹھ پہونچ گئے۔ اُن کا دماغی توازن بھی اب صحیح نہ رہا تھا۔ یہ ۱۹۴۲ء کی بات ہے اور ان کا انتقال ۴ جنوری ۱۹۸۷ء کو ہوا ۴۵ سال تک وہ اسی دیوانگی کی حالت میں رہے میری عمر اُس وقت سات سال تھی دوسرا بھائی چار سال کا اور چھوٹا ایک ڈیڑھ سال کا تھا۔ جائداد کا اب دیکھنے والا کوئی نہ رہا، آمدنی مسدود ہو گئی، اور مسائل کے پہاڑ سامنے کھڑے تھے، مولانا فریدی اپنی بریلی کی ملازمت سے استعفا دے کر امروہہ آگئے تاکہ اپنے دو فاترالعقل بھائیوں اور تین کم سن بھتیجوں کی دیکھ بھال کر سکیں۔ اگر وہ کوئی امیر یا دنیوی وسائل رکھنے والے انسان ہوتے تو اتنی اچنبھے کی بات شاید نہ ہوتی لیکن اب یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے جس محبت اور شفقت سے ہماری پرورش کی اُس میں سوائے غیر معمولی مومنانہ صفات کے اور کوئی سرمایہ نہ تھا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کے لئے

خود کو فنا کر دیا۔ میں نہیں جانتا کہ اِس کی کوئی دوسری مثال مل سکتی ہے۔ اُسی زمانے میں مظفر نگر کے علاقے میں وہ کسی بزرگ کی خدمت میں گئے اور اُن سے کہا کہ میرے ایک بھائی دیوانے ہوگئے ہیں، اُن کی صحت یابی کے لئے دعا کر دیجئے۔ اُن بزرگ نے جواب دیا کہ "حضرت بابا فریدؒ نے ایک دنیا کو اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے، اگر اُن کی اولاد میں بھی ایک دیوانہ ہو گیا تو کیا ہوا؟" یہ واقعہ سنا کر مولانا فریدی مسکرائے اور فرمایا دیکھو انھوں نے کیا جواب دیا۔

## مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں

جامع مسجد امروہہ کا مدرسہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے شاگرد رشید مولانا احمد حسن محدث علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۳۳۰ھ) کا قائم کیا ہوا ہے اسکی مالی حالت اُن دنوں زیادہ مضبوط نہ تھی، عام اسلامی مدارس کی طرح عطیات ہی سے چلتا تھا ۱۹۴۷ء کے بعد ایک دو سال تو بہت تنگی ترشی کے گزرے مولانا فریدی کی تنخواہ شاید ۲۵ یا ۳۰ روپیہ ماہوار شروع میں تھی، جب اضافے کا موقع آتا تھا تو وہ خود ہی فرما دیتے تھے کہ میری تنخواہ کافی ہے اضافے کی ضرورت نہیں۔ دفتر اہتمام نے خود ہی کبھی اضافہ کر دیا تو کر دیا جب مدرسے میں عطیات آتے اور تنخواہیں تقسیم ہوتیں تو مولانا فریدی چاہتے تھے کہ پہلے دوسرے اساتذہ کو تنخواہیں دے دی جائیں اور گنجائش ہو تو پھر اُنکو بھی دی جائے۔ عموماً وہ اپنی مختصر سی تنخواہ بھی قسطوں میں وصول کرتے تھے کبھی دس روپئے طلب کر لئے کبھی پانچ روپئے لے لئے تاکہ مدرسہ کے دوسرے خرچ بھی پورے ہوتے رہیں، وہ اکثر اپنے عزیزوں، ملنے والوں اور عقیدتمندوں سے بھی مدرسے کی امداد کراتے رہتے تھے، ایک بار دفتر اہتمام نے ان سے درخواست کی کہ وہ مدرسے کے لئے سفیر بن کر چلے جائیں، انھوں نے بھی حالات دیکھ کر منظور کر لیا۔ عطیات میں مصارف سفر کے علاوہ بھی سفراء کا "حق معلوم" ہوتا ہے، مولانا فریدی نے جو کچھ عطیات وصول کئے وہ سب پائی پائی لاکر دفتر میں جمع کر دی اپنا حق بھی نہیں لیا اور مصارف سفر بھی خود ہی برداشت کئے مگر آئندہ کے لئے معذرت کر لی۔

طلبہ سے اور اسلامی مدارس سے انھیں جو تعلق تھا اُسے بے تکلف "عشق" کہا جا سکتا ہے۔ طالب علم کی نہایت قدر اور عزت کرتے تھے اور اُسے ہر آرام پہونچانے کی سعی کرتے تھے، اپنے ساتھ کھانا کھلاتے، چائے پلاتے، حد یہ کہ اطبا اُن کے لئے کوئی خمیرہ یا شربت بنا کر

بھیجے تو استعمال کے وقت جو طالب علم موجود ہوتا ایک خوراک اس کو بھی چکھا دیتے تھے، شعبان میں سالانہ امتحان سے پہلے طلبہ کو مسجد میں اضافی درس دیتے تھے اور یہ برسوں معمول رہا، تمام شمالی ہندوستان کے دینی مدارس اور مکاتب کے سفراء کے لئے اُن کی مسجد ایک ہیڈکوارٹر بنی ہوئی تھی، ہر مدرسے کو خود بھی عطیہ دیتے تھے اور شہر کے ذی استطاعت حضرات سے بھی دلاتے تھے صرف انکے توسط سے ہزاروں روپیہ دوسرے مدارس میں بھی بطور عطیہ پہونچتا تھا۔

## منصبِ افتاء

مدرسہ جامع مسجد میں جب تک درس دیتے رہے، افتاء کا منصب بھی انکے پاس تھا، جتنے فتوے طلب کئے جاتے تھے سب کا جواب انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ اور ضرورت ہوتو کئی کئی کتابیں دیکھ کر اور غور و فکر کرکے لکھتے تھے، اُن کا حساب اچھا تھا اس لئے فرائض کا کام بھی وہی انجام دیتے تھے۔ شہر اور مضافات کے سب لوگ ان کے فتوے کا بہت احترام کرتے تھے اس لئے کہ سب جانتے تھے یہ بے نفس، بے لوث اور کھرے انسان ہیں کسی سے لگی لپٹی نہیں رکھتے۔ شاید کسی ہائی کورٹ کے جج نے بھی اتنے مقدمات کا فیصلہ نہ کیا ہوگا جتنے مقدمات و مسائل مولانا فریدی نے مسجد کی چٹائی پر بیٹھ کر نمٹا دیئے۔ دونوں فریق لڑتے ہوئے کف در دہاں آتے تھے مولانا فریدی پہلے ایک کو بلاتے اس کی پوری کتھا ایسی توجہ اور دلچسپی سے سنتے جیسے اُنھیں اُس کے ساتھ پوری ہمدردی ہے پھر اسے رخصت کرکے دوسرے فریق کو بلاتے اور اس سے بھی ساری کتھا سنتے تھے، دونوں کے بیانوں اور ثبوتوں کی روشنی میں مسئلے کی حقیقت واضح ہو جاتی تھی اور ان کے فیصلے عموماً دونوں فریق خوش دلی سے قبول کر لیتے تھے۔ خدا جانے کتنے گھر انھوں نے بسا دیئے، کتنے مسلمانوں کو عدالت میں گھسٹنے سے بچا لیا اور کتنے خاندانوں کی پرانی عداوتوں کو ہمیشہ کے لئے دفن کرا دیا۔ امروہہ کے عوام میں ایک اصطلاح تھی کہ اچھا تو یہ فیصلہ اب "سپریم کورٹ" میں ہوگا اور اس سے مراد مولانا فریدی کی عدالت ہوتی تھی۔ امروہہ میں بہت سے علماء ہوئے ہیں اور اپنے اپنے میدانوں میں سب کے کارنامے منفرد ہیں مگر مولانا فریدی کی نظیر ملنا دشوار ہے، ایک تو یہ کہ وہ صرف قلم کے دھنی نہیں تھے محض زبانی وعظ بھی نہیں کرتے تھے، سراپا حرکت و عمل تھے اور اپنی معذوری کے باوجود ایسے ایسے کوردہ میں چلے جاتے تھے، جہاں کوئی جانا پسند نہ کرے گا،

اور عوام کے ہر طبقے میں اُن کی مقبولیت یکساں تھی۔ بالکل بے پڑھے لکھے گنوار اور کندۂ ناتراش لوگوں سے بھی وہ اس طرح ملتے تھے کہ اپنے علم و فضل یا بزرگی یا شہرت یا کسی اور طرح کی برتری کا اظہار کیا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا۔

## بے نفسی اور سادگی

مولانا فریدی بے نفسی اور فنائیت کی سچی تصویر تھے۔ لباس میں، کھانے پینے میں، کسی چیز میں کسی طرح کا تکلف یا اہتمام نہ تھا، اکثر صرف کُرتے اور تہبند میں ہی شہر اور دیہات کے گشت پر چلے جاتے تھے ورنہ ایک کُرتہ اور ایک پاجامہ، ایک ٹوپی اور ایک جوڑی چپل اُن کی کل کائنات تھی۔ لباس میں اکثر پیوند بھی لگا لیا کرتے تھے انھیں اس سے غرض نہ تھی کہ یہ پیوند بھدا لگے گا یا کپڑا دوسری قسم کا ہے۔ اکثر میری والدہ یا پھوپھی مرحومہ اُن کیلئے ایک دو جوڑے کپڑے سی کر بھیج دیتی تھیں اگر ان کے پاس جو لباس ہے وہ اس لائق ہوتا کہ دس پندرہ دن اور چل جائے تو نیا جوڑا کسی ضرورت مند کو، عموماً کسی طالب علم کو دے دیتے تھے۔ اُن کے سامان میں ایسا کوئی بکس یا صندوق نہ تھا جسے "کپڑوں کا صندوق" کہا جاسکے۔ جو صندوق تھے اُن میں بھی کاغذ اور کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ انسان کو روزمرہ کی ضرورت کے لئے بیسیوں اشیاء درکار ہیں، اُنکے سامان میں نہ کوئی برتن تھا، نہ بستر تھا، بس وضو اور طہارت کے لئے دو لوٹے تھے پچھلی رات کو اُٹھ کر وضو کر کے تہجد پڑھتے تھے، پھر کچھ ذکر و شغل ہوتا تھا، فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لئے سو جاتے تھے۔ آٹھ بجے کے قریب ناشتہ کرتے تھے، عموماً باسی روٹی کھا لیتے تھے کبھی بسکٹ اور چائے بازار سے منگا کر خود بھی ناشتہ کرتے اور حاضر الوقت حضرات کی ضیافت بھی اُسی سے ہو جاتی تھی مسجد کی چٹائی ہی اُن کا بستر تھا گرمیوں میں فرش کو پانی ڈال کر ٹھنڈا کر لیا جاتا تھا جاڑوں میں ایک گدا نیچے بچھا لیتے تھے ایک چھوٹا سا گاؤ تکیہ تھا اُس پر سر رکھ کر لیٹ رہتے تھے۔

## خالص ترک

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا کہ مجھے پہلے بھی دنیا جمع کرنے کی رغبت نہ تھی، اور پھر میرا پیوند ایسی جگہ ہوا کہ باباصاحبؒ کی نظر میں دونوں عالم ہیچ تھے خالص ترک

تھا، اس خالص ترک" کا مفہوم مولانا فریدیؒ کو دیکھ کر سمجھ میں آسکتا تھا وہ ترک و تجرید و تفرید کا ایک نادرِ روزگار نمونہ تھے، حضرت بابا فرید گنج شکر کا بھی یہ حال تھا کہ کبھی کبھی وقت فاقہ ہوجاتا تھا، اور کریہ کے پھل اُبال کر کھائے جاتے تو اُن میں نمک بھی نہ ہوتا تھا، مگر داد و دہش کا یہ عالم تھا کہ جو بھی ان کی خانقاہ میں آتا تھا اُسے کچھ نہ کچھ ضرور دیا جاتا تھا۔ مولانا فریدیؒ کا بھی ایسا ہی معاملہ تھا کتنی بیوائیں اور غریب لوگ اور طالب علم ایسے تھے جن کی وہ برابر مدد کرتے تھے اور دوسروں سے بھی اُن کو کچھ نہ کچھ دلاتے رہتے تھے، ایک بڑے نامی گرامی خاندان کی بیوہ تھیں جن کے حالات اب ناگفتہ بہ ہوگئے تھے، وہ اپنا حال مولانا فریدی کو لکھا کرتی تھیں اور یہ پابندی سے ان کو کچھ نہ کچھ بھیجتے رہتے تھے۔ انتقال سے چند روز قبل بھی اُن کو منی آرڈر بھجوایا۔ جو طالب علم امروہہ سے فارغ ہوکر جاچکے تھے ان کی بھی خیر خبر رکھتے تھے اور ان میں سے جس کی حالت خستہ ہوتی تھی اُسے منی آرڈر سے کچھ روپیہ بھیجتے رہتے تھے۔ مولانا کے ایک عزیز نے اُن کے مرض الموت کے زمانے میں پانچ سو روپئے بطور نذر بھیجے وہ انھوں نے چند پرانے طالب علموں کو بھجوا دیئے غالباً یہ خیال کیا کہ میرے انتقال کی اطلاع پاکر وہ امروہہ آنے کو تڑپیں گے اور تنگدستی کی وجہ سے آنہ سکیں گے اس لئے اُن کا زادِ راہ پہلے ہی روانہ کردیا۔

قناعت اور توکل اور غنائے نفس کا مفہوم بھی مولانا فریدیؒ کی ذات میں مجسم ہوگیا تھا انھیں کبھی کسی چیز کی خواہش کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، نہ کسی چیز کے نہ ہونے پر مغموم پایا گیا، پیسہ اگر پاس ہوا تو کبھی ایک لمحے کے لئے یہ خیال نہ کرتے تھے کہ اس کی ضرورت کل کو بھی ہوسکتی ہے۔ صرف ایک مد ایسی تھی جس میں وہ بے دریغ خرچ کرتے تھے اور اُس کے لئے بعض اوقات کسی سے قرض بھی لے لیتے تھے یعنی کتابوں کی خریداری پر اپنی حیثیت اور مالی استطاعت سے زیادہ خرچ کرتے تھے جس زمانے میں مدرسہ جامع مسجد میں درس دیتے تھے دوپہر کو کھانا کھانے کے لئے میری والدہ کے پاس محلہ قریشیان میں آتے تھے، راستے میں ایک دو دکانیں پڑتی تھیں جن پر کبھی کوئی پرانی کتاب بھی نظر آجاتی تھی، جیب میں جو دو چار روپئے ہوتے وہ دے کر کوئی نہ کوئی کتاب لئے ہوئے آتے تھے۔ میرے نانا حضرت شاہ سلیمان احمد چشتی علیہ الرحمہ (سجادہ نشین پنجم حضرت شاہ عبدالہادی و خواجہ شاہ عبدالباری قدس سرہما) کے کتب خانے کی بہت سی کتابیں چوری ہوگئیں، اور اُن میں سے بعض کتابیں مولانا فریدیؒ کو ردی میں یا

کباڑیوں یا یہاں سے خرید کر لاتے اور نانا صاحب کو دے دیتے تھے۔

## کتابوں سے عشق

محلے کے ایک بچے کو جو یتیم تھا اور دماغی طور پر ماؤف' یہ سنک تھی کہ کتابوں کو ضائع کرتا تھا، مولانا فریدیؒ جب اپنے گھر میں طہارت کیلئے یا کسی اور ضرورت سے داخل ہونے تو یہ انکے پیچھے دبے پاؤں چپکے سے گھر میں آکر بند ہو جاتا تھا اور کتابیں اٹھا کر چھت پرلے جاتا وہاں بیٹھا انھیں پھاڑتا رہتا تھا، اس طرح اُس نے سیکڑوں نادر کتابیں تباہ کر دیں مولانا فریدیؒ کو اگر دنیا میں کسی چیز سے واقعی اور گہرا تعلق تھا تو کتابوں ہی سے تھا، انھیں اس کا کتنا صدمہ ہوا ہوگا اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا مگر صرف اس لئے برداشت کر لیتے تھے کہ وہ معذور ہے اور یتیم ہے۔

اسی طرح انھوں نے اپنی کتابیں دوسروں کو پڑھنے کے لئے دیں تو بہت سے لوگوں نے واپس نہ کیں مگر وہ کسی بھی موضوع پر کام کرنے والوں کی ہر طرح امداد کرتے تھے اور اپنے پاس جو کچھ مواد ہوتا تھا، وہ اُس کے حوالے کر دیتے تھے۔

## مطالعہ کتب

جب تک بینائی نے ساتھ دیا وہ عشا کی نماز کے بعد لالٹین سرہانے رکھ کر اس کی مدھم روشنی میں دیر تک مطالعہ کیا کرتے تھے اسی سبب سے بینائی کمزور ہوتی گئی، انھیں رتوندھ بچپن سے آتا تھا اور اس کا سبب یہ کہ بچپن میں غذا بھرپور نہیں ملی وٹامن اے کی کمی رہ گئی، رات کو لالٹین یا ٹارچ ہاتھ میں لے کر چلا کرتے تھے۔ ۱۹۷۰ء میں علی گڑھ جا کر ایک آنکھ کا آپریشن کرایا اور وہ ناکام ہو گیا، ناکامی کے تین اسباب تھے: ایک تو جن لوگوں کو رتوندہ آتا ہے اُن کا آپریشن دشوار ہوتا ہے اور بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے' دوسرے مولانا نماز نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ سجدے کی حالت میں سارا دوران خون آنکھوں کی طرف ہو جاتا ہے' آپریشن کے بعد یہ بات سخت مضر ہے مگر انھوں نے اس کی بھی پروا نہیں کی اور حسب معمول اپنے رب کے حضور میں سجدہ ریزی کرتے رہے۔ تیسرے یہ کہ ڈاکٹر نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ کچھ نہ پڑھیں ورنہ آپریشن خراب ہو جائے گا، مگر مولانا فریدیؒ بغیر مطالعہ کئے نہیں رہ سکتے تھے' ایک بار دیکھا

گیا کہ وہ چادر کے اندر چھپ کر ٹارچ کی مدد سے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ایسے میں بھلا آپریشن کیا کامیاب ہوتا! مولانا فریدیؒ کے انتقال پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تعزیتی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ نے بالکل صحیح فرمایا تھا کہ "مولانا فریدی کو علم سے وہی تعلق تھا جو مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے۔"

## کتابوں کی کھوج

اُن میں تحقیق کا مادّہ فطری تھا، ہر بات کی کھوج خوب کرتے تھے، اور ایک لفظ کی تحقیق کے لئے میلوں کا سفر کرتے چلے جاتے تھے۔ اُنھوں نے سیکڑوں قصبوں اور دیہاتوں کے کتب خانوں اور ذاتی ذخیروں کو بھی کھنگال ڈالا تھا، اور ایسی جگہ سے کتاب نکال کر لاتے تھے، جہاں سان گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ میرٹھ، موانہ، کھتولی، پھلت، پھلاودہ، نانوتہ، گنگوہ، سہارنپور، رامپور منہیاران، مرادآباد، رامپور، سیتاپور، لاہرپور، خیرآباد، لکھنؤ، چاندپور، گلاوٹھی، خورجہ اور خدا جانے کہاں کہاں وہ کتابوں کی تلاش میں گھومے ہیں اور کیسے کیسے گوہر آبدار نکال کر لائے ہیں۔ کتاب خانوں کے مالک بھی اُن کی سادہ و بے ریا شخصیت کو دیکھ کر متاثر ہوتے تھے اور عموماً انھیں کتابیں دیکھنے بلکہ گھر لے جانے کی اجازت بھی دے دیتے تھے، رمضان میں چند روز کیلئے رامپور جاتے تھے وہاں قاضی شہر کا قدیم اور قابلِ قدر کتب خانہ ہے، قاضی صاحب ہر شخص کو کتابیں نہیں دکھاتے تھے مگر انھیں اپنے کتب خانے کی چابیاں دے دیتے تھے، اور یہ فجر کی نماز کے بعد سے ظہر تک اور کبھی عصر تک اُنکے کتب خانے میں بیٹھے مطالعہ کرتے رہتے تھے۔

## مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلویؒ

غالباً ۱۹۴۷ء کا قصّہ ہے چاندپور کے ایک بنیے نے ہماری جائداد کا کچھ حصہ خرید لیا تھا یا کچھ اور بات تھی، مولانا فریدیؒ اُس سے ملنے کیلئے چاندپور گئے، اُس وقت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ بقیدِ حیات تھے، اُن سے ملے اور اُن کا کتب خانہ دیکھا، اسی میں ایک قلمی کتاب ملی جسکے دو حصے تھے، پہلے حصے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے وہ خطوط تھے جو شاہ محمد عاشق پھلتی کے فرزند شاہ عبدالرحمٰن پھلتی نے جمع کئے تھے اور دوسرے حصے میں وہ مکتوبات تھے جو اپنے بیٹے کے وفات پانے کے بعد خود شاہ محمد عاشق نے فراہم کئے تھے، یہ ایک نایاب مجموعہ تھا جس کا

کوئی دوسرا نسخہ تاحال معلوم نہیں ہے، مولانا فریدیؒ نے اس وقت تو اس کا مطالعہ کیا اور کچھ نوٹ سرسری طور پر لئے، پھر مولانا چاند پوری کے انتقال کے بعد انکے لائق فرزند نے یہ نسخہ مولانا فریدیؒ کو گھر لے جاکر نقل کرنے کیلئے دے دیا یہ ذرا بدخط اور مغشوش بھی تھا اسے پڑھنے اور صحیح نقل کرنے کیلئے بہت محنت کی ضرورت تھی، مولانا فریدی مدرسے سے آکر ظہر کی نماز کے بعد اپنے گھر میں بند ہو کر زمین میں بیٹھتے تھے اور اسے نقل کیا کرتے تھے، سخت گرمی کا موسم تھا اور گھر میں بجلی پنکھا کچھ نہ تھا، ہوا بھی وہاں گذر نہ کرتی تھی مگر یہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اس کے ایک ایک لفظ کو صحت کے ساتھ لکھنے میں محو رہتے تھے، اور اتنا پسینہ آتا تھا کہ کبھی وہ جگہ بھی تر ہو جاتی تھی جہاں بیٹھے ہوتے تھے، اس طرح انھوں نے یہ مسودہ پورا نقل کیا، اس میں جو خطوط سیاسی موضوعات پر تھے وہ مع اردو ترجمہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کو دے دیئے جنھوں نے اپنے مقدمہ و حواشی کے ساتھ انھیں "شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات" کے نام سے چھپوایا، باقی مکتوبات چار سو سے زائد وہ ہیں جو علمی و دینی موضوعات پر ہیں، بصارت کے معذور ہو چکنے کے باوجود مولانا فریدیؒ نے انھیں پڑھوا کر ایک ایک لفظ سنا بار بار غور کرکے متن کی پوری صحت کی پھر ان کا نہایت سلیس اور شگفتہ ترجمہ املا کرایا، تمام مکتوب الیہم کے حالات جمع کرکے لکھوائے اور مکتوبات میں جو ایسے مواقع آئے جن کی تشریح کی ضرورت تھی اُن پر حواشی لکھوائے، یہ سب چار جلدوں کا مواد ہو گیا۔ اسکی طباعت و اشاعت کے لئے حکیم عبدالحمید صاحب (ہمدرد) سے بات ہوئی تھی اور انھوں نے اشاعت کا ذمہ لیا تھا مگر کسی نہ کسی وجہ سے اس میں تاخیر ہوتی رہی اور مولانا فریدی کو آخر وقت تک اگر کسی بات کی حسرت رہی تو یہی تھی کہ وہ ان مکتوبات کو کتابی صورت میں چھپا ہوا دیکھ لیتے۔ مگر خود فرماتے تھے کہ "انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوا کرتی"۔ اب ان خطوط کو شائع کرانے کی ذمہ داری اس ناچیز پر آپڑی ہے، اللہ تعالےٰ توفیق عطا فرمائے کہ میں انکی اس آخری خواہش کی تکمیل کا ذریعہ بن سکوں۔ وَمَا ھُوَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔

## خصوصی موضوعات

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور اُن کے خاندان کے باکمال حضرات سے بھی مولانا فریدیؒ کو خصوصی قلبی تعلق تھا اور اس موضوع پر جتنا کام انھوں نے کیا ہے وہ برصغیر میں اور کسی نے نہیں کیا۔ اُن کے اختصاصی موضوعات تھے اکابر دیوبند، حضرت مجدد الف ثانیؒ

اور ان کے نامور اخلاف حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور اُن کا خاندان حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور انکی تحریک جہاد۔ مطالعہ و تحقیق میں مولانا فریدی کے علمی اسفار کے علاوہ انکی غیر معمولی قوت حافظہ کو بھی بڑا دخل تھا۔ اُن کے ہوش و حواس اور قوت حافظہ آخری لمحہ تک درست رہی۔ اُن سے ملنے کیلئے ہزاروں انسان آتے تھے، دوسرے شہروں سے پوری پوری جماعتیں آتی تھیں، بعض حضرات سال دو سال کے بعد ملتے تھے، مگر کمال یہ تھا کہ مولانا صرف "السلام علیکم" سن کر آواز سے پہچان لیتے تھے، کبھی نام دریافت فرما لیتے اور نام سے سمجھ جاتے تھے، اس سے زیادہ تحقیق کی ضرورت شاذ ہی پیش آتی تھی بعض کتابیں انھوں نے برسوں پہلے کبھی پڑھی تھیں مگر حافظے میں یہ محفوظ تھا کہ اُس میں کیا لکھا ہے، ایک بار انھوں نے کسی بات کا تذکرہ "انوار العیون" کے حوالے سے کیا، میں نے اسی زمانے میں وہ کتاب پڑھی تھی، عرض کیا کہ اُس میں تو یہ بات نہیں ہے، نہایت میٹھے لہجے میں فرمایا، "اب پھر دیکھنا"۔ دیکھا تو واقعی اُس میں وہی لکھا تھا جو مولانا نے فرمایا تھا کبھی پنسل سے کبھی قلم سے دوران مطالعہ نوٹس بھی لکھتے رہتے تھے ایسے سیکڑوں پرزے انکے کاغذوں میں محفوظ ہیں۔ مطالعے میں انکی نظر مسائل کی جزئیات پر بہت گہری ہوتی تھی، اور مختلف کتابوں کے مطالعے سے نتائج کا استنباط خوب کرتے تھے۔ تحریر میں احتیاط بھی بہت تھی کوئی ایسا لفظ نہ لکھتے تھے جس میں تاویل کی گنجائش رہ جائے، ترجمہ و تلخیص کے وقت اختلافی مسائل کو یا ایسی باتوں کو جن سے عوام میں فتنہ یا غلط فہمی پیدا ہو حذف بھی کر دیتے تھے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مکتوبات میں انھوں نے بعض عبارتوں کا ترجمہ یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ ان باتوں کو عوام نہیں سمجھیں گے۔

## عقائد اور مسلک

اپنے عقائد اور مسلک میں وہ پوری طرح علمائے دیوبند کے پیرو تھے، مگر عقائد میں کسی سے الجھتے نہ تھے اور دوسروں کی باتوں کو بھی پورے تحمل سے سنتے تھے ایسی کوئی بات نہ کہتے تھے، جس سے کسی کی دل آزاری ہو، البتہ اگر کوئی مخالف مسلک کا آدمی عوام میں فتنہ پھیلاتا تھا تو اس کا جم کر مقابلہ کرتے تھے، اور اس کام کے لئے سفر کی مشقتیں بھی خوب اٹھاتے تھے۔

میرے نانا ابا حضرت شاہ سلیمان احمدؒ حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ کے شاگرد تھے اور جامع مسجد کے مدرسہ سے ہی فراغت کی سند حاصل کی تھی، مگر بعض مسائل میں

وہ اختلاف رکھتے تھے، مولانا فریدیؒ روزدوپہر کو کھانا کھانے آتے تھے تو کبھی نانا صاحب انکے پاس آکر بیٹھ جاتے اور کسی اختلافی مسئلے پر گفتگو شروع کردیتے۔ مولانا فریدیؒ ان کا بے حد احترام کرتے تھے، میری والدہ کہتی بھی تھیں کہ اُن سے کھانے کے وقت ایسی باتیں نہ چھیڑا کریں ممکن ہے ناگوار ہو، مگر مولانا فریدیؒ نے کبھی ذرّہ بھر کسی ناگواری کا اظہار نہیں کیا، نہایت ادب اور احترام سے اُن کی باتیں سنتے تھے، اور کبھی بہت ہی اختصار کے ساتھ کوئی جواب دے دیتے تھے۔ مولانا فریدیؒ کے جانے کے بعد اکثر نانا صاحب میری والدہ سے فرماتے تھے: "تمہارے خاندان میں یہ ایک فرشتہ پیدا ہوگیا ہے" کبھی مجھ سے یوں فرماتے تھے: "یہ ایک عجیب و غریب چیز پیدا ہوگئی ہے اس کی قدر کرتے رہنا" (اور لفظ عجیب و غریب کو خاص طور پر زور دے کر کہتے تھے۔)

مولانا فریدیؒ میرے اکثر مضامین پڑھوا کر سنتے تھے اور اُن میں کوئی لفظ بھی اگر نادرست ہوتا تو اُسے یاد رکھتے تھے ملاقات ہونے پر اسکی طرف توجہ دلاتے تھے، بعض مضامین میں کوئی بات مرحوم انکے عقائد کے خلاف ہوتی تھی مگر اُس پر کبھی مجھ سے مواخذہ نہیں کیا، میں کبھی کبھی اتنی گستاخی کرتا تھا کہ ان سے اختلاف کرکے اپنی دلیلیں پیش کرتا تو بہت محبت سے مسکرا کر سنتے رہتے تھے۔

## علمائے دیوبند سے تعلق

انتقال سے چند ماہ پیشتر شہر کے ایک وکیل صاحب انکی عیادت کیلئے آئے اور کچھ سیاسی گفتگو کرتے رہے اسی میں انھوں نے جمعیۃ العلماء کے سیاسی کردار پر سخت الفاظ میں نکتہ چینی کی مولانا فریدیؒ یہ برداشت نہیں کرسکتے تھے کہ انکے سامنے کوئی علمائے دیوبند کی بیجا مذمت کرے اس وقت بیمار بھی تھے، مولانا کو مزید تکلیف پہنچ گئی، اور دل و دماغ پر اتنا بوجھ پڑا کہ شدید بخار ہوگیا، کئی دن تک بخار چڑھا رہا، میں حاضر خدمت ہوا تو بتایا کہ فلاں وکیل صاحب نے ایسا کہا اسکی مجھے اتنی ناگواری ہوئی کہ بخار آگیا۔ میں نے کہا کہ آپ کو دوسروں کے عقائد اور مسلک کا اتنا اثر نہیں لینا چاہئے پوری تاریخ اسلام میں کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا جب امت کسی ایک سیاسی مسلک پر متفق ہوگئی ہو ہمیں صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہم تو غلطی پر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو بدترین کافروں منکروں اور مشرکوں کو بھی چھوٹ دے رکھی ہے۔ یہ باتیں سن کر اُن کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔

انکی وجہ سے جمعیۃ العلماء کو امروہہ اور اُسکے آس پاس علاقوں میں ہمیشہ بہت تقویت حاصل رہی اس کا ہر کام بڑی لگن اور جاں فشانی سے کرتے تھے، اسی طرح تبلیغی جماعت کے

وہ نہایت سرگرم فعال اور مخلص کارکن تھے۔ ۱۹۴۷ء سے وفات تک تقریباً ۴۴ سال امیر جماعت رہے سیکڑوں جماعتیں بنا بنا کر دور و نزدیک بھیجتے تھے اور اکثر خود بھی جاتے تھے انھوں نے نوجوانوں میں دین کا عجیب خاموش درد پیدا کر دیا تھا اور حیرت یہ ہے کہ نوجوان خاص طور پر انگریزی مدارس کے تعلیم یافتہ نوجوان انکی طرف بہت کھنچتے تھے، اور ہر شخص پہلی ہی ملاقات میں گرویدہ ہو جاتا تھا۔ انھوں نے بے شمار مسجدوں کو آباد کرایا، چھوٹے چھوٹے دیہات میں جہاں مسجد نہ تھی مسجد تعمیر کروائی اور مسجد تھی تو اُس میں مدرسہ شروع کرایا آج کتنے ہی مدارس ایسے ہیں جو مولانا فریدی کے قائم کئے ہوئے بہت کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ دیہاتیوں کے سامنے ایسی پُر اثر تقریر کرتے تھے جس میں علمیت کا بوجھ بالکل نہ ہوتا تھا، اور بات دل میں پیوست ہو جاتی تھی۔

۱۹۶۸ء میں میں مولانا کے ساتھ حیدرآباد جا رہا تھا، ریل میں کھڑکی کے پاس بیٹھے تھے میوات کے علاقے میں کہیں جنگل میں گاڑی رک گئی وہاں پندرہ بیس آدمی پیدل جا رہے تھے انھوں نے دور سے مولانا فریدی کو دیکھ لیا اور ریل کے پاس آکر اُن سے باتیں کرنے لگے سب کو حیرت تھی کہ یہاں جنگل میں بھی انکے چاہنے والے نکل آئے۔ نماز پڑھنے کیلئے کچھ دیر تک تحری کرتے رہے قبلے کا صحیح اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا حیدرآباد پہونچ کر پہلا کام یہ کیا کہ ایک قطب نما منگوایا اور اُسے واپسی کے سفر میں اپنے ساتھ رکھا۔

## معمولات

مولانا فریدی کے کچھ معمولات تو روزمرہ کے تھے جو تہجد کے وقت سے شروع ہوتے تھے اور رات کو گیارہ بارہ بجے تک لوگوں کی آمد کا سلسلہ رہتا تھا، مگر ذکر یا تسبیح وغیرہ وہ کسی کے سامنے نہ پڑھتے تھے مراقبہ بھی کرتے تھے تو اپنے مکان میں بند ہو جاتے تھے۔ ایک بار میں کسی ضرورت سے ان کے پاس گیا میری آواز سن کر دروازہ کھول دیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کا چہرہ تمتما رہا تھا اور آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں، آواز میں ایسی کیفیت تھی گویا نشے میں ہیں اس وقت انھوں نے مجھ سے ایک دو باتیں ایسی کہیں کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور یہ یقین ہو گیا کہ آنکی کشف کی کیفیت بھی بہت بڑھی ہوئی ہے۔ عموماً وہ اپنی کسی بات سے یا کسی ادا سے یہ اظہار نہ ہونے دیتے تھے کہ وہ کوئی ولی اللہ یا درویش یا صاحب باطن انسان ہیں، عام آدمی کا سا برتاؤ رکھتے تھے، ہزاروں آدمی عورتیں اور بچے اُن سے دعا کرانے یا تعویذ لینے آتے تھے تعویذ کسی کو نہ دیتے تھے، اکثر پانی دم کرکے دے دیا

کرتے تھے، اگر کوئی ایسی کیفیت ہوتی تھی جس میں طبی علاج کی ضرورت ہو تو طبیب سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے تھے اور عموماً حکیم عنایت اللہ صاحب کے پاس بھیج دیتے تھے۔ لوگ دعا کی درخواست کرتے تھے تو کبھی یہ نہیں دیکھا کہ انھوں نے کسی کیلئے ہاتھ اٹھا کر اسکے مقصد کی وضاحت کرکے یا اس کا نام لے کر اسکے سامنے ہی دعا کردی ہو، نماز کے بعد خدا جانے اپنے رب سے کیا مانگتے ہوں گے اور کیا پاتے ہونگے، مگر انکے دعا دینے کا انداز مختلف تھا، باتوں باتوں میں دعا دیتے تھے حضرت بابا فریدالدین گنج شکر علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ: "تا چہل سال بندہ مسعود آن کرد کہ خدامی خواست، اکنوں خدا آن می کند کہ بندہ مسعود می خواہد" مولانا فریدیؒ نے بھی اپنی پوری زندگی کو مرضیات الٰہی کے سانچے میں ڈھال دیا تھا، اور اپنی ہر خواہش کو فنا کردیا تھا اس لئے انھیں بھی وہ مقام حاصل ہوگیا تھا کہ

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

قدرت اللہ شہاب نے اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے:۔

"اگر عبادت یا نماز کا مجاہدہ کسی دنیوی غرض سے نہ کیا جائے بلکہ اس ارادے سے کیا جائے کہ بے تکلف افعال صالحہ کا صدور ہونے لگے تو یہی مشقت ہر ہر فعل کی معاون و مددگار ہوجائے گی اور رسوخ کامل کا راستہ وا ہوجائے گا یہی استقامت سب سے بڑی کرامت ہے جس پر اللہ تعالےٰ کی رحمت اور رضا کا سایہ ہر وقت چھایا رہتا ہے۔ ایسے لوگ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں یعنی انکی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں اُن کا ارادہ بھی دعا بن جاتا ہے انکی خواہش بھی دعا ہوتی ہے چونکہ انکی اپنی خواہشات کا دائرہ سمٹ سمٹا کر صفر کے برابر ہوگیا ہوتا ہے اس لئے انکی دعائیں انکے ارادے اور انکی خواہشیں زیادہ تر دوسروں کے لئے ہوتی ہیں جن پر قبولیت کا فضل وارد ہوتا ہے، اپنی ذات کیلئے انکی صرف ایک ہی دعا اور خواہش ہوتی ہے وہ حسن خاتمہ کی ہوتی ہے" (شہاب نامہ ۱۱۷۵ طبع لاہور ۱۹۸۸ء)

## دعا کا اسلوب

مولانا فریدی کے پاس اگر کوئی شخص آتا اور مثلاً کسی مفقود الخبر کے ملنے کی دعا کرنے کو کہتا تو اس کا حال پوچھتے رہتے، اس سے پوری ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار کرتے کب غائب ہوا، کیوں گیا؟ کہاں جا سکتا ہے؟ اس طرح کی باتیں کرتے کرتے اُس سے درمیان میں کہہ دیتے: "اچھا

اللہ مددگار ہے، جب وہ شخص آجائے تو مجھے بھی بتانا" بس یہی دعا ہو گئی، جسے عرف عام میں کرامت کہا جاتا ہے اسکے واقعات اگر جمع کئے جائیں تو بلا مبالغہ ایک پوری کتاب تیار ہو سکتی ہے مگر مولانا فریدی کو اخفائے حال کا اتنا شدید اہتمام تھا کہ ان احوال و کیفیات کو ہر شخص سمجھ بھی نہیں سکتا تھا جس کو کوئی تجلی نظر آگئی وہ پھر ان کا دل و جان سے عقیدت مند ہو جاتا تھا۔

## ہفتہ وار معمولات

انکے کچھ معمولات ہفتہ وار تھے مثلاً ہر جمعرات کو عصر کی نماز جامع مسجد میں ادا کرتے تھے اور پھر عشا کے وقت تک وہاں رہتے تھے اس دوران میں جماعتوں کی تشکیل کر کے انھیں اطراف و جوانب میں روانہ کرتے تھے۔ رات کا کھانا ہمیشہ عشا کی نماز کے بعد کھاتے تھے اور دوپہر کا نماز ظہر سے قبل۔ کھانے میں پرتکلف چیزوں سے مطلق رغبت نہ تھی بلکہ بے دلی سے کھاتے تھے، گھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ مرغ سے قطعاً دلچسپی نہ تھی گوشت تھوڑا بہت کھا لیتے تھے، مگر انکی مرغوب غذا دال چاول تھی اسکے ساتھ پودینے اور ہری مرچ کی چٹنی بڑے شوق سے کھاتے تھے، بیماری کے زمانے میں ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ انھیں چوزے کی یخنی بنا کر پلائی جائے کئی چوزے منگوا کر دور ایک گھر میں رکھوا دیئے گئے تھے اور وہاں سے احسن امیر کا ایک چوزہ ذبح کر کے لے آتے تھے اس کی یخنی کا پانی ایک پیالی میں انکو یہ کہہ کر دیا جاتا تھا کہ یونانی دوا ہے، ذائقہ خراب تھا اس لئے وہ پہچان نہ پاتے تھے، ایک بار نجانے کس طرح انھیں بھنک لگ گئی کہ چوزے کی یخنی دی جا رہی ہے، بہت ناگواری کے ساتھ فرمایا: "میں چوزے کھاؤں گا؟ ہزاروں مفلس انسان ایسے ہیں جنھیں دوا بھی میسر نہیں"۔ بڑی دشواری سے ان کو وہ ایک پیالی پلائی جاتی تھی۔

## سالانہ معمولات

معمول یہ تھا کہ رجب اور شعبان میں جامع مسجد کے طلبہ کو درس دے کر امتحان کی تیاری کراتے تھے، رمضان میں چند روز کیلئے رامپور جاتے اور قاضی شہر کے کتب خانے میں مطالعہ کرتے وہاں سے آکر میرٹھ دیوبند، پھلت، پھلاودہ وغیرہ اطراف کا سفر کرتے اور آخری عشرے میں سہارنپور پہونچ جاتے تھے، جہاں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا علیہ الرحمۃ کی خدمت میں رہتے، شیخ الحدیث ان سے بہت محبت فرماتے تھے۔ دسترخوان بچھتا تو سب سے پہلے

مولانا فریدیؒ اور انکے رفقاء کو آواز دی جاتی تھی حضرت شیخ الحدیث انھیں اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے اور بار بار اپنے دست مبارک سے انھیں کچھ دیتے رہتے، رخصت کرتے وقت بھی شیخ انھیں کچھ نہ کچھ مرحمت فرماتے تھے ایک بار بہت اصرار کر کے دو سو روپئے عنایت فرمائے حضرت شیخ نے خود ہی انھیں اپنی خلافت سے بھی سرفراز فرمایا اور بہت تاکید کی کہ یہ خلافت یونہی نہیں دے رہا ہوں اس کا نفع لوگوں کو پہونچاؤ۔ مگر مولانا فریدی کا ذوق اخفا یہ اجازت نہیں دیتا تھا کہ کسی کو مرید کریں، اپنے اکابر سے اور اُنکی اولاد سے جو تعلق تھا اسکی وجہ سے بھی کسی کو مرید نہ کرتے تھے دوسروں کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے۔ انھیں مولانا فتح محمد میواتی اور مولانا سید مقبول حسن نے بھی بلا طلب خلافت عطا فرما دی تھی موجوالذکر کیلئے تو مولانا فریدی کو یہ کہتے سنا گیا کہ "میں اُن کا معتقد ہوں اور وہ میرے معتقد ہیں"

## ہر طبقہ میں مقبولیت

مولانا فریدیؒ اگر دست بیعت قبول کرتے تو یقیناً انکے لاکھوں مرید ہوتے۔ سارا شہر کیا قرب و جوار کے کئی اضلاع انکے گرویدہ تھے، شہری ہو یا دیہاتی، عالم ہو یا جاہل، مدرسہ اور مسجد سے تعلق رکھنے والا ہو یا کالج اور یونیورسٹی کا ذاکٹر تاجر ہو یا نوکر پیشہ کسان ہو یا اہل حرفہ، جوان ہو یا بچہ، اُن کے عشاق ہر طبقے میں اور ہر جگہ موجود تھے اس کا ہمیں بھی اتنا اندازہ نہ تھا کہ بڑوں پر ایسی حکومت کر رہے ہیں، کچھ اندازہ ہوا تو ان کے جنازے کا جلوس دیکھ کر ہوا جس میں چھ سات سال کے بچے تک شامل تھے ہزار ہا خواتین انکی میت کا دیدار کرنے آئیں کتنے ہی بوڑھے اور اپاہج لوگ دوسروں کے سہارے چل کر انکی میت پر آئے، ہجوم کا یہ عالم ہو گیا کہ جیسے پیر سے جوتا نکل گیا وہ پھر اسے پہن نہیں سکا شہر میں جگہ جگہ چھوٹے ہوئے جوتوں کے ڈھیر لگا دیئے گئے تھے۔

## حج بیت اللہ شریف

خاتمۂ زمینداری کے جو بانڈ ملے تھے ان میں سے اپنے حصے کے بانڈ فروخت کر کے وہ ۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے گئے تھے اس وقت تک کچھ بینائی موجود تھی ارکان حج اور طواف و زیارات کے بعد ان کا باقی وقت مدرسۂ صولتیہ کے کتب خانے میں بسر ہوتا تھا وہاں سے بھی انھوں نے کئی نوادر برآمد کئے، انھیں میں وہ مثنوی مونس مہجوراں بھی تھی جو ...

حضرت حافظ ضامن شہید علیہ الرحمۃ کا حال نظم ہوا ہے' اسے مولانا فریدی ہی نے دریافت کیا تھا، حج سے واپسی میں جو سامان انکے ساتھ تھا اُس میں آب زمزم، کھجور اور چند تسبیحوں کے علاوہ ایک فاؤنٹن پین تھا جو انھوں نے اپنی ضرورت سے خریدا تھا اور ایک اسٹوو تھا جس کی فرمائش میرے ماموں صاحب نے کردی تھی۔

## صدر جمہوریہ سے سند امتیاز

حکومت ہند عربی و فارسی کے اسکالرز کو سند امتیاز دیتی ہے اس کے ساتھ پانچ ہزار روپیہ سالانہ پنشن بھی تاحیات ملتی ہے (یہ اب دس ہزار ہو گئی ہے) مولانا فریدی کے علمی مرتبے کو دیکھتے ہوئے اور یہ خیال کر کے کہ ان کا اب کوئی ذریعۂ آمدنی بھی نہیں ہے مہمانوں کا اور طلبہ کا سلسلہ روز افزوں ہے' میں نے انھیں تو قطعاً بھنک بھی نہیں لگنے دی، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے وائس چانسلر سے اُن کا نام حکومت کو بھجوایا اور ایک خط حکیم عبدالحمید صاحب سے لکھوایا، چنانچہ ۱۹۸۱ء میں ان کو یہ سند امتیاز مل گئی۔ مگر مجھے بہت اندیشہ تھا کہ وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیں گے حسنِ اتفاق سے اُسی سال مولانا محمد رابع حسنی ندوی کو بھی یہ سند ملی تھی میں نے ان کا حوالہ دیا اور بعض دوسرے حضرات سے کہلوایا کہ مولانا اسے قبول کر لیں۔ وزارت تعلیم سے کلکٹر مرادآباد کے نام رقعہ آیا کہ مولانا فریدی کو جا کر مبارکباد دو کہ انھیں سند امتیاز ملی ہے' کلکٹر نے پہلے امروہہ کے ایس ڈی ایم کو بھیجا، وہ یہ سوچ کر آیا ہوگا کہ وہاں شادیانے بج رہے ہونگے اور مٹھائیاں بٹ رہی ہوں گی دیکھا تو مسجد کی پرانی چٹائی پر ایک درویش بیٹھا ہوا ہے اور چند معتقدین حسب معمول جمع ہیں، اُس نے بڑی گرم جوشی سے مبارکباد دی مگر یہاں تو ابھی یہی زیر غور تھا کہ اسے قبول بھی کریں یا نہیں! وہ یہ کہتا ہوا گیا کہ "انھیں تو کوئی خوشی نہیں معلوم ہوتی" میرے دل میں بعد کو یہ خیال آیا کہ ہماری لاکھوں روپے کی زمینداری ختم ہو گئی اور اُس کے بانڈ کوڑیوں کے مول بک گئے، ہمارے ڈیرے پر گاؤں والوں نے زبردستی قبضہ کر لیا، اور ۶۶ بیگہ کا قلمی آموں کا باغ بھی کوڑیوں میں نیلام ہو گیا، اب اگر حکومت سے علمی خدمات کے صلے میں کچھ مل رہا ہے تو اسے رد کرنا کیسے مناسب ہو سکتا ہے! خدا کی شان کہ کچھ دن کے بعد یہی الفاظ مولانا فریدی کی زبان پر خود بخود آ گئے، اور فرمایا کہ میں نے اسے ڈیرے اور باغ کا معاوضہ سمجھ لیا ہے۔

## ایوانِ صدر میں

اب یہ مرحلہ سامنے آیا کہ ۲۰ رمارچ ۱۹۸۲ء کو راشٹرپتی بھون میں بھی جلسہ ہونا تھا جس میں صدر جمہوریہ ہند کے ہاتھوں شال اور سند وصول کی جاتی۔ میں نے بار بار کہہ کر مولانا کو آمادہ کیا کہ وہ اس جلسے میں تشریف لائیں، راقم الحروف اور خواجہ حسن ثانی نظامی انھیں ساتھ لے کر ایوان صدارت تک گئے مولوی محب الحق انکے ساتھ امروہہ سے آئے تھے انھوں نے نہایت وقار کے ساتھ شال اور سند وصول کی جلسے کے بعد دوسرے ملحقہ ہال میں چلے گئے کیونکہ ادھر کیمرے وغیرہ بہت کھٹک رہے تھے، اندرا گاندھی سب سکالروں سے ملاقات کر رہی تھیں میں نے کہا کہ عربی فارسی کے علماء سے بھی مل لیجیے تو وہ اس ہال میں گئیں جہاں مولانا فریدی بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے، جیسے ہی مولوی محب الحق نے بتایا کہ اندرا گاندھی اس طرف آ رہی ہیں مولانا ایک ہاتھ میں اپنا جھولا اور دوسرے میں بید لے کر کھڑے ہو گئے تاکہ ان کے آنے پر اٹھنا نہ پڑے اور دونوں ہاتھ بھی خالی نہ رکھے تاکہ وہ مصافحہ نہ کر سکیں۔ انھوں نے یہ اوارڈ میری پاسداری میں قبول کر لیا تھا ورنہ ایک دو بار جب غصہ آیا تو فرمایا کہ "یہ تم نے اچھا نہیں کیا"

## مولانا فریدی کی ایک کرامت

جن دنوں ملک میں ایمرجنسی نافذ تھی اور نس بندی کا ہنگامہ گرم تھا۔ امروہہ میں عربی مدرسہ کا ایک طالب علم لحاف میں روئی بھروانے بازار گیا تھا اسے تحصیل کے عملے نے پکڑ کر اسکی نس بندی کر دی۔ ایسے بہت سے واقعات ہو چکے تھے مگر اس طالب علم کا یہ واقعہ مولانا کے علم میں آیا تو بے چین ہو گئے۔ ایسے حالات میں انکی بھوک بند ہو جاتی تھی اور کئی کئی دن کھانا نہیں کھاتے تھے، فوراً سہارنپور روانہ ہوئے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب علیہ الرحمتہ سے دعا کی درخواست کی۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ بہت دیر تک حضرت شیخ کے ساتھ حجرے میں بند رہے اور جب برآمد ہوئے تو داڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔ بس دعا کرا کر امروہہ واپس آ گئے۔ مولانا فریدی نے کبھی کسی کے لئے بددعا کا کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا، بہت ہی زیادہ غصہ آتا تھا تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں

اس شخص کو کہیں بد دعا نہ دے دوں" حضرت شیخ سے ملاقات کے بعد ایک دن امروہہ میں خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب آئے ہوئے تھے وہ حسب دستور مولانا فریدیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُن سے فرمایا کہ میں نے سنا ہے آپ اندرا گاندھی سے ملتے رہتے ہیں میرا ایک پیغام اُن تک پہونچا دیں۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ میں ان سے ملتا تو نہیں رہتا البتہ کبھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے کہ کسی جلسے میں وہ بھی ہوں اور میں بھی موجود ہوں تو سرسری ملاقات ہو جاتی ہے۔ فرمایا خیر! وہ جب بھی ملیں تو آپ میرا پیغام پہونچا دیں کہ حکومت فسق و فجور کے ساتھ تو چل جاتی ہے ظلم کے ساتھ نہیں چلتی اگر انھوں نے یہ مظالم بند نہ کئے تو ان کا تختہ پلٹ جائے گا۔ حسن ثانی صاحب کو یہ پیغام پہونچانے کا موقع تو نہ ملا مگر اس درویش خدامست کی زبان سے جو الفاظ نکلے تھے وہ ایسے نشانے پر لگے کہ ایمرجنسی کے بعد جو عام انتخابات ہوئے ان کے نتیجے میں کانگریس (آئی) کو پورے شمالی ہندوستان میں ایک سیٹ بھی نہ مل سکی اور خود اندرا گاندھی جیسی شخصیت کو راج نرائن جیسے مسخرے نے شکست دے دی۔ اس فتح و شکست کے اور ہزاروں اسباب و علل ہو سکتے ہیں مگر یہ واقعہ ہمارے مشاہدے میں آیا ہے اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ ایک قوی سبب یہ بھی تھا:۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد
تا دل صاحب دلے نامد بدرد

## جلالِ فاروقی کا ایک واقعہ

ایک صاحب نے اپنے کسی عزیز کو دھمکانے کے لئے پولیس انسپکٹر کو بلا لیا، وہ مولانا فریدی صاحب والی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے، پولیس انسپکٹر انھیں تلاش کرتا ہوا مسجد میں آیا اور اپنے غرور و نخوت میں جوتوں سمیت مسجد کے اندر گھستا چلا گیا مولانا فریدی اپنے رفقاء کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے، انسپکٹر فرعون بے سامان کی طرح رعونت سے بولا فلاں شخص کہاں ہے؟ اور کچھ اس طرح کے الفاظ کہے کہ تم لوگوں نے کیا پاکستان بنا رکھا ہے؟ مولانا فریدی کو جلال آگیا اُسے بہت سختی سے جھڑکا اور جوتے پہنے ہوئے اندر آنے پر سخت تنبیہ کی، اُس سے نہایت جلال کے عالم میں کہا تجھے پتہ ہے پاکستان کہاں ہے؟ نقشہ لے کر آ میں تجھے پاکستان دکھاؤں۔ اُس وقت مولانا فریدی کا جلال ایسا تھا کہ وہ انسپکٹر بھی

ایک دم سہم گیا اور اُلٹے پاؤں چلا گیا۔ پھر اُسے خدا جانے کیا دکھایا گیا کہ اُس نے دوبارہ آکر مولانا کے پیر پکڑ کر معافی مانگی اور کئی بار معافی مانگنے آیا۔ اُس کا امروہہ سے تبادلہ ہوگیا تو شاید گورکھپور یا گونڈہ سے امروہہ کے بعض لوگوں کو خط لکھتا رہا کہ مجھے مولانا سے معافی دلادو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہت ہی زیادہ پریشان تھا۔

ایک بار انھیں کوئی کتاب ملی اُس کا حال مولانا ابوالحسن زید فاروقی کو خط میں لکھا اور مجھ سے فرمایا "تم دیکھنا مولانا زید میاں اس کتاب کی وجہ سے امروہہ تک آئیں گے" کچھ ہی دنوں کے بعد مولانا زید میاں نے قاضی سجاد حسین صاحب کی معرفت مجھے پیغام بھجوایا کہ میں امروہہ جانا چاہتا ہوں چنانچہ تاریخ طے کی گئی، مولانا زید میاں، قاضی سجاد حسین صاحب اور یہ خاکسار موٹر سے امروہہ گئے مولانا زید میاں کے اکلوتے جواں مرگ صاحبزادے ڈاکٹر محمد ابوالفضل فاروقی ڈرائیو کر رہے تھے، زید میاں کئی گھنٹے امروہہ میں رہے اور اس کتاب سے اپنے مفید مطلب اقتباسات حاصل کئے۔

اسکے باوجود کہ مولانا فریدی کو اپنا حال چھپانے کا زبردست اہتمام تھا، ایسے صدہا واقعات ہیں جو اُنکی صحبت میں رہنے والوں کے مشاہدے میں آتے رہے۔ اُن واقعات کو جمع کیا جائے تو اچھی خاصی ضخیم کتاب ہو جائے۔

# آخری زمانہ

رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸ء میں انھوں نے اپنے سب معمولات سفر وغیرہ حسب عادت پورے کئے مگر کمزوری تھی اس پر کچھ لو کا اثر ہوا اور بخار رہنے لگا، اسہال کی شکایت بھی ہوگئی دوا ہمیشہ یونانی ہی استعمال کرتے تھے اور علاج یا حکیم سلطان احمد صاحب مرحوم کا ہوتا تھا یا حکیم عنایت اللہ صاحب اور انکے صاحبزادے حکیم شعیب اختر کا۔ علاج سے فائدہ بھی ہوا مگر وہ تبلیغی دورے نہ چھوڑتے تھے، دیہات کا سفر ویسے بھی نہایت تھکانے والا ہوتا ہے کہیں مدرسے کا سنگ بنیاد رکھنے جارہے ہیں، کہیں مسجد کا افتتاح کر رہے ہیں، کہیں فارغ طلبہ کو سند اور دستار دینی ہے کسی مدرسے کی شوریٰ کا جلسہ ہے، کسی مخلص کے گھر کوئی تقریب ہے اُس کی دلداری منظور ہے، غرض کوئی نہ کوئی بہانہ سفر کا نکلتا تھا اور وہ اس کمزوری و معذوری کے باوجود سفر کیلئے آمادہ ہو جاتے تھے، دیہاتی بسوں میں سفر کرنا، کہیں رکشا میں کہیں پیدل، کہیں بیل گاڑی میں۔ گاؤں کے کوبڑ کھابڑ راستے چلچلاتی ہوئی دھوپ سائیں سائیں کرتی ہوئی لو کسی چیز کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور جہاں مسجد یا مدرسے کا

یا تبلیغ کا کوئی کام ہوتا تھا وہاں ہر طرح کی مشقت برداشت کرکے پہونچ جاتے تھے۔ اس رمضان کے بعد انھیں مکمل آرام اور دوا کی ضرورت تھی مگر اس کا موقع نہ ملا اور رہ رہ کر بخار آتا رہا۔

مجھے ستمبر ۱۹۸۸ء میں گویانا (جنوبی امریکا) ایک کانفرنس میں جانا تھا اور اسکی تیاری خاصی ہوگئی تھی کہ خود مجھے اگست میں نمونیا ہوگیا اور یہ سلسلہ خاصا طویل رہا اسکی وجہ سے وہ سارا پروگرام منسوخ کردیا اور بعد کو اندازہ ہوا کہ اگر میں ملک سے باہر چلا جاتا تو آخر وقت میں مولانا فریدی کی خدمت سے محروم رہ جاتا۔ عسیٰ اَن تکرھوا شیئاً و ھو خیر لکم میں اسے بھی مولانا فریدی کی کرامت ہی سمجھتا ہوں۔

## وفات

مولانا فریدی ڈاکٹری علاج کیلئے کسی طرح آمادہ نہ ہوتے تھے، بعض مخلصین نے مولانا اسعد میاں کو اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کو لکھا ان حضرات نے اپنے خطوط میں مشورہ دیا کہ ڈاکٹری علاج سے پرہیز مناسب نہیں ہے اُدھر برادر عزیز ڈاکٹر توفیق احمد نظامی علی گڑھ سے آگئے اور انھوں نے بھی اصرار کیا تب ۸ اگست ۱۹۸۸ء سے ڈاکٹری علاج شروع کیا گیا اس سے فائدہ بھی ہونے لگا تھا، مگر کچھ باتیں ایسی بھی ہوتی رہیں جو طبی اصول کے خلاف تھیں بس اب یہی کہا جاسکتا ہے کہ مولانا کی عمر اتنی ہی تھی اور رفیق اعلیٰ کی طرف سے بلاوا آگیا تھا۔ انسانی تدبیریں ایک لمحہ بھی کم وبیش نہ کرسکتی تھیں۔

۶ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۸ء منگل کی صبح ۸ بجکر ۴۵ منٹ پر علم و فضل فقر و درویشی، ایثار و اخلاص، ارشاد و ہدایت، رحمت و شفقت کا یہ پیکر مجسم اس عالم اسباب و ظواہر سے روپوش ہوگیا۔ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ مگر ہزاروں لاکھوں چاہنے والوں کے دلوں کو اس کی یاد ہمیشہ گرمانی رہے گی اور تبلیغ دین و اقامت شریعت و احیائے سنت کیلئے انھوں نے جو کوششیں کی ہیں وہ اپنے برگ و بار لاتی رہیں گی۔

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ　　　فَعَلَيْكَ كُنْتُ أُحَاذِرُ

(اب تمھارے بعد جس کا جی چاہے مرجائے، مجھے تو تمھاری جدائی کا ہی دھڑکا لگا ہوا تھا)

مجھے دہلی میں سوا نو بجے یہ دلدوز خبر ملی اور فوراً موٹر سے روانہ ہوگیا۔ اُسی دن گولوہ کتنیسر کے پاس نوچندی ایکسپریس پٹری سے اُتر گئی تھی اس لئے دہلی سے جانے والی ریلیں بند تھیں، مولانا کے انتقال کی خبر نہ ریڈیو سے آئی نہ کسی اخبار میں چھپی پھر بھی مرادآباد، رامپور، سنبھل، جسن پور، علی گڑھ دہلی کے علاوہ قرب و جوار کے دیہات سے ہزارہا عقیدت مند اس طرح امروہہ پہونچ گئے جیسے مولانا کے انتقال کی خبر کسی فرشتے نے پھونک دی ہو۔ سیکڑوں آدمی تو میت کا دیدار کرکے اور فاتحہ پڑھ کر ہی شام

تک واپس ہو گئے، دس ہزار سے زیادہ افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی او جنازے کی مشایعت کرنے والوں کا تو اندازہ لگانا مشکل ہے ہزاروں افراد کو کاندھا دینے کا موقع ہی نہیں ملا کیونکہ جنازے تک پہونچنا دشوار تھا جلوس میں جس کی جوتیاں پیر سے نکل گئیں وہ انھیں دوبارہ نہیں پہن سکا جلوس کے راستے پر صبح کو جا بجا چھوٹی ہوئی جوتیوں کے ڈھیر پائے گئے۔

## تدفین

ان کی تدفین کے مسئلہ پر بھی کچھ اختلاف ہوا جو اس وقت بڑا ناخوشگوار معلوم ہوتا تھا لیکن اب جب اس کی یاد آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ان کی محبوبیت کے آخری مظاہرے کا غیبی انتظام تھا۔ میری یہ رائے تھی کہ انھیں حضرت شاہ عبدالہادی علیہ الرحمہ کی درگاہ میں حضرت شاہ عبدالباریؒ کے پاس دفن کیا جائے کیونکہ یہ دونوں ان کے سلسلۂ طریقت کے شائخ اور حضرت شاہ عبدالباری حضرت سید عبدالرحیم فاطمی شہید بالاکوٹ کے مرشد تھے۔ میرا خیال تھا کہ مولانا فریدی کے وارث کی حیثیت سے یہ میرا حق ہے اسی بناء پر میری طرف سے اس تجویز پر اصرار بھی ہوتا رہا لیکن شہر کے بہت سے حضرات جن میں مولانا سے قریبی دینی تعلق رکھنے والے بھی تھے چاہتے تھے کہ مولانا کی تدفین مدرسہ جامع مسجد کے حدود میں ہو بلکہ ایک مرحلہ تو ایسا آیا کہ کچھ لوگ گھر میں سے میت کا پلنگ اٹھا کر جامع مسجد لے گئے۔

خدا کا کرنا یہ ہوا کہ حضرت مولانا اسعد میاں نماز مغرب سے قبل ہی دہلی سے پہنچ گئے انھیں یہ قصہ معلوم ہوا تو مجھے بلوایا میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کا مقام و مرتبہ مجھے معلوم ہے اور آپ کے کسی حکم کو مولانا فریدی بھی ہرگز نہ ٹال سکتے تھے لہذا اب جو آپ کا فیصلہ ہوگا وہ مجھے تسلیم ہے۔ مولانا اسعد میاں اس بات سے خوش ہوئے اور فرمایا کہ جو ان لوگوں کی خواہش ہے آپ اسے پورا ہونے دیں۔ میں نے عرض کیا کہ اب میرے کچھ عرض کرنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی غرضکہ انھوں نے حکم دیا اور جامع مسجد امروہہ کے صحن میں جانب جنوب ایک لحد تیار کی جانے لگی تو کوئی دو ڈھائی فیٹ کھودنے پر ایک اور قبر برآمد ہو گئی۔ ان حضرات نے خود ہی آکر کہا کہ وہاں تو ایک اور قبر نکل آئی اور دوسری قبر کی جگہ نہیں ہے۔ میں نے کہا اب یہ اللہ کی جانب سے فیصلہ ہوا ہے۔ چنانچہ

اُس وقت یہ تجویز سامنے آئی کہ محلہ جھنڈا شہید کی جس مسجد کی چٹائی پر مولانا فریدی کے شب و روز گزرتے تھے اور جس کے ایک حجرے میں اُن کی کتابیں بھی رہتی تھیں (اس حجرے کا وہ ماہانہ کرایہ ادا کرتے تھے اور مسجد کی بجلی اور پنکھا استعمال کرنے کی وجہ سے بجلی کا بل بھی ادا کیا کرتے تھے) اسی کے متصل ایک کمرہ میں اُن کو دفن کیا جائے۔ اس پر سب کا فوراً اتفاق ہو گیا اور رات کو دس بج کر چالیس منٹ پر اُن کی میت کو کچی اینٹوں سے بنائی گئی لحد میں اتارا گیا۔ یہ حجرہ مسجد کے دروازے سے بالکل متصل جانب شمال ہے۔

## مولانا فریدی کا ایک خواب

اپنی بیماری کے آغاز میں مولانا فریدی نے اپنا ایک خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "میں نے دیکھا ہے مسجد میں میرا بستر زمین کے اندر اُترا رہا ہے"۔ اُس وقت تو کسی کا ذہن ادھر منتقل نہ ہوا، دفن کے بعد تعبیر خود واضح ہو گئی۔ ایک بار شاید ۱۹۷۳ء میں اُن پر ٹائیفائیڈ کا شدید اور مکرر حملہ ہوا تھا، بظاہر بچنے کی کوئی امید نہ تھی، اُس وقت حکیم سلطان احمد صاحب مرحوم کا علاج تھا، ان کی حذاقت اور دیانت شہرۂ آفاق تھی ایک دن اُنھوں نے مجھے تنہائی میں لے جا کر کہا کہ مولانا کا اب آخری وقت ہے، تمھیں جو کچھ خدمت کرنی ہے کر لو۔ سخت سراسیمگی پیدا ہو گئی تھی اور اسی زمانے میں یہ بھی سوال میرے ذہن میں آیا تھا کہ ان کی آخری آرام گاہ کہاں بنے گی، میں نے سوچا تھا کہ اگر اسی مسجد کے اس حجرے میں وہ آسودہ ہوں تو یہ مناسب رہے گا۔ مولانا فریدیؒ نے اس زمانے میں نہایت ضعف و نقاہت اور اطباء کی مایوسی کے باوجود ایک دن مجھ سے فرمایا کہ میں ابھی مر تھوڑی رہا ہوں۔ صحت ہو جائے تو پھلت جاؤں گا اور سیتاپور بھی جانا ہے۔ وغیرہ۔ اور واقعی وہ تندرست ہو گئے اور کئی برس تک پھر اپنے معمولات میں منہمک رہے مگر تدفین کے لئے اس وقت میرے دل میں جو خطرہ گذرا تھا وہ شاید اُن پر بھی منکشوف ہو گیا تھا اور اسی طرح وقوع میں آیا جیسا میں نے سوچا تھا۔

ابھی ہزاروں باتیں لکھنے کی ہیں مگر صفحات کی تنگ دامانی کا خیال دامن گیر ہے

انشاء اللہ مولانا فریدی کی سوانح عمری بہت سی ضروری تفصیلات اور حوالوں کے ساتھ شائع کرانے کا ارادہ ہے اس لئے کہ اُن کی جیسی جامع کمالات ہستی روز روز پیدا نہیں ہوتی بقول میرؔ

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

اور مولانا فریدی نے تو ایسی پاکیزہ مثالی اور مجاہدات سے بھرپور زندگی گزاری ہے کہ ایک تعزیتی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا تھا "ان کا بہروپ بھرنا بھی آسان نہیں، کوئی شخص اگر نقل کرنے کے لئے بھی مولانا فریدی بننا چاہے تو کامیاب نہ ہوسکے گا" اللہ تعالےٰ ان کے مراتب بلند کرے، اپنی خاص رحمتوں سے مالامال فرمائے اور ہمیں توفیق دے کہ ان کے نام کو اور کام کو زندہ رکھ سکیں ——— آمین

# حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور دارالعلوم دیوبند

از۔ مولانا نسیم احمد فریدیؒ

ساقیِ دہلی[1] کے مستوں نے بارضِ دیوبند — جب رکھی بنیاد میخانہ بطورِ یادگار

[illegible] ساغرِ صہبائے طیبہ کا ہوا — جرعہ نوشانِ ازل آئے قطار اندر قطار

قاسمؒ و محمودؒ و انورؒ نے لنڈھائے خم کے خم — اپنی وسعت کے مطابق پی گیا ہر بادہ خوار

آج بھی ساقی کی چشمِ خاص کی تاثیر دیکھ — بادۂ مغرب کے متوالوں کا ٹوٹا ہے خمار

آج بھی آفاق اس میکدے کی دھوم ہے — چار جانب سے سمٹ کر آرہے ہیں بادہ خوار

"در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق" — یہ خصوصیت یہاں ہر فرد میں ہے آشکار

اس کے ہر میخوار کو پیرِ مغاں کا حکم ہے — "با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار"

کاش اب اے "ساقیِ دہلی" تو بھی آکر دیکھتا — اپنے میخانہ کی رونق اپنے رندوں کی بہا

تیرا دورِ جام، دورِ چرخ سے بھی تیز تر — تیرا مستقبل ترے ماضی سے بڑھکر شانہ

یا الٰہی حشر تک باقی رہے یہ مے کدہ — دور میں ساغر رہے تا گردشِ لیل ونہا

اس کی ہر ہر اینٹ میں تاریخ ماضی ثبت ہے — ہند میں بزمِ ولیؒ کی ہے یہ واحد یادگا

مسلمِ ہندی اگرچہ مفلس و نادار ہے — پھر بھی اس سرمایۂ ملت کا ہے سرمایہ د

شوکتیں جب دہلی مرحوم کی آتی ہیں یاد — دیکھ کر اس کو بہل جاتا ہے قلبِ سوگو

جن کی کوشش سے چلا ہے دورِ صہبائے حجاز — نور سے معمور کر دے اے خدا اُن کے مز

آفریدی تو بھی ہو ساغر بکف مینا بدوش
طالبِ جوشِ عمل ہے ساقیِ ابرِ بہار

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

## نابغۂ عصر سیّدی واستاذی

# مولانا نسیم احمد فریدی

### ولادت

آپ کی ولادت باسعادت ستمبر ۱۹۱۱ء موافق رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ کو اپنے آبائی مکان واقع محلہ جھنڈا شہید امروہہ ضلع مرادآباد میں ہوئی۔

مولانا نسیم احمد فریدیؒ کا سلسلہ نسب براہ راست حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ سے ملتا ہے اوران کا سلسلۂ نسب خلیفہ دوم امیرالمومنین حضرت فاروق اعظمؓ تک پہنچتا ہے ـــــ آپ کے والد ماجد مولوی حسین احمد فریدی الفاروقی المتوفی ۱۹۱۲ء اور دادا ڈپٹی بشیر احمد فریدی الفاروقی محکمہ انہار سے وابستہ تھے۔ آپ کا اسم گرامی ”نسیم احمد فریدی الفاروقی“ اور کنیت ابوالسحر نیز تخلص ابتداً دلبعدہٗ فریدی رہا۔ آپ کی والدہ ماجدہ روہیلکھنڈ کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم ابوالفتح سید عبداللہ المعروف شاہ ابّن بدرچشت کرمانی الامروہیؒ کی اولاد میں سے تھیں جن کا سلسلۂ نسب بواسطہ حضرت امام علی رضاؒ جگر گوشۂ رسولؐ شہید کربلا حضرت حسینؓ تک پہونچتا ہے آپ کے نانا اور ماموں روہیلکھنڈ کے مشہور اطبا میں سے تھے۔

### تعلیم وتربیت

آپ نے علمی ودینی گھرانے میں پرورش پائی جہاں قدیم روایات اور پرانی قدروں کا احترام واہتمام تھا اور خلوص ومحبت، رواداری کا یہ عالم تھا کہ چھوٹوں پر شفقت اور دوسروں کے رنج وغم میں شریک ہونا عبادت کا درجہ رکھتا تھا۔ آپ کا گھرانہ سادگی پسندی، صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور دینی خدمات کے لئے مشہور تھا، اس گھرانے میں متواتر صاحبان علم وفضل ہوتے

بچے ہیں۔ آج بھی آپ کے برادر زادے ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی اور خواہر زادے پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی صاحبان تصانیف موجود ہیں۔ آپ کے دادا کے برادر بزرگ مولوی ارشاد علی فریدیؒ نے اپنے چھوٹے بھائی مولوی ڈپٹی بشیر احمد فاروقیؒ[۱] کی تعلیم و تربیت خود کی اور متعدد کتب تصنیف کیں جن میں بشیر المدائح، بشیر النصائح، بشیر الانشاء اور مصدر انشاء ارشاد مشہور ہیں ـــــ آپ کی تربیت پر آپ کی والدہ ماجدہ اور ماموں حکیم سید علی احمد صاحب رضوی مرحوم کی خاص توجہ رہی آپ بچپن ہی سے نہایت ذکی ذہین و فطین اور شائق علم تھے آپ کو ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل کود سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ایسے گھرانے اور ماحول میں پرورش پانے کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپ کا مزاج بچپن ہی سے سنجیدہ اور دینی رہا۔

آپ نے سب سے پہلے قرآن شریف ناظرہ حافظ قاری رئیس احمد صاحب مرحوم امروہی ثم پاکستانی المتوفی ۲۴ جون ۱۹۸۳ء۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ سے پڑھا[۲]۔ ابتدائی تعلیم کیلئے پرائمری اسکول میں داخل کیا گیا آپ کے پرائمری کے استاد منشی نسیم احمد صاحب امروہی مرحوم تھے جنکی شفقت سے آپ نے ہمیشہ اپنے درجہ میں امتیازی کامیابی اور جغرافیہ و ریاضی میں مہارت حاصل کی۔ آپ اسکول میں ہمیشہ مانیٹر رہتے تھے۔ پرائمری درجات پاس کرنے کے بعد مڈل اسکول میں داخلہ لیا جہاں آپ اردو، ہندی، انگریزی میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے۔

ایک فارسی داں نے عرفی شیرازی کا یہ شعر آپ کے سامنے پڑھا اور مطلب معلوم کیا ؎

من کہ باشم عقل کل را ناوک انداز ادب     مرغ اوصاف تو از اوج بیاں انداختہ

یہی شعر۔ نور المدارس ـــ میں داخلے کا سبب بنا۔ یہاں منشی عبد الرب صاحب شکیب[۳] فارسی کے استاد تھے۔ انکی نگرانی میں آپ نے منشی، منشی کامل، اعلیٰ قابلیت، مولوی، مولوی فاضل کے امتحانات اعلیٰ نمبروں کے ساتھ پاس کئے یہ تمام امتحانات میرٹھ اور مظفر نگر میں ہوئے

---

[۱] تعلیم کے بعد مولوی ارشاد علی صاحب نے آپ کو ملازمت دلوائی مظفر گڑھ جھنگ اور ملتان کے محکمہ انہار میں ڈپٹی کلکٹر رہے۔

[۲] آپ ۲۸ سال سے جامع مسجد نعمانیہ نرسری سوسائٹی کراچی میں خطیب و امام تھے۔ قیام پاکستان سے پہلے حیدر آباد دکن میں مسجد اللہ والی بی صاحبہ پنچ گٹہ جوبلی ہل میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے

[۳] منشی عبد الرب صاحب شکیب صدیقی ولد شبیر علی صاحب صدیقی محلہ چاہ غوری شیخ محلہ امروہہ کے ساکن تھے ۲۶ مئی ۱۹۴۹ء کو انتقال ہوا۔

اسی دوران آپنے مدرسہ دارالعلوم چلہ امروہہ میں فارسی کی تدریسی خدمات انجام دیں، اور ساتھ ہی مولانا انوارالحق صاحب صدیقی ؒ سے ہدایۃ النحو پڑھی، ۱۹۳۰ء میں جمعیۃ العلماء کا نواں عظیم الشان اجلاس امروہہ[لہ] میں ہوا جس میں ہندوستان کے کثیر التعداد علماء و مشاہیر شریک ہوئے اس اجلاس میں آپ ڈیلی گیٹ تھے، اور مجلس مضامین میں شریک ہوتے تھے۔ ان تمام مراحل کو طے کرنیکے بعد مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ لیا یہاں آپنے حضرت مولانا سید رضا حسین رضوی امروہی ؒ حضرت مولانا انوار الحق عباسی ؒ مفسر قرآن حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہی ؒ سے تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم متداولہ کی تحصیل کی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ نے علم فرائض حضرت مولانا انوار الحق عباسی امروہی ؒ سے صرف ایک دن میں حاصل کیا۔ بیضاوی شریف اور ترمذی شریف پڑھنے کے بعد شوال ۱۳۵۴ھ میں بغرض تعلیم دارالعلوم دیوبند پہنچے[۲] یہ چمنستان علوم دینیہ اس وقت بھی حسب سابق پربہار تھا، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ مسند صدارت پر جلوہ افروز اور حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی قدس سرہٗ مہتمم تھے، نیز اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن محدث دیوبندی ؒ کے دیگر با کمال تلامذہ اس گلشن کی آبیاری کر رہے تھے، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور تمام ہی علوم عقلیہ و نقلیہ کا درس دے رہے تھے۔ اس وقت اس گلشن قاسمی و رشیدی کی عجیب روحانی فضا تھی شیخ الاسلام ؒ کے علاوہ شیخ الادب و الفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہی ؒ حضرت مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندی ؒ حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوری ؒ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی ؒ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی ؒ خاص طور سے قابل ذکر ہیں ـــــ آپ نے شیخ الاسلام ؒ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھی، حضرت شیخ الادب والفقہ سے شمائل ترمذی پڑھی اور حضرت مولانا سید

---

لہ اجلاس ۳ ر ۴ ر ۵ ر ۶ ر مئی ۱۹۳۰ء مطابق ۳ ر ۴ ر ۵ ر ۶ ر ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ بمقام انوار پیر منگل کو منعقد ہوا جسکی صدارت مولانا معین الدین صاحب اجمیری صدر مدرس مدرسہ معینیہ اجمیر نے فرمائی اور خطبہ استقبالیہ مولانا حکیم سید طفیل حسن ابوالمنظر رضوی امروہی مرحوم نے پڑھا اسی اجلاس میں مکمل آزادی ہند کا رزولیشن بہ اتفاق رائے پاس ہوا تھا۔ [۲] آپ فرماتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند جانے سے پہلے میں نے دارالعلوم اور قصبۂ دیوبند کو خواب میں دیکھا تھا جب دیوبند پہنچا تو دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کو جیسا خواب میں دیکھا تھا ویسا ہی پایا۔

اصغر حسین محدث دیوبندیؒ سے ابوداؤد شریف پڑھی ان اسباق میں اساتذہ کی تقریریں لکھنے کا خاص اہتمام کرتے رہے۔ ترمذی میں مولانا مدنیؒ کی تقریر اور شمائل میں شیخ الادب والفقہ کی تقریر کے مسودے آپ کے کتب خانہ میں موجود ہیں کاش کہ یہ دونوں علمی جواہر پارے بھی منصۂ شہود پر آجائیں حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب کے درس ابوداؤد کی تقریر کے بارے میں مولانا کا ایک مضمون الفرقان اگست ۱۹۸۶ء میں بہ عنوان "مختصر درس ابوداؤد شریف کی چند جھلکیاں" دو قسطوں میں شائع ہو چکا ہے، مسلم شریف علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے پڑھی ۱۳۵۵ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ اسکے بعد تقریباً ڈیڑھ دو سال مزید آپ کا قیام دارالعلوم میں رہا اسی دوران اُستاد القراء قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ پرتاب گڑھی سے تیسویں پارے کی مشق کی حضرت محمد سہول بھاگلپوریؒ صدر الافتاء اور مولانا مفتی ریاض الدین افضل گڑھیؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ سابق مفتی اعظم پاکستان سے افتاء میں مہارت حاصل کی اسکے ساتھ ہی شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علیؒ سے متنبی، حماسہ، سبعہ معلقہ اور مفتاح العروض پڑھیں، علامہ بلیاویؒ سے مسلم الثبوت، توضیح تلویح بھی پڑھی اور مولانا حکیم محمد عمر صاحب قاسمی دیوبندی زید مجدہم[1] سے طب میں شرح اسباب پڑھی ــــــ ۱۹۳۶ء میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے درس تفسیر پڑھنے کیلئے لاہور تشریف لے گئے پڑھنے کے ساتھ تفسیری نکات بھی قلمبند فرماتے گئے[2] حضرت مفسر لاہوریؒ کا یہ درس تفسیر قرآن علماء وطلبہ کیلئے ۳ ماہ میں ختم ہوتا تھا) لاہور قیام کے زمانہ میں مولانا فریدی علامہ اقبال سے بھی ملے۔ نیز اسی زمانہ میں مولانا کا ایک مضمون رسالہ تاج لاہور کے شمارہ بابت مارچ ۱۹۳۶ء میں "اسلام میں طلب علم کی فضیلت واہمیت، عُلم دین کی تحصیل واشاعت مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے" کے عنوان سے شائع ہوا۔

## اساتذہ کا ادب واحترام

آپ اپنے اساتذہ کا کس قدر ادب واحترام فرماتے تھے یہاں تک کہ اساتذہ کی اولاد اہل خاندان کا بھی کتنا احترام ہمارے حضرت کو ملحوظ خاطر رہتا تھا، اس کا اندازہ ایک واقعہ

---

[1] مولانا فریدی کے اساتذہ میں صرف حکیم صاحب ہی حیات ہیں اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے آمین

[2] حضرت لاہوریؒ نے اس مسودے پر پینسل سے دستخط فرما دیے نیز سند عطا فرمائی۔

سے بخوبی ہو سکتا ہے جو راقم الحروف کا چشم دید ہے۔ منشی عزیز احمد صاحب عزیز امروہوی المتوفی ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء شاعری میں...... مولانا کے استاد تھے۔ عزیز صاحب کے محلے میں سیرت پاک کا جلسہ منعقد ہوا۔ مولانا بھی وہاں مدعو تھے۔ جلسے میں تشریف بھی لے گئے لیکن اسٹیج پر نہیں پہنچے وہیں قریب کی مسجد میں چلے گئے۔ جب عزیز صاحب کو معلوم ہوا کہ مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ مسجد میں ہیں تو آپ وہاں تشریف لے گئے، استاد مکرم کو دیکھتے ہی مولانا فوراً کھڑے ہو گئے لیکن استاذ کے ادب کی وجہ سے آپ نے جلسے میں تقریر نہیں کی۔ منتظمین جلسہ کی طرف سے اصرار ہوتا رہا مگر آپ یہی فرماتے رہے کہ مجھ سے تقریر نہ ہو سکے گی۔ اس سلسلہ میں انکے ذوق کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو ہم لوگوں کو استاد مکرم بڑے ذوق و شوق سے سنایا کرتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ قصبہ بچھرایوں میں بہ سلسلہ آزادیٔ ہند جمعیۃ اطفال کا جلسہ منعقد ہوا جس میں امروہہ سے سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کے پوتے زبیر احمد و وقار احمد بھی جلسہ میں شرکت کیلئے گئے۔ حضرت مولانا ظہور علی (جو مولانا فریدیؒ کے اساتذہ میں سے تھے) کو معلوم ہوا تو دونوں بچوں کو اپنے گھر لے گئے اور اہل خانہ سے فرمایا کہ یہ میرے استاد کے پوتے ہیں اور بڑی مسرت کا اظہار فرمایا، اور دونوں مخدوم زادوں کے ساتھ بڑی شفقت و احترام کا معاملہ فرمایا اور رخصت کرتے وقت دونوں بچوں کو پانچ پانچ روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ اس واقعہ کو بیان فرما کر فرمایا کرتے تھے میاں یہ ہے بزرگوں کا طریقہ ۔!!

## تدریسی مشغولیت

ابھی آپ کا قیام دار العلوم دیوبند ہی تھا کہ بریلی سے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کے ایماء اور شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ کے مشورہ کے مطابق آپ مدرسہ اشفاقیہ[1] بریلی کی خدمت کیلئے بریلی پہنچ گئے جہاں آپ کا تقرر بیس روپیہ ماہوار پر ہوا۔ پہلے سال جلالین شریف، مشکوٰۃ شریف، ابو داؤد شریف اور دیگر کتابیں سپرد ہوئیں دوسرے سال صدر مدرس اور شیخ الحدیث کا عہدہ تفویض ہوا۔ اب آپ بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف کا درس دینے لگے۔ ختم بخاری شریف کیلئے شیخ الادب والفقہ مولانا عبید اللہ

---

[1] اس مدرسہ کا نام پہلے طالبیہ تھا۔

سندھیؒ اور حاجی محمد حسین صاحب دہلوی کو دعوت دی۔ اس عرصہ میں تمام تر مراحل مولانا نعمانی کے
مشورے سے طے ہوتے رہے، رسالہ الفرقان سے بھی تعلق اسی زمانہ میں ہوا۔ الفرقان کے مجدد
الف ثانی نمبر اور شاہ ولی اللہ نمبر میں بھی آپ شریک رہے۔ تقریباً چار سال بریلی قیام رہا۔
بعض خانگی مجبوریوں کی وجہ سے ۱۹۴۲ء میں بریلی سے امروہہ منتقل ہو گئے۔ یہاں مدرسہ
اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کو آپ کی ضرورت محسوس ہوئی، صرف پندرہ روپیہ ماہوار
پر تقرر ہوا۔ اب آپ اپنی مادر علمی میں ہمہ تن مشغول تدریس ہو گئے۔ ابتدائی تا انتہائی جو کتب بھی
آپ کے سپرد ہوتی رہیں۔ اپنے ذوق علمی کے مطابق حق تدریس ادا فرماتے رہے ۱۹۶۲ء سے
آپ صدر مدرس رہے لیکن ۱۹۷۲ء میں بوجہ عذر بینائی اس عہدہ سے سبکدوش ہو گئے لیکن
اعزازی طور پر سلسلۂ درس تا حیات جاری رہا نیز عہدۂ افتاء بھی آپ کے سپرد رہا۔ درمیان
میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبۂ دینیات کی پروفیسری کی پیش کش بھی کی گئی لیکن آپ نے
اپنی مادر علمی کی خدمت کو ترجیح دی۔

## خصوصیت درس

آپ چھوٹی سے چھوٹی کتاب بھی مطالعہ کر کے پڑھانے کے عادی تھے، ابوداؤد شریف
پڑھانے کے لئے بذل المجہود اکثر زیر مطالعہ رہتی تھی۔ آج کل عموماً بڑی کتابیں پڑھاتے وقت
چھوٹی کتابیں پڑھانا کسر شان سمجھا جاتا ہے لیکن آپ "فارسی کی پہلی" میزان منشعب،
تیسیر المبتدی، صفوۃ المصادر حتیٰ کہ تعلیم الاسلام وغیرہ بھی بڑی خوشدلی سے بلا تکلف
پڑھاتے تھے آپ کا طرز تعلیم ایسا تھا کہ کتاب کا مفہوم طلبہ کے ذہن میں راسخ ہو جاتا تھا۔

## بیعت و سلوک

آپ ہمہ وقت جذب الٰہی میں سرشار رہتے تھے، شروع ہی سے اکابر و مشائخ کی صحبتوں
سے مستفید ہوتے رہے پھر جب اصلاح و پختگی کے لئے مرشد کامل کی ضرورت محسوس ہوئی تو
حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہو گئے، جب حضرت کا قصبہ چھرالو
ورود مسعود ہوا اور نواب ساجد حسین ولد نواب عاشق حسین کی درخواست پر انکے مزرعہ مسمّٰی
آنسو والا نزد اعظم پور ریاست بھی تشریف لے گئے اس سفر میں حضرت مولانا ظہور علی چھرالوی

حافظ زاہد حسن امروہیؒ م ۱۳۷۴ھ کو ایک بیل تانگے میں بٹھایا گیا تھا، حضرت شیخ الاسلامؒ مع خدام گھوڑا تانگے میں تشریف فرما ہوئے۔ استاذ مکرم (حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ) بچھرایوں سے پیدل قافلے کے ساتھ بعد ظہر روانہ ہوئے راستہ خام نہایت دشوار گذار تھا عصر و مغرب کی نماز راستہ میں ہوئی، سردی کا موسم تھا، ہوئیں بڑی چل رہی تھیں بالآخر تقریباً رات کے ۹-۱۰ بجے مزرعہ کے ڈیرے میں پہنچے حضرت مولانا طہور علیؒ و حافظ زاہد حسن امروہیؒ کا تانگہ دلدل میں پھنس گیا تھا۔ اور یہ دونوں بزرگ وہیں بیٹھے رہے تھے۔ پیدل قافلہ پہلے پہنچ گیا، بالآخر مشعلیں لے کر آدمی روانہ کئے گئے جو ان دونوں حضرات کو دوسرے تانگے میں بٹھا کر لے گئے، حضرت شیخ الاسلامؒ ان دونوں حضرات کے انتظار میں رہے ۱۱-۱۲ بجے کے درمیان نماز عشاء باجماعت ادا کی گئی بعد نماز رات کی چاندنی میں مجلس بیعت منعقد ہوئی تھی جس میں حضرت مولانا فریدیؒ کے علاوہ حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن بچھرایونیؒ، حافظ وشاد احمد بچھرایونی، قاری محمد فاروق مرادآبادی، مستری محمد حسین بچھرایونی، پہلوان اللہ بخش بچھرایونی، خلیفہ عبداللہ بچھرایونی، ملا عظیم اللہ بچھرایونی داخل سلسلہ ہوئے بعدہٗ کھانا تناول کیا گیا۔

## اجازت و خلافت

سب سے پہلے حضرت مولانا فتح محمد میواتیؒ خلیفہ حضرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ نے آپ کو اجازت بیعت دی پھر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے اجازت دی بعدہٗ حافظ مقبول حسین صاحب گنگوہی ثم دہلویؒ خلیفہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے خرقۂ خلافت بھیجا۔

ان تمام حضرات کی اجازت کے باوجود بوجہ کسر نفسی آپ نے مدت العمر کسی ایک فرد کو بھی بیعت نہیں فرمایا اگر کوئی بہت اصرار کرتا تو دوسرے مشائخ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیدیتے تھے بلکہ بعض اوقات خود لے جاکر بھی بیعت کرادیتے تھے۔

## علمی تحقیق و جستجو اور انہماک

آپ علمی مسائل کی معلومات میں بالکل عار محسوس نہیں فرماتے تھے۔ ایک بار بہادرپور

میں حضرت مولانا محمد یونس شیخ الحدیث مظاہر علوم سے دفتر مظاہر علوم کی مسجد میں کہا کہ آپ سے کچھ معلومات کرنی ہیں انھوں نے کہا ابھی معلوم کر لیجیے فرمایا کہ آپ کے کمرے پر حاضر ہوں گا، چنانچہ صبح کو ناشتہ کے بعد احقر کو ساتھ لے کر ان کے کمرے پر تشریف لے گئے اور موطا امام مالکؒ کی ایک حدیث کو جس میں آپ کو کچھ اشکال تھا نکلوا کر پڑھوایا جب پوری طرح تسلی و تشفی ہو گئی تو مولانا محمد یونس صاحب کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ آپ کی وجہ سے یہ حدیث حل ہو گئی۔

علمی تحقیق میں بالکل محو ہو جاتے تھے۔ اکثر و بیشتر سفر علمی تحقیق ہی کے سلسلہ میں ہوتے تھے، پھلاوہ متعدد مرتبہ جانا ہوا ان علمی اشغال میں نماز کے اوقات میں نماز اور باقی ہر وقت مطالعہ کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں ہوتا تھا۔ تہجد کے وقت بھی تحقیق و مطالعہ میں مصروف رہتے تھے اور کتابیں پڑھوا کر سنتے تھے۔ کاندھلہ کا سفر بھی اکثر ہوتا تھا اور وہ بھی علمی تحقیق کیلئے، مولانا نور الحسن راشد صاحب کے کتب خانہ میں اپنے ذوق کی چیزیں خوب تلاش کرتے تھے۔ آپ کی تحقیقی کاوش کا اندازہ لگانے کے لئے ایک واقعہ کافی ہے، شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ کے ترجمۂ قرآن سے آیت وضو کے ترجمہ میں پاؤں دھونے کا لفظ کسی اثنا عشری نے حذف کر دیا ہے مولانا کو اسکی جستجو شروع ہو گئی، نہ جانے ترجمہ کے کتنے نسخے مولانا نے دیکھے، پاؤں دھونے کا لفظ کسی نسخہ میں نہیں مل رہا تھا، کافی تگ و دو اور بہت عرق ریزی کے بعد ترجمہ کا ایک قلمی نسخہ ۱۲۳۴ھ کا مل گیا جس کو بیگم امۃ الحبیب صاحبہؒ کی فرمائش پر لکھا گیا تھا۔ اس میں آیۂ وضو کا جو ترجمہ کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے[1]، بس ہمارے مولانا خوشی سے باغ باغ ہو گئے اور بار بار اس حیرانی کا اظہار فرمایا کہ کتنی بڑی سازش کی گئی ہے؟؟

مولانا زید ابو الحسن فاروقی دہلوی نے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلویؒ کی کتاب تقویۃ الایمان کے بارے میں عجیب و غریب خیالات کا اظہار اپنی ایک کتاب میں کیا اسے پڑھ کر مولانا تڑپ گئے، اسکے جواب کی فکر ہر وقت دامنگیر ہو گئی فرماتے تھے کہ اس کا جواب دینا ضروری ہے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دے، اسکی وجہ سے بہت زیادہ مضطرب و بے چین رہے، اس سلسلہ میں شدید ضعف و معذوری کے باوجود لاہر پور (ضلع سیتاپور) کا سفر بھی فرمایا وہاں کے کتب خانہ میں بہت تلاش کے بعد ایک قلمی کتاب

---

[1] مخطوطہ موضح قرآن ذی الحجہ ۱۲۳۴ھ

ملی جس میں مناظرۂ جامع مسجد دہلی کی صحیح روئیداد موجود ہے بس مولانا خوشی سے جھوم اٹھے، چہرۂ مبارک پر انبساط کے آثار روشن ہو گئے اس کتاب کو لے کر امروہہ تشریف لائے اور فرمایا کہ الحمد للہ مناظرۂ دہلی کی صحیح روئیداد مل گئی۔ اب مولانا زیدی کی کتاب پر تبصرہ کرنا ہے۔ اسی سلسلہ میں مولانا علی گڑھ بھی تشریف لے گئے، اور مسلم یونیورسٹی کی آزاد لائبریری میں بعض ضروری چیزوں کا مطالعہ کیا۔

اسی طرح شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن محدث دیوبندی پر ایک مقالہ لکھنا تھا، تو احقر کو ساتھ لے کر دہلی تشریف لے گئے جامعہ ملیہ کی لائبریری میں اخبار مدینہ بجنور اور ہمدم کے فائیلوں کو پڑھوا کر سنا، بار بار تاکید فرماتے رہے کہ جو بات بھی مل جائے اسکو چھوڑنا نہیں نوٹ کرتے جاؤ بڑی عرق ریزی اور تحقیق کے بعد مقالہ تیار ہوا۔[له]

اسی طرح حضرت مولانا کو سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی اور ردّ قادیانیت پر ایک مقالہ لکھنا تھا تو بہت سی کتابوں کے علاوہ رام پور کی رضا لائبریری جاکر "دبدبۂ سکندری" کے فائیل کا بھی مطالعہ کیا یہ جاننے کے لئے کہ ۱۹۰۹ء میں جو مناظرہ[کله] علماء حق کا قادیانیوں سے قلعہ رامپور میں نواب حامد علی خاں کی موجودگی میں ہوا تھا اس میں کون کون اور کہاں کہاں سے علماء شریک ہوئے تھے، اور دبدبۂ سکندری کے مدیر کی اسکے بارے میں کیا رائے تھی؟ اس مناظرہ میں حضرت محدث امروہی بنفس نفیس شریک ہوئے تھے، بلکہ نواب حامد علی خاں نے آپ کو خاص طور سے مدعو کیا تھا، قلعہ کے اندر نواب صاحب کی موجودگی میں حضرت محدث امروہی نے ایک معرکۃ الآراء تقریر فرمائی تھی، اہل حق کو جسکے بعد فتح حاصل ہوئی تھی، ...... اور قادیانیوں کو شکست فاش۔ غرض کہ حضرت محدث امروہی

---

له یہ مقالہ مقام محمود میں شائع ہوا، اس مقالہ کے مآخذ مندرجہ ذیل ہیں (۱) نقش حیات (۲) مولانا سندھی کی ذاتی ڈائری (۳) تحریک ریشمی رومال (۴) اسیران مالٹا (۵) خطبۂ صدارت جلسہ افتتاح جامعہ ملیہ (۶) جامعہ ملیہ کے پچیس سال (۷) مختصر سوانح عمری شیخ الہند (۸) شیخ الہند حیات اور کارنامہ (۹) مکتوبات شیخ الہند (۱۰) سفر نامہ اسیر مالٹا (۱۱) تذکرۂ شیخ الہند (۱۲) اخبارات مدینہ بجنور و ہمدم وغیرہ۔

کله یہ مناظرہ ۱۵ رجون ۱۹۰۹ء سے شروع ہوا اور ۲۰ رجون ۱۹۰۹ء کو اہل حق کی کامیابی کے ساتھ ختم ہوا اس مناظرہ میں مولانا حامد رضا خاں بریلوی بھی اکابر دیوبند کے ساتھ شریک تھے۔

یہ مقالہ بھی آثار تحقیق کے بعد لکھا یہ مقالہ[1] تحفظ ختم نبوت کے اجلاس میں دیوبند میں پڑھا گیا اور رسالہ "دارالعلوم" میں مقالات کے مجموعہ میں شائع ہو چکا ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی پر مقالہ لکھنا تھا[2]، تو اسکی تیاری میں کتابوں کا انبار لگا دیا۔ کتابیں پڑھوا کر سنتے جاتے اور نوٹ کرتے جاتے پھر حضرت شیخ الاسلام کی غیر مطبوعہ تحریروں کو سامنے رکھ کر مقالہ تیار فرمایا، یہ سب اس وقت کی باتیں عرض کر رہا ہوں جبکہ خود لکھنے پڑھنے سے بوجہ فقدان بصارت ظاہری بالکل معذور ہو چکے تھے بلکہ سفر بھی دوسروں کو ساتھ لے کر فرماتے تھے ــــــ لکھنؤ کا جب بھی سفر ہوا ضروری مشاغل سے فرصت پاتے ہی ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں جا پہنچتے، ناظم کتب خانہ مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب سے آپ کے اچھے مراسم تھے، مولانا اپنے پاس ہی کرسی پر بٹھاتے تھوڑی گفتگو ہوتی اسکے بعد ان سے فرماتے "مولانا آپکے یہاں فلاں فلاں کتابیں ہیں؟" مولانا رجسٹر میں تلاش کر کے جواب دیتے جی ہاں ہیں، بس کتابیں نکالی جاتیں مولانا بڑے ذوق و شوق سے وہیں کتابیں سننا شروع کر دیتے آخری سفر لکھنؤ ۱۹۸۶ء میں ہوا تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے کچھ مکتوب الیہم کے حالات ندوہ کے کتب خانہ کی کتابوں میں سے تلاش کرائے تاریخ کشمیر، تاریخ پنجاب اور دیگر تواریخ سے نوٹ کرتے رہے ــــ مطلوب کے حاصل ہونے پر بہت خوش ہوتے کہ جو شوق یہاں لایا ہے وہ پورا ہو رہا ہے۔ ایک مرتبہ مولانا مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی کے سالانہ جلسہ میں تشریف لے گئے، جلسہ سے فراغت کے بعد مدرسہ کے کتب خانہ میں پہنچ گئے۔ وہاں قلمی اور مطبوعہ کتابوں کو نکلوا کر سنتے رہے۔ کتابوں کے ذخیرہ میں قصبہ گلاؤٹھی کی تاریخ نکل آئی، مہتمم[3] مدرسہ سے فرمایا کہ یہ لیجئے یہ آپ کے قصبہ کی تاریخ ہے،

---

[1] اس مقالہ کے مآخذ حسب ذیل ہیں (۱) مکتوبات سید العلماء حضرت محدث امروہی (۲) رسالہ القاسم دیوبند (۳) رسالہ دارالعلوم دیوبند (۴) دبدبۂ سکندری (۵) دافع البلاء (۶) سنۂ ضروری مباحثہ رامپوری (۷) صحیفۂ محبوبیہ وغیرہ۔

[2] یہ مقالہ سیمینار شیخ الاسلام منعقدہ دہلی ۱۸، ۱۹ مارچ ۱۹۸۸ء کو پڑھا گیا جسکے ماخذ مندرجہ ذیل ہیں (۱) نقش حیات (۲) مکتوبات شیخ الاسلام (۳) تذکرۂ مشائخ دیوبند۔ (۴) حضرت شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات (۵) شیخ الاسلام کا غیر مطبوعہ مکتوب (۶) اسیران مالٹا وغیرہ۔ [3] مولانا سید نسیم الدین صاحب۔

—— پھر تھوڑی دیر کے بعد ابو شکور سالمی کی کتاب تمہید مل گئی[1] اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اس کتاب کے بارے میں فرمایا کہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا عقیدہ وہی ہے جو تمہید میں ہے۔ پھر فرمایا کہ بابا صاحبؒ نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کو اس کتاب کا بھی درس دیا ہے۔ اس کتاب کی جستجو مدت سے تھی اس کو لے کر امروہہ آئے اور پڑھوا کر سنا آخر زمانہ میں ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی سے فرمایا "میاں نثار احمد تم نے تمہید دیکھی ہے؟ ان کا جواب نفی میں سن کر فرمایا کہ اس کتاب کو ضرور دیکھنا بابا صاحبؒ کا وہی عقیدہ ہے جو تمہید میں ابو شکور سالمی نے لکھا ہے۔"

رسالہ الفرقان جب آتا تو خوش ہو جاتے فہرست مضامین سننے کے بعد فرماتے کہ مولانا نعمانی دامت برکاتہم کا درس قرآن اور معارف الحدیث یا مولانا کی کوئی نئی تصنیف آگئی؟ سناؤ پھر سنکر فرماتے کیا عمدہ تفسیر اور حدیث کی تشریح کی ہے پھر مولانا نعمانی کو دعا دیتے رہتے کہ اللہ تعالے مولانا کی عمر میں برکت دے۔ (آمین)

اسی طرح جب مولانا علی میاں کی کتاب آتی تو بہت خوش ہوتے مولانا کی کتابوں کو بڑے ذوق وشوق سے سنتے اور طرز نگارش پر داد دیتے اور فرماتے کہ سبحان اللہ کیا عمدہ کتاب لکھی ہے، آنے جانے والے اہلِ علم حضرات کو بھی ان دونوں بزرگوں کی تصنیفات کی طرف توجہ دلاتے۔

جب استفتاء آتا تو اس کے جواب کی فکر ہوتی فتاویٰ دار العلوم، فتاویٰ سعدیہ قلمی[2]، فتاویٰ سہولیہ[3]، کفایت المفتی اور دوسرے فتاویٰ سنتے، پوری طرح اطمینان ہو جاتا تب اسکا جواب لکھواتے جس سے مستفتی مطمئن ہو جائے مولانا کی تحریروں میں کہیں جھول نہیں ہوتا تھا اگر پھر بھی ضرورت محسوس ہوتی تو دار العلوم دیوبند، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی طرف رجوع فرماتے افسوس کہ آپ کے فتاویٰ مرتب نہ ہو سکے

ہم خدام دیکھتے تھے کہ ہمارے حضرت مولانا فریدی کو اپنے اکابر و مشائخ کی کتابوں اور ان کے مکتوبات و ملفوظات اور ان کی سیرت و سوانح سے کتنا شغف رہتا تھا، اور وہ ان چیزوں کو کتنی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور ہمہ وقت انکی اشاعت کی کتنی فکر

---

[1] یہ کتاب علم عقاید میں ہے۔
[2] مولفہ مولانا مفتی سعد اللہ رام پوری۔
[3] مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوری۔

انھیں رہتی تھی، چنانچہ کبھی حضرت نانوتویؒ کی کسی غیر مطبوعہ تحریر کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا تو فرائد قاسمیہ نامی حضرت نانوتویؒ کے غیر مطبوعہ مضامین[1] کا مجموعہ جو ۱۹۸۰ء تک طبع نہیں ہوا تھا پھلاودہ سے لاکر اسکو طبع کرایا اور اس پر سولہ[۱۶] صفحہ کا مقدمہ لکھا ایک ایک لفظ کی تحقیق کرکے یہ کتاب طبع ہوئی دو جگہ شبہ تھا دہلی جاکر اسکو احقر سے قلم زد کرایا جب وہ قلم زد ہو گیا تب اطمینان ہوا۔

اسی طرح حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ حضرت گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ کی غیر مطبوعہ تحریروں کو طبع کرانے کی بھی فکر رہتی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نادر مکتوبات کے طبع ہونے کی فکر رہی اس سلسلہ میں بڑی جدوجہد کی، مکتوبات کے ایک ایک لفظ کی تحقیق فرمائی جہاں ذرا شبہ ہوتا فرماتے، مصباح اللغات اور غیاث اللغات میں دیکھو اس لفظ کی تصحیح کی جاتی بالآخر تین سو تیرہ[۳۱۳] مکتوبات عربی فارسی دو جلدوں میں مرتب کئے، اور دونوں ہی جلدوں کے اردو ترجمے کئے، ابھی یہ مکتوبات طبع نہیں ہو سکے

حضرت محدث امروہیؒ کے مکتوبات جو مولانا سید عبد الغنی پھلاودیؒ کے نام ہیں ان کو طبع کرانے کی فکر رہی۔ یہ مکتوبات ایک سو اکیاون[۱۵۱] ہیں جو کہ فارسی اور اردو میں ہیں احقر سے انکو متعدد مرتبہ سنا اسکے بعد کتابت ہوئی اور مرض الموت میں جبکہ آواز بالکل نحیف ہو چکی تھی احقر سے انکا مقدمہ املا کرایا جو صرف ۱۲۔۱۳ صفحہ کا ہو سکا ایک ایک لفظ کی تحقیق کرکے املا کرایا فرماتے رہے کہ میری زندگی میں یہ دونوں مکتوبات طبع ہو جاتے تو اچھا تھا پھر فرماتے کہ انسان کی ہر تمنا پوری نہیں ہوتی۔

مکتوبات اکابر[2] دیوبند جس میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت شاہ عبد الغنی مجددی دہلویؒ مہاجر مدینہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین عثمانی دیوبندیؒ حضرت شیخ الہندؒ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دیگر چند حضرات کے مکتوبات ہیں جو اجلاس صد سالہ سے پہلے طبع نہیں ہوئے تھے، انھیں اس کی

---

[1] ان مضامین کو مولانا حافظ حاجی سید محمد عبد الغنی پھلاودیؒ نے مرتب فرمایا اور فرائد قاسمیہ نام رکھا

[2] یہ مکتوبات دفتری نور الحق عثمانی دیوبندی مرحوم نواسۂ قطب عالم حضرت مولانا شاہ رفیع الدین عثمانی دیوبندیؒ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند سے ملے۔ اور حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہیؒ نے ان کا مقدمہ لکھا

شدید فکر تھی کہ اجلاس سے پہلے یہ طبع ہو جائیں۔ اللہ کا کرنا کہ جب اجلاس صد سالہ میں تشریف لے گئے تو احقر ایک دن کتابوں کی دوکانوں کی سیر کر رہا تھا اچانک "مکتوبات اکابر دیوبند مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی" پر نظر پڑ گئی ــــــ فوراً ایک نسخہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، آپ نے مدنی مہمان خانہ میں لیٹے ہوئے تھے، فرط مسرت سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ کتاب آنکھوں سے لگائی اور فرمانے لگے میاں تم نے سفر کی قیمت وصول کر دی پھر فرمایا چند نسخے اور لے آؤ۔

## مطالعہ

آپ کے شوق مطالعہ کا حال کیا لکھا جائے قلم عاجز ہے اگر چہ کم از کم اس ناچیز نے اس دور میں مطالعہ و تحقیق کا ایسا ذوق رکھنے والا نہ دیکھا نہ سنا۔

مطالعہ آپ کی روحانی غذا تھی کثرت مطالعہ کی وجہ سے آپ کی گردن خمیدہ ہو گئی تھی اور اسی بنا پر بصارت ظاہری جاتی رہی تھی اسکی ایک ظاہری وجہ یہ بھی تھی کہ آپ اکڑوں بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں کتاب لے کر مطالعہ فرمایا کرتے تھے، اور غالباً یہ معمول ادب کی وجہ سے بنایا تھا۔

## عام اصلاح و خدمتِ دین کی فکر اور اسکے لئے جد و جہد

ان اعلیٰ علمی و تحقیقی خدمات کے ساتھ آپ اقامت دین، احیاء سنت، ترویج شریعت، تصحیح عقائد، اصلاح اعمال و اخلاق، اور امت کی عمومی خدمت کی طرف بھی پوری توجہ اور اس کے لئے بڑی جد و جہد فرماتے تھے۔ آپ کی تقریر نہایت سادہ سلیس، جامع و مدلل اور بے حد موثر ہوتی تھی ما فی الضمیر بڑی خوبی اور سلاست و فصاحت سے ادا فرماتے تھے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بات کہنے میں بناوٹ، لگاوٹ، دکھاوٹ نہیں ہونی چاہئے آپ کا وعظ عام فہم ہوتا تھا جس سے ادنیٰ و اعلیٰ، امی و عالم سبھی مستفیض ہوتے تھے۔ گویا اس شعر کا مصداق ؎

پسند کریں خواص جسکو سمجھ میں آئے عوام کی بھی ۔۔۔ غرض ہو سکی پسند خاطر یہی ہے خوبی کلام کی بھی

تبلیغی اجتماعات میں آپ جماعت کے اصول کے مطابق چھ نمبر بیان فرمایا کرتے تھے

اور فرماتے تھے کہ جماعت والوں کو چھ نمبروں ہی کے اندر رہنا چاہئے، اور یہ چھ نمبر اس دلنشیں انداز میں بیان فرماتے تھے کہ روح کو فرحت حاصل ہوتی تھی اور ایمان میں تازگی آجاتی تھی۔

## اتباع سنت

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

آپ کی پوری زندگی اتباع رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں گذری ہر معاملہ میں سنت کا خیال رہتا تھا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا، سونا جاگنا۔ بات چیت۔ بول و براز غرض ہر معاملہ میں سنت کا اہتمام رہتا تھا آخر وقت تک بول و براز کے وقت پانی سے پہلے مٹی کا استعمال ضرور فرماتے تھے، کبھی بھی ننگے سر رفع حاجت کو نہیں بیٹھے۔ ایک مرتبہ علالت کے زمانہ میں احقر نے ننگے سر رفع حاجت کو بٹھا دیا فوراً فرمایا ٹوپی لاؤ، چلنے میں نگاہ نیچی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اوپر سے نیچے کو چل رہے ہیں۔ آج کل دعوتوں میں کرسی میز کا رواج عام ہوگیا ہے اگر آپ کو کسی ایسی دعوت میں شریک ہونا پڑا تو اپنا رومال نیچے بچھایا اور کھانے بیٹھ گئے۔

## اخلاق

آپ اخلاق حسنہ سے متصف تھے ہر ایک کا بڑا اعزاز و اکرام فرماتے اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے جس سے ہر آنے والا یہ گمان کرتا تھا کہ حضرت کو مجھ ہی سے سب سے زیادہ محبت ہے۔ احقر کو آپ سے اکیس ۲۱ سال تک قریبی تعلق رہا۔ آپ اپنے اخلاق کریمانہ سے ہمیشہ نوازتے رہے، احقر جب اپنے والد کے انتقال کی خبر پر گھر جانے لگا تو رات کے تقریباً ۱۰ بجے سخت سردی کے موسم میں امروہہ اسٹیشن تک پہنچانے کے لئے پیدل تشریف لے گئے حالانکہ میں منع کرتا رہا لیکن آپ نے فرمایا کہ مجھے تو تمہارے گھر تک جانا تھا، والدہ ماجدہ کی تسلی کے لئے ایک تعزیتی گرامی نامہ خود اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا۔
اللہ نے مجھے حضرت کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع عنایت فرمایا بعض صفات پر

آپ کا ثانی بظاہر کوئی نظر نہیں آتا۔ سفر میں دیکھا حضر میں دیکھا خلوت میں دیکھا جلوت میں دیکھا مولانا نام و نمود اور شہرت سے کوسوں دور تھے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات گوناگوں خوبیوں کی جامع تھی جس کا احصاء مجھ جیسے نااہل سے مشکل ہی نہیں محال ہے۔ اگر آپ کے اخلاق کو جمع کیا جائے تو ایک دفتر درکار ہوگا۔ میں تو صرف اتنا کہونگا کہ آپ اپنے اخلاق عالیہ میں سلف صالحین کا نمونہ تھے اس ضمن میں چند نمونے خاص طور سے نذر ناظرین کرتا ہوں۔

## اعتدال و توازن

اگرچہ آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خصوصی و جاں نثار شاگرد و مسترشد تھے لیکن اسکے باوجود آپ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے تصوف میں بڑے مداح تھے حضرت تھانویؒ کو تصوف کا امام مانتے تھے فرمایا کرتے تھے، کہ حضرت تھانویؒ نے تصوف کو اردو میں لکھ کر بہت بڑا احسان کیا ہے اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے تصوف کے حضرت تھانویؒ شارح ہیں حکیم الامت کا جو خطاب ملا ہے وہ بالکل بجا ہے ___ استاد مکرم نے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات وارشادات پر بہت کام کیا جو "الفرقان" میں قسط وار شائع ہو چکا ہے جس سے امت کو بہت فائدہ ہوا ___ ایک واقعہ اور بھی سپرد قلم کرنا چلوں جس سے حضرت تھانوی کی ذات گرامی کے ساتھ مولانا کے روحانی تعلق کا اندازہ لگانے میں آسانی ہوگی۔ ایک مرتبہ مولانا کی سمجھ میں مثنوی مولانا روم کا یہ شعر نہیں آرہا تھا۔

؎ کور کورانہ مرو در کربلا     تا نیفتی چوں حسین اندر بلا

انہی دنوں حضرت تھانوی کو خواب میں دیکھا کہ آپ اس شعر کو پڑھ رہے ہیں اور اسکی تشریح بھی فرمارہے ہیں التکشف عن مہمات التصوف۔ کو دہلی سے منگا کر دیکھا تو ہو بہو وہی تشریح تھی جو خواب میں حضرت تھانویؒ نے کی تھی ___ جس زمانہ میں مولانا دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے عام طلبہ دو دھڑوں میں منقسم تھے، ایک حسینی دوسرا اشرفی آپنے ان دونوں میں سے کسی میں حصہ نہیں لیا ___ پھر اجلاس صد سالہ کے بعد جو ناخوشگوار احوال و کوائف دارالعلوم دیوبند کو پیش آئے اس دوران جب کوئی شخص آپ کی

رائے معلوم کرنا چاہتا تھا تو آپ جذبات سے بے قابو ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ میں صرف شوریٰ تک ساتھ ہوں تا کہ شوریٰ کی حیثیت قائم رہے۔ ورنہ تم حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کے متعلق پوچھنا چاہتے ہو ــــ وہ قاسم العلوم والمعارف کے پوتے ہیں جنھوں نے دارالعلوم کو احاطہ مولسری سے نکال کر ایشیا اور یورپ تک پہنچا دیا۔ ان کی وہ حیثیت ہے کہ انکی پچاس سالہ خدمات پر ایک اجلاس منعقد ہونا چاہیئے۔ میری تمنا ہے کہ قاری طیب صاحب دارالعلوم کے اندر داخل ہو جائیں میں اور کسی کو نہیں جانتا۔ صلح کرانے کیلئے ایک وفد کے ساتھ آپ نے دیوبند کا سفر بھی کیا تھا ــــ آپ دوسروں کے اخلاق کے بھی قدردان تھے۔ بزمانہ طالب علمی قیام دارالعلوم دیوبند کے دوران خواجہ حسن نظامی دہلوی مرحوم سے ایک مناظرہ سماع بالمزامیر پر ہوا جو "رسالہ منادی" میں شائع ہوتا رہا آخر نظامی صاحب نے ہتھیار ڈال دیے نظامی صاحب مرحوم سے تسلی بخش جواب نہ بن پڑا۔ تو انکے ایک مرید نے خط لکھا کہ خواجہ صاحب میں آپ کا مرید ہوں آپ کی بات سر آنکھوں پر مگر آپ سے امروہہ والے کا جواب نہ ہو سکا خواجہ صاحب مرحوم نے اس خط کو بھی ــــ "منادی" میں شائع کر دیا۔ اس پر آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ نظامی صاحب مرحوم کے اونچے اخلاق کی بات ہے ورنہ کوئی بھی اپنے خلاف خط کو شائع نہیں کرتا۔ اگر کوئی اور پیر ہوتا تو اسکو اپنی مریدی سے نکال دیتا۔"

## خودداری

آپ کی طبیعت نہایت خوددار واقع ہوئی تھی جس کے ہزاروں میں سے صرف دو نمونے ناظرین کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ جب آپ تحصیل علم کیلئے دارالعلوم دیوبند جانے لگے تو ایک صاحب نے طعنہ دیا کہ میاں وہاں زکوٰۃ خیرات کی روٹیاں کھاؤ گے آپ کی خوددار طبیعت پر اسکا بہت اثر ہوا اور طے کیا کہ مجھے دارالعلوم دیوبند ضرور جانا ہے اور دارالعلوم کا کھانا نہیں کھانا ہے چنانچہ دارالعلوم دیوبند پہنچے شیخ الادب الفقہ کے پاس امتحان داخلہ ہوا کھانے کا نمبر آیا مگر آپ نے دارالعلوم کا کھانا منظور نہ کیا ایک ہوٹل والے سے تین روپیہ ماہوار پر دونوں وقت کا کھانا طے ہوا جس میں یہ طے ہوا کہ روٹی اور سالن ہوگا

لیکن سالن صرف نمک مرچ کا سادہ ہوگا، گھی اور مصالحہ کچھ نہیں ہوگا، آپ کے چچا شبیر احمد صاحب فاروقی (والد ماجد افتخار احمد فاروقی) ساکن لاہور جن کا قیام اسی زمانہ سے لاہور میں تھا انکو معلوم ہوا تو ہر ماہ پانچ روپیہ بھیجنے لگے جس میں سے آپ تین ۳ روپیہ ہوٹل والے کو دیتے تھے اور باقی دو ۲ روپیہ میں بقیہ تمام ضروریات پوری کرتے تھے تیسرے سال حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح نے اپنی درس بخاری کی تقریر نقل کرنے کے لئے آپ کو مقرر کیا جس کی اجرت چودہ آنے فی جز (۸۸ پیسے) مقرر کی تھی آپ رات کو نو ۹ دَرے کے سامنے لالٹین کی روشنی میں مولسری کے درخت کے نیچے نقل کرتے تھے، جب آپ کو یہ آمدنی ہونے لگی تو اپنے چچا شبیر احمد صاحب فاروقی کو لکھ بھیجا کہ اب آپ اپنا عطیہ نہ بھیجا کریں کیونکہ میں اب خود کفیل ہوگیا ہوں۔

**۲**۔ قیام دار العلوم کے زمانے میں ایک کرتہ ایک پائجامہ اور ایک لنگی تھی جمعہ کے دن لنگی پہن لیتے اور دونوں کپڑے دھو لیتے تھے۔ پائجامہ گھٹنے پر سے پھٹ جاتا تھا، اسکو سی لیتے تھے بار بار کے پھٹنے اور سلنے سے گھٹنے پر تہ بہ تہ ہوگیا تھا۔ ایک دن دفتری نور الحق صاحب مرحوم ایک جوڑا لائے اور کہا اسکو قبول کر لیجئے آپ نے فرمایا مجھے ضرورت نہیں ہے اور جوڑا واپس کر دیا بعد کو معلوم ہوا کہ یہ صاحب حضرت شاہ رفیع الدین عثمانی کے نواسے ہیں تو فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس تبرک کو واپس نہیں کرنا تھا یہ دونوں واقعے متعدد مرتبہ احقر سے بیان فرمائے۔

## شفقت، تحمل، بردباری

۵ پختہ طبیعوں پہ حوادث کا نہیں ہوتا اثر کوہساروں میں نشان نقش پا ملتا نہیں

آپ فطرۃً منتقل مزاج متحمل و بردبار واقع ہوئے تھے، اس سلسلے میں بے شمار واقعات ہیں اپنی ذات سے متعلق کتنا ہی ناخوشگوار واقعہ کیوں نہ پیش آگیا ہو لیکن کبھی آپ کو کسی پر غصہ آتے نہیں دیکھا گیا بلکہ عفو و درگذر کا معاملہ فرماتے تھے نیز اپنے چھوٹوں پر بڑے شفیق تھے حتی کہ چھوٹے آپ کو اپنے والدین سے زیادہ مہربان پاتے چہرۂ مبارک پر ہر وقت بشاشت رہتی تھی سخت سے سخت مصائب کا بھی بڑی خندہ پیشانی سے مقابلہ فرماتے

---

لہ مولانا ابو الوحید صاحب فتحپوری نے ڈابھیل سے اس تقریر کی پہلی جلد درس بخاری کے نام سے شائع کرا دی ہے موصوف حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح کے شاگرد ہیں۔

گویا رضا بالقضاء کا معاملہ رہتا تھا ـــــ تحمل کا ایک واقعہ سنتے چلیئے میرے عزیز دوست مولانا حکیم عطاالرحمٰن صاحب ساکن موضع گلڑیہ معافی تحصیل ٹھاکردوارہ جو کہ حضرت کے قدیم شاگردوں میں سے ہیں انکی درخواست پر انکی شادی میں تشریف لے گئے ان کا بیان ہے مئی کا مہینہ تھا سخت گرمی تھی بادسموم کے جھونکے تیز تھے بارہ۱۲ کوس کے فاصلے پر بارات جانی تھی راستہ خام دشوار گذار تھا حضرت بارہ۱۲ بجے دوپہر کو رتھ میں دو طالب علموں کے ہمراہ روانہ ہوئے راستے کی پریشانیوں کو برداشت کرتے ہوئے رتھ بان کی کم عقلی کی وجہ سے رات کو گیارہ۱۱ بجے منزل مقصود پر پہنچے سب لوگ انتظار میں پریشان تھے انکے والد صاحب رضا کچھ گرم مزاج تھے رتھ بان کو ڈانٹنا شروع کیا لیکن آپ نے ہنس کر فرمایا کہ اس نے تو ہمیں راستہ بھر بہت خوش رکھا ہے یہ کہہ کر آپ نے رتھ بان کو انعام دیا حضرت کے اس طرز عمل پر سب ہی لوگ بہت متاثر ہوئے یہ آپ کے تحمل کا ادنیٰ نمونہ ہے۔

## سادگی

آپ انتہائی سادگی پسند، متواضع، منکسر المزاج اور ہر قسم کے تکلف سے بے نیاز تھے، خوراک و لباس میں بھی حد درجہ سادگی تھی، لباس ایسا استعمال فرماتے تھے کہ نو وارد کو پہلی ملاقات میں یہ یقین ہی نہ آتا تھا کہ یہ وہی مولانا نسیم احمد فریدی ہیں جنکی علمی شہرت کا غلغلہ ہند وبیرون ہند میں ہو رہا ہے خوراک کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ناشتے میں ہمیشہ باسی روٹی استعمال فرماتے تھے، سادگی کے متعلق تو قلم حیران ہے کہ تصویر کیسے کھینچوں، جن لوگوں نے انھیں دیکھا تھا انکو تو سمجھانے کی ضرورت نہیں، اور جنھوں نے نہیں دیکھا، کم از کم میرے لئے ان کو سمجھانا اور یقین دلانا بہت دشوار ہے بس یہ سمجھ لیجئے کہ غائبانہ تعارف رکھنے والے جب ملاقات کو آتے اور تعارف ہوتا تو کچھ دیر ششدر و حیران رہتے اور انھیں شک رہتا کہ وہ کسی اور سے تو ہم کلام نہیں ہیں، پھر جب سلسلۂ گفتگو شروع ہوتا تب مطمئن ہوتے۔

## تقویٰ

ورع و تقویٰ اور احتیاط کے باب میں آپ کی حالت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مسجد کے جس کمرے میں آپ کی کتابیں رہتی تھیں اگرچہ وہ کمرہ ایک صاحب خیر نے آپ ہی کے

استعمال کیلئے بنوایا تھا مگر آخر وقت تک اس کا کرایہ ادا فرماتے رہے مسجد کی روشنی میں کام کیا تو اس کا بل ادا کیا سردی کے موسم میں گرم پانی سے وضو کرتے تھے تو اپنی طرف سے مسجد میں ایندھن کا انتظام کراتے تھے جبکہ عقیدتمند آپ کی طرف سے لکڑیاں پہنچوا بھی دیتے تھے جب بھی کسی مدرسہ میں بغرض امتحان یا شرکت جلسہ جانا ہوتا تو اپنے کرایہ سے جاتے اگر کسی وقت مدرسہ کا کھانا کھایا تو چندہ کے عنوان سے مدرسہ میں رقم جمع کرادی بارہا ایسا ہوا کہ مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ دہلی میں آتے جاتے ایک شب قیام ہوتا صبح کو فرماتے کہ میاں مدرسہ کے حساب میں اتنا روپیہ جمع کردو تقریبی دعوتوں میں انتہائی تحقیق کے بعد شرکت فرماتے اگر ذرا بھی مال مشتبہ یا خلاف شرع امور کا علم ہوتا تو اعراض فرماتے ۔

## سخاوت

۵ عدیل ہمت سا قیست فطرت عرفی کہ حاتم دیگراں و گدائے خویشتن ست

یہ شعر استاد مکرم پر پوری طرح صادق آتا تھا آپ کی سخاوت کا کیا کہنا سخی کے متعلق آتا ہے کہ ایک سخی وہ ہے جو خود دوسروں کی ضرورت پوری کردے دوسرا وہ ہے جو چل پھر کر دوسروں سے پوری کرادے آپ میں دونوں صفتیں جمع تھیں ۔ بہت بیواؤں، ضرورتمندوں اور حاجتمندوں کی ضروریات آپ سے وابستہ تھیں اپنے قریبی خدام سے انکے گھروں پر پہنچواتے تھے ۔ اگر باہر سے کوئی پریشانی لکھتا تو اسکی خدمت کی فکر کرتے منی آرڈر روانہ کرنے پر بھی یہی احقر مامور تھا، طلبۂ علم دین کی ضرورت خواہ طالب علم امروہہ، دیوبند، سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہو یا اور کسی مدرسہ میں ۔ ہر ممکن مدد فرماتے ۔ احقر کی تمام تر ضروریات کے تو آپ ہی کفیل تھے ہمیشہ ایسا ہوتا رہا کہ جب بھی احقر مکان گیا تو آمد و رفت کا کرایہ عنایت فرماتے کبھی صرف جانے کا ہوتا جب گھر پہنچا تو ۱۰ - ۱۵ دن کے بعد منی آرڈر پہنچا اور میں سمجھ جاتا کہ طلبی ہے فوراً واپسی کا پروگرام بنا لیتا ۔ حیات مستعار کی آخری شب جیب میں صرف سترہ ۱۷ روپیہ تھے وہ بھی ہم خدام پر صرف فرما دیے ۔

## عشق رسول و رقتِ قلب

مولانا کے دل کو اللہ تعالےٰ نے جو سوز و گداز دیا تھا، اور سینے میں عشق رسول کی جو آگ

بھڑک رہی تھی، مولانا اکثر اسے چھپانے میں کامیاب رہتے تھے، لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ پڑتا، اور آپ کی چیخیں نکلنے لگتیں ایسا ہی ایک واقعہ پیش خدمت ہے! ایک دن ایک صاحب نے تعمیر حیات کا پرچہ لاکر دیا اس میں ایک مضمون مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا تھا جس کا عنوان تھا ـــــ کس منہ سے کہتے ہو کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ـــــ فرمایا کہ سنا ؟ جب مولانا اپنے رنگ پر آتے ہیں اور ان کا قلم جوش میں آتا ہے تو عجیب رنگ دکھاتا ہے اور بات میں بات نکلتی ہے ـــــ لکھتے ہیں مدینہ میں جو پایۂ تخت قائم ہوا وہاں تخت کی جگہ منبر بچھایا گیا وہی مسجد ہے وہی جھونپڑے ہیں وہی چمڑے کا اکھر اکڈ الاہے۔ نہ حاجب ہے نہ دربان ہے۔ امیر بھی آتے ہیں غریب بھی آتے ہیں دونوں کے ساتھ ایک معاملہ ہے عجب دربار ہے۔ سلاطین کہتے ہیں شاہی دربار تھا، فوج تھی، علم تھا، پولیس تھی، جلاد تھے۔ محتسب تھے، گورنر تھے، کلکٹر تھے منصف تھے، ضبط تھا۔ قانون تھا ـــــ مولوی کہتے ہیں مدرسہ تھا کہ درس تھا، قضا تھا، تصنیف تھی، تالیف تھی، محراب تھی، منبر تھا۔۔ صوفی کہتے ہیں خانقاہ تھی۔ کہ دعا تھی، جھاڑ تھی، پھونک تھی، ورد تھا، وظیفہ تھا، ذکر تھا، شغل تھا، تحنث (چلہ) تھا، گریہ تھی، بکاء تھا، وجد تھا، حال تھا، کشف تھا، کرامت تھی، فقر تھا، فاقہ تھا، زہد تھا، قناعت تھی ـــــ بس یہاں تک سنا تھا کہ مولانا کی آنکھیں بہہ پڑیں، روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، سبحان اللہ سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہونے لگیں! ایک حال سا مولانا پر طاری ہو گیا۔۔۔۔ اور بہت دیر بعد مولانا کی طبیعت معمول پر آئی۔۔۔۔

## مقبولیت و جامعیت

انہی اخلاق کریمانہ کا نتیجہ تھا کہ آپ کی مسجد میں ہر وقت آنے جانے والے لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا ہم لوگ ورد دیکھتے کہ استاد مکرم کی مسجد پر ہر کمرٹ بنی رہتی ہے آپ مفتی بھی تھے اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بھی۔ صبح فجر کے بعد سے رات تک لوگوں کی آمد کا سلسلہ رہتا تھا۔ جس میں شہر کے بھی ہوتے بیرون شہر کے بھی۔ ہر ایک اپنے اپنے مسائل پیش کرتا۔ ہر شخص کو تسلی بخش جواب ملتا، دینی ہو یا دنیوی، سیاسی ہو یا معاشی، آپسی معاملات

ہوں یا کسی مسجد، مدرسہ کا قضیہ ہو یہاں تک کہ مریض ہو پریشان حال ہو سب کو مطمئن فرماتے، سب کی پریشانیوں کو دور کرنے کی کوشش فرماتے عجیب دربار تھا۔ ہم لوگ دیکھتے کہ ہر ایک خوش اور مطمئن ہو کر جا رہا ہے۔ ہاں اگر حکم الٰہی یا فرمانِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی آپ کو مرعوب کرنے یا استعمال کرنے کی کوشش کرتا تو رگِ فاروقی جوش میں آجاتی، آپکے پاس نہ فوج تھی نہ پولیس، مگر آپ اس دیار کے بے تاج بادشاہ تھے۔ آپ کا حکم ماننے کو بلا قید مذہب و ملت، عقیدہ و مسلک ہر ایک تیار کھڑا رہتا۔ بلکہ آپ کے اوپر اپنی جان نثار کرنے کا خواہشمند رہتا۔ رئیس احمد رئیس امروہوی نے آپ کی منقبت میں سدس لکھی ہے اسکے آخری بند کا آخری شعر ہے ؎

ناز تھا انسانیت کو جس پہ وہ انسان تھا
تاج کی خواہش نہ تھی بے تاج کا سلطان تھا

آپ کی علمی و دینی مجلس روحانی تربیت کا وہ مرکز تھی جہاں علم معرفت کے طالبین اور وادی سلوک کے سالکین کی رہبری ہوتی تھی جب آپکے فضل و کمال کی شہرت عام ہوئی اور روہیلکھنڈ سے نکل کر دہلی میرٹھ، ہند و بیرون ہند میں پہنچی تو آپکے آستانہ فیض پر بے شمار لوگ دلی عقیدت کے ساتھ حاضری دینا اپنی سعادت سمجھتے اور طمانیت قلب کی دولت سے بہرہ ور ہو کر واپس جاتے اس طرح اصلاحی و دینی خدمات کے ساتھ ساتھ حاجات مخلوق کو پورا کرنے کی جدوجہد میں بھی آپ آخری تک مصروف و کوشاں رہے۔

## سفر حج

سفر حج سے متعلق چند واقعات جو آپ کے رفیق سفر ماسٹر حاجی علاؤالدین صاحب کی زبان سے خود سنئے ان کا بیان ہے ——— "مارچ ۱۹۶۱ء میں حضرت کے ہمراہ حج کی سعادت نصیب ہوئی سفر میں میں انکی خدمت کیا کرتا، خود میری خبر گیری و راحت رسانی میں پیش پیش رہتے۔ ریل و جہاز میں ہر وقت اپنے قریب ہی بٹھاتے جب ہمارا قافلہ بمبئی اسٹیشن پر پہنچا تو ایک معلم صاحب ریل کے ڈبے کے قریب آئے معلم صاحب حضرت سے بغل گیر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت آپ کا قافلہ ہمارے یہاں رہے گا آپنے فرمایا کہ ہم معلم عبید الرحمٰن کو طے کر چکے ہیں پھر بھی انھوں نے اصرار کیا کہ آپ کا قافلہ تو انکے یہاں چلا جائے اور آپ مع ہمراہی کے رہیا

تشریف لے چلیں آپ نے اسکو بھی منع فرمادیا وہ یہاں تک مُصر ہوئے کہ آپ کے اور آپ کے ہمراہی کے پورے سفر حج کے تا واپسی تمام اخراجات میرے ذمہ ہیں یہ بھی آپ نے قبول نہ کیا۔ اسٹیشن سے مسافر خانہ پہنچے اپنا قیام عام حاجیوں کے ساتھ رکھا حالانکہ منتظمین مسافر خانہ نے آپ کے قیام کا الگ بندوبست کرنا چاہا مگر اسے منظور نہ فرمایا۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی سے ملنے تشریف لے گئے تو انھوں نے بھی الگ سے قیام کا بندوبست کرنا چاہا لیکن مولانا نے معذرت کردی۔ یہاں پر دن رات آپ سے ملنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اور ہر شخص زیادہ سے زیادہ آپ کی راحت رسانی کا متمنی ہوتا لیکن آپ فرماتے کہ میاں آنے جانے والوں کی ٹھوکریں لگتی ہیں تو بڑا مزا آتا ہے۔ آپ مسافر خانہ میں تبلیغی کام بھی برابر انجام دیتے رہے کبھی جماعتوں کی روانگی کی دعا کرتے کبھی بیان فرماتے تو کبھی کام کرنے والوں کو قیمتی مشوروں سے نوازتے عجیب کیفیت رہی۔ پاسپورٹ کے ضروری قواعد سے فارغ ہوکر اب قافلہ بندرگاہ روانہ ہوا۔ جہاز میں سوار ہوئے جہاز میں بھی ملنے والوں کی بڑا زبردست بھیڑ رہتی عام حاجی سے لے کر علماء تک ملاقات کیلئے آتے یہاں بھی تبلیغی کام میں آپ کی مشغولیت برابر جاری رہی —— ۸ دن جہاز کا سفر رہا آٹھویں دن جدہ کی بندرگاہ پر جہاز لنگر انداز ہوا جمعہ کی نماز مسافر خانہ کی مسجد میں ادا کی دوسرے دن مکہ معظمہ پہنچے بیت اللہ شریف میں حاضری ہوئی، طواف سے فارغ ہوکر مدرسہ صولتیہ پہنچے شیخ سلیم آپ سے ملکر بہت مسرور ہوئے خوب زمزم پلایا اور میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا۔ ماسٹر صاحب یہ اللہ کے ولی ہیں آپ کا ڈبل حج ہوگا۔ یہاں سے آپ زمزمی صاحب سے ملاقات کیلئے گئے جیسے ہی دروازے کے اندر قدم رکھا زمزمی صاحب لپک کر صحن میں آپ سے چمٹ گئے بہت زیادہ تعریف کی تو آپ نے فرمایا میں کس قابل ہوں زمزمی صاحب نے فرمایا میں سب جانتا ہوں گدڑی میں لعل ہے۔ مدینہ منورہ میں ایک امریکن سے ملاقات ہوئی انھوں نے درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ امریکہ چلیں آپ نے انکار فرمادیا انھوں نے کہا کہ اگر آپ منظور نہیں فرمائیں گے تو شاہ سعود سے سفارش کراؤں گا فرمایا کہ میرے ساتھ مجبوری ہے میرے ڈو بھائی مجذوب صفت ہیں انکی خبرگیری میرے ذمہ ہے۔ اسکے بعد وہ مایوس ہوگئے —— حرمین شریفین کے تاجروں کے متعلق فرمایا کہ ان سے سودا لے تو حجت نہ کرے انکا ہمارے اوپر حق ہے کہ بغیر مال لئے ہی انکی خدمت کریں —— مدینہ منورہ میں ایک دن بارش ہوئی تو کیفیت

بدل گئی جب گنبد خضرا پہ بارش کی بوندیں پڑ رہی تھیں تو آپ گنبد خضرا کے نیچے پہنچے اسکی بوندیں اپنے سر پر لیں اور میرے سر پر بھی ڈالیں۔

## اسفار

کثرت مشاغل و معذوری بینائی کے باوجود آپکے بے شمار اسفار متعدد مقامات کیے ہوئے جو اکثر و بیشتر علمی تحقیق و جستجو، تبلیغ و اشاعت، اکابر سے ملاقات دینی مجالس میں شرکت کی غرض سے ہوتے تھے مسجد و مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھنے کیلئے آپ کو مدعو کیا جاتا تھا بلا فرق قریب و بعید ہر جگہ بطیب خاطر تشریف لیجاتے تھے صرف ایک سفر (سفر سرہند) کے مختصر احوال اس سفر میں آپ کے رفیق مولانا حافظ قاری محمد الیاس میرٹھی کی زبانی ناظرین کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں۔[۱]

## سفر سرہند

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ صبح کو بذریعہ بس امروہہ سے میرٹھ پہنچے اور مدرسہ نورانیہ ضیاء الفرقان واقع محلہ پروا الٰہی بخش میں قاری محبوب الٰہی صاحب کے یہاں قیام کیا۔ صبح کو بذریعہ ریل گاڑی سرہند کیلئے روانگی ہوئی افطار کا سامان سہارنپور ریلوے اسٹیشن سے خرید لیا ظہر کی نماز ریل گاڑی میں ادا کی عصر کی نماز درگاہ مجدد الف ثانیؒ کی مسجد میں پڑھی منتظم درگاہ نے ایک چھوٹا سا حجرہ قیام کیلئے منتخب کیا جس میں روشنی اور فرش کا بھی انتظام نہ تھا، افطار مسجد میں عام دسترخوان پر ہوا۔ نماز مغرب کے بعد کھانا بھی اسی حجرہ میں کھایا۔ نماز عشاء کے لئے مسجد میں پہنچ گئے تراویح میں کوئی سامع نہیں تھا حضرت نے ہی لقمہ دیا نماز سے فراغت کے بعد اجتماعی دعا ہوئی اسکے بعد موذن صاحب (جو سجادہ نشین صاحب کے ماموں تھے) انکی حضرت سے اس انداز میں گفتگو ہوئی ـــــ "آپ کہاں سے آئے ہیں؟" ـــــ "امروہہ سے" ـــــ "آپ کا نام کیا ہے؟" ـــــ "نسیم احمد" ـــــ "ایک نسیم احمد تو فریدی ہیں آپ انھیں جانتے ہیں؟" ـــــ "آپ انھیں کیسے جانتے ہیں؟" ـــــ "انھوں نے

---

[۱] فاضل مضمون نگار مولانا محب الحق صاحب نے کئی اسفار کے حالات لکھے تھے لیکن گنجائش کی کمی کی وجہ سے صرف ایک سفر کے حالات کا اس نمبر کیلئے انتخاب کرنا پڑا ـــ (مدیر)

حضرت مجددؒ اور حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات کا ترجمہ کیا ہے یہ بہت بڑا کام کیا ہے" ــــــ "میں نے ہی ترجمہ کیا ہے"......!!

اس گفتگو کے بعد موذن صاحب نے بہت احترام کا معاملہ کیا خادم کو حکم دیا کہ حضرت کا بستر مہمان خانہ میں پہنچاؤ۔ مہمان خانہ میں اونچے اونچے پلنگ اور دبیز گدے تھے لیکن حضرت نے باوجود اصرار منتظمین کے فرش زمین پر ہی آرام کیا یہ احترام تھا اس مقام کا ــــــ ایک دن کے قیام کے بعد سہارنپور واپسی ہوئی۔ سہارنپور رات کو پہنچے حضرت شیخ الحدیث کے آرام کا وقت تھا اس لئے مسجد میں قیام کیا صبح کو بیداری پر حضرت شیخ الحدیث کو اطلاع ہوئی تو خادم کو حکم ہوا کہ مسجد میں مولانا نسیم احمد صاحب فریدی ہیں انکو بلا لاؤ حضرت کی وضع نہایت سادہ تھی اور خادم پہچانتا نہ تھا، وہ مسجد میں گھوم پھر کر واپس چلا گیا اور کہدیا کہ وہاں کوئی مولانا نہیں ہیں حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ جا مسجد میں موجود ہیں اور آپ کا حلیہ بتایا خادم آیا اور آپ کو ساتھ لے گیا وہاں ہمراہی کے متعلق سوال ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ قاری محمد الیاس ہیں حضرت شیخ نے خادم کو حکم دیا کہ جا مسجد میں قاری محمد الیاس ہیں انکو بلا لا۔ وہی معاملہ احقر کے ساتھ پیش آیا خادم کا خیال تھا کہ قاری محمد الیاس کوئی معمر شخص ہونگے دوبارہ حضرت شیخؒ نے حکم دیا کہ مسجد میں بلند آواز سے کہدے کہ قاری محمد الیاس کو بلایا جارہا ہے' اس آواز پر میں خادم کے ساتھ حاضر ہوا حضرت شیخ الحدیثؒ نے دست شفقت احقر کے سر پر پھیرا اور دعا دی اسکے بعد ایک ایک شب دیوبند اور پھلت میں قیام کیا اور امروہہ کو واپسی ہوگئی

ان کے علاوہ آپ کے متعدد اسفار مندرجہ ذیل مقامات کے ہوئے۔

اجمیر شریف۔ الہ آباد۔ بجنور۔ بلند شہر۔ بریلی۔ بمبئی۔ پھلت۔ پھلاؤدہ۔ تھانہ بھون ٹھاکردوارہ۔ جانسٹھ۔ جلال آباد۔ جون پور۔ جھنجھانہ۔ چاندپور۔ حسن پور۔ حیدرآباد۔ خورجہ دہلی۔ دیوبند۔ رام پور۔ رائے بریلی۔ ردولی۔ رڑکی۔ سرہند۔ سنبھل۔ سہارنپور۔ سیتاپور۔ شریف نگر کانپور۔ کاکوری۔ کاندھلہ۔ کلیر۔ کھتولی۔ گلاؤٹھی۔ گلڑیہ معافی۔ گنگوہ۔ لاہرپور۔ لکھنؤ۔ مرادآباد مظفر نگر۔ منصورپور۔ میرٹھ۔ میراں پور۔ نانوتہ۔ نجیب آباد۔ ہاپوڑ وغیرہ۔

## شاعری میں آپ کا مقام

آپ جہاں ایک طرف مفسر، محدث، فقیہہ، مفتی، مبلغ، معقولی، منقولی، عالم تھے،

تو دوسری طرف ادیب و انشاء پرداز فصاحت و بلاغت کے ماہر اور قادر الکلام شاعر بھی تھے، امروہہ کے مشہور مزاحیہ شاعر مولانا سلطان احمد صاحب شہباز امروہوی مرحوم آپ سے اپنے کلام پر مشورہ لیتے تھے جبکہ دونوں حضرات میں اپنے اپنے استادوں کی قابلیت کے بارے میں چھ ماہ تک تحریری مناظرہ رہ چکا تھا۔ (افسوس کہ یہ تحریریں محفوظ نہ رہیں) لیکن جب دونوں حضرات ملتے تو ایسے ملتے کہ جیسے کبھی کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو، شہباز صاحب مرحوم کے استاد مولانا حبیب احمد صاحب افق کاظمی اور آپ کے استاد منشی عزیز احمد صاحب عزیز المتوفی ۱۹۷۱ء تھے[1]۔ امروہہ ہی کے دوسرے مشہور نعت گو شاعر ماسٹر حافظ عبد الرؤف صاحب رؤف[2] کو جب اپنے دیوان کی اصلاح کی ضرورت پیش آئی تو پاکستان مولانا افق صاحب کاظمی کو خط لکھا کہ آپ میرے دیوان کی اصلاح فرما دیں افق صاحب نے جواباً لکھا کہ میں دور دراز میں ہوں یہاں سے اصلاح ممکن نہیں آپ امروہہ ہی میں اصلاح کرالیں تو اچھا ہے اور آپ کے کلام کی اصلاح مولانا نسیم احمد صاحب فریدی کر سکتے ہیں اور کوئی نہیں آپ انھیں سے اصلاح کرائیں چنانچہ رؤف صاحب نے اپنے کلام کی اصلاح آپ سے کرائی حضرت نے انکے کلام کو بالاستیعاب پوری توجہ سے سنا اور نہایت غور و خوض کے ساتھ اصلاح فرمائی جب آپ پوری طرح مطمئن ہو گئے تو تخلیہ محامد کوثر رحمت پر تقریظ بھی لکھی۔ یوں تو آپ فن شاعری کی تمام اصناف پر قدرت رکھتے تھے لیکن آپ کا خاص مزاج و میلان نعت و مناقب کی طرف تھا جب آپ نعت و منقبت کہتے تو عشق رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور حب صحابہ میں مستغرق ہو جاتے۔ رئیس احمد رئیس امروہوی نے آپ کی نعت گوئی کے بارے میں بالکل صحیح کہا ہے ؎

نعت گوئی میں وہ اپنے وقت کا حسان تھا ۔۔۔ شان والوں کے مقابل وہ بڑا ذی شان تھا

## استجابت دعا اور صفائے باطن

ہم خدام کو بار بار حضرت مولانا کی دعاؤں کی مقبولیت اور فراست ایمانی کا تجربہ ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات تو آپ کچھ دعا کے طالبوں کو ایسا اطمینان دلا دیتے تھے جیسے

---

[1] ہمارے استاد مکرم مولانا نسیم احمد فریدی کے استاد منشی عزیز احمد صاحب عزیز امروہوی کے استاد مضطر خیرآبادی تھے۔ انکے استاد امیر مینائی لکھنوی تھے جو اسیر لکھنوی کے شاگرد تھے اور اسیر لکھنوی شیخ غلام احمد مصحفی امروہوی کے شاگرد تھے۔ [2] آپ کا انتقال ۱۶ دسمبر ۱۹۸۶ء کو ہوا۔

آپ کو بالکل اطمینان ہو کہ ایسا ہی ہوگا۔

ماسٹر حاجی علاء الدین صاحب امروہوی اور حاجی جمیل احمد صاحب ساکن بانس کوٹھی ان دونوں حضرات کے لڑکے سخت بیمار ہوئے، یہاں تک کہ ناامیدی ہوگئی۔ یہ دونوں حضرات مختلف اوقات میں دعاء صحت کی درخواست لے کر حاضر ہوئے، آپنے دونوں ہی سے فرمایا "وعدہ کرو، ان کو علم دین پڑھاؤ گے"! دونوں نے وعدہ کیا، بس فرمایا، جاؤ! ـــــ ان میں سے ایک عالم ہو چکے ہیں۔ اور ایک جامع مسجد امروہہ میں زیر تعلیم ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۸۲ء میں جب آپ کو صدر جمہوریہ ہند کے ہاتھوں ایوارڈ ملا، تو ایوارڈ ملنے کے دوسرے دن ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب نے اپنے بھائی انیس احمد فاروقی صاحب کو (یہ دونوں مولانا کے بھتیجے ہیں) امروہہ اطلاع دے دی کہ چچا میاں آج امروہہ پہنچ رہے ہیں۔ اور پھر آپ سے عرض کیا کہ آج ہی امروہہ تشریف لے جائیں! فرمایا! غور کروں گا لیکن پھر ڈاکٹر صاحب کے مکان واقع ٹیلہ ہاؤس سے روانہ ہونے کے بعد راستہ میں فرمایا کہ آج امروہہ جانا نہیں ہے، آج تو مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ میں ٹھہریں گے کل امروہہ چلیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اگلے روز جب امروہہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ کے استقبال کیلئے دونوں مدرسوں (جامع مسجد و چلہ) کے اساتذہ و طلبہ اور اہل شہر کثیر تعداد میں اسٹیشن پہنچے تھے، اور ارادہ یہ تھا کہ جلوس کی شکل میں مولانا کو لے جائیں گے مگر......

اس سلسلہ میں ایک اور یہ واقعہ بتانے کا دل چاہتا ہے کہ اگست ۱۹۸۸ء میں اچانک مجھ سے فرمایا کہ گھر چلے جاؤ، میں نے عرض کیا حضرت آپ علیل ہیں اس حال میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ فرمایا تم چلے جاؤ میں پھر بھی ٹالتا رہا۔ ۴۔۵ دن کے بعد حکم فرمایا "تم چلے جاؤ" بس اب کوئی چارہ نہ تھا۔ پروگرام بنا لیا، اور ۱۹ راگست کو روانگی کے وقت جب رخصتی ملاقات کیلئے حاضر ہوا تو فرمایا ـــ گھبرانا نہیں سب خیریت سے رہیں گے۔ سفر کے دوران حضرت کا یہ جملہ بار بار ذہن میں گردش کرتا رہا لیکن مطلب سمجھ میں نہ آسکا ۲۰ راگست ۱۹۸۸ء کو وطن پہنچا ۲۱ راگست کی صبح کو بہار کے کچھ اضلاع میں قیامت خیز زلزلہ آیا اس وقت آپ کا ارشاد یاد آیا "گھبرانا نہیں سب خیریت سے رہیں گے" ـــــ چنانچہ میں بالکل پرسکون رہا جبکہ گھر کے باقی افراد بہت پریشان تھے، میں سب سے کہتا تھا کہ گھبراؤ نہیں انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا؟ گویا آپ کی دوررس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر یہ اب

نہیں گیا تو پھر ۲-۳ دن کے بعد پریشان ہوکر جائیگا۔ اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جنکو لکھنے کیلئے کافی وقت درکار ہے ——— اور جو معاشی معاملات اور دوام ذکر و طاعت کی نعمت آپ کو حاصل تھی اس کے ہوتے ہوئے ان احوال کا ہونا ذرہ برابر تعجب خیز نہیں۔

# علالت و رحلت

رات دن زیر زمیں لوگ چلے جاتے ہیں     نہیں معلوم نہ خاک تماشہ کیا ہے

شعبان ۱۴۰۶ھ سے آپ کی علالت شروع ہوئی بخار رہنے لگا حکیم شعیب اختر بن حکیم ضیاء اللہ صاحب امروہوی کا علاج شروع ہوا۔ موصوف آپ کے مزاج شناس معالج خاص تھے لیکن بمشیت ایزدی اس بار "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" علالت کی حالت میں بھی صیام رمضان المبارک اور تراویح کا خاص اہتمام رہا، پھلت دیوبند اور سہارنپور کا سفر بھی ہوا، ضعف بڑھتا رہا اسکے باوجود معمولات میں کوئی فرق نہ آیا، آپ کو اپنی رحلت کا یقین ہوگیا تھا۔ اشارۃً خدام سے فرما بھی دیتے تھے لیکن اشارے ایسے تھے کہ بعد رحلت سمجھ میں آئے۔ ہوش و حواس آخر دم تک قائم رہے آخری ایام میں بھی معتقدین کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہا باوجود معالج کی ہدایت کے اس پر کنٹرول نہ ہو سکا خود حضرت بار بار یہی ارشاد فرماتے تھے۔ "یہاں لوگ عقیدت سے آتے ہیں، آنے دو یہ کیا کہیں گے"۔ ماہ صفر میں ڈاکٹری علاج شروع ہوا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ گردے و جگر ماؤف سینہ پر بلغم کا اجتماع ہوگیا تھا ماہ صفر کے آخر میں بار بار غشی کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی افاقہ پر آپ اکثر دریافت فرماتے۔ کیا ربیع الاول شروع ہوگیا؟ جواب نفی میں ملتا، آپ خاموش ہوجاتے، بہرحال جب آپکے استفسار پر عرض کیا گیا ربیع الاول شروع ہوگیا تو چہرہ پر کچھ اطمینان و انبساط کے آثار نظر آئے ۵ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۵ء بروز منگل صبح کے وقت استغراقی کیفیت کے بعد خدام سے فرمایا حضرت گنگوہیؒ تشریف لائے تھے، بلا گئے ہیں" کچھ دیر بعد پیشاب کی حاجت ہوئی بٹھایا گیا اتنے میں باہر سے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی آپنے فرمایا کہدو ہم آتے ہیں!! اور پھر جلدی طہارت سے فارغ ہوکر لیٹ گئے اور آخرکار وہ گھڑی جس کیلئے بے چین تھے، وہ آپہنچی اور انھوں نے اس شوق لقا کے ساتھ اس دار فانی کو الوداع کہا جو خاصان خدا کی خاص علامت اور

عشاقِ ایزدی کی پرانی رسم ہے۔ جزاہ اللہ مضجعہ و نفعہ غریبہ۔

آپ کے انتقال پُر ملال کی خبر امروہہ، مضافات امروہہ، مرادآباد، دیوبند، میرٹھ دہلی وغیرہ دور دور مقامات تک ایسی تیزی سے پھیلی کہ وہم و گمان بھی نہ تھا علاقہ پر اس سانحہ عظیمہ کی کیفیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ بلا قید مسلک ہی نہیں بلکہ بلا قید مذہب و ملت شہر کے تمام بازار یکلخت بند ہو گئے یہاں تک کہ تمام سرکاری و غیر سرکاری ادارے اسکول و کالج، دفاتر حتی کہ منصفی و تحصیل کی بھی تعطیل کر دی گئی۔ اس روز عجیب ہو کا عالم تھا، شہر میں سناٹا چھایا ہوا تھا ہر کس و ناکس داس و مغموم تھا، گویا اسکی محبوب ترین متاع کم ہو گئی ہو، اس روز امروہہ میں ہر مرد و زن خورد و کلاں غمگین و سوگوار تھا۔ ہر ایک خود کو بے سہارا و یتیم سمجھ رہا تھا بعد مغرب غسل دیا گیا عشاء کی نماز کے بعد جامع مسجد امروہہ میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہٗ نے نماز جنازہ پڑھائی نماز جنازہ میں تقریباً تیس ۳۰، چالیس ۴۰ ہزار کا مجمع تھا یہ تاریخ امروہہ کا بے مثال مجمع تھا کہ اس سے قبل کسی کے جنازے میں اتنا مجمع نہیں دیکھا گیا جنازہ کو واپس محلہ جھنڈا شہید ہی لیجانا تھا جو جامع مسجد سے چند منٹ کی مسافت پر ہے لیکن مجمع کی کثرت کی وجہ سے جو کاندھا لگانے کیلئے ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا جنازہ جلوس کی شکل میں ذکر کرتا ہوا امروہہ کے مختلف محلوں اور راستوں سے گذرتا ہوا تقریباً دو ۲ گھنٹہ میں محلہ جھنڈا شہید پہنچا۔ قبر محلہ جھنڈا شہید کی مسجد کے دروازے کے متصل حجرے میں تیار کی گئی میت کے ساتھ جلوس کی کثرت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ گذرگاہ کے تمام چوراہوں پر جوتوں اور چپلوں کے ڈھیر صبح کو دیکھے گئے کثرت اژدہام کی وجہ سے جس کا جوتا پیر سے نکل گیا تو نکل گیا ــــــــ مجمع اب بھی پروانہ وار دفن کیلئے ٹوٹا پڑتا تھا مسجد کا دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا۔ مگر لوگ دیوانہ وار دیواریں پھاند کر اندر کھچا کھچ بھر گئے بالآخر ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی نے موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے مجمع کو منت سماجت سے رخصت کیا۔ اس پر مجمع کچھ کم تو ہوا مگر دفن کی دشواری کم نہ ہوئی مجبوراً ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی نے باآواز بلند اعلان کیا کہ ہماری طرف سے قبر میں اتارنے کی کسی کو اجازت نہیں سوائے مولانا محب الحق صاحب، نفیس احمد صاحب، احسن امیر صاحب اور مولانا عطاء الرحمٰن صاحب کے۔ اس پر مجمع مجبور ہو گیا، اس موقع پر احسن امیر صاحب کی قربانی بھی قابلِ ذکر ہے کہ انھوں نے اپنی اس سعادت کو بقیہ تین ساتھیوں کے سپرد کر دیا اور آپ اپنے ایثار کا اعلان کر کے مجمع کے سد راہ ہو گئے،

احقر نے اپنے دونوں ساتھیوں کی مدد سے رات کو دس بجکر چالیس منٹ پر اس خزانۂ علم و حکمت و گنجینۂ معرفت کو سپردِ رحمت کر دیا۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ بقول حکیم مومن خاں مومن دہلویؒ ؎

دستِ بیداد اجل سے بے سر و پا ہو گئے
فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

آخر میں یہ احقر تمام قارئین کرام سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ہم سب خدام و تلامذہ کے لئے عموماً اور اس خاکسار کے لئے خصوصاً دعاؤں کا اہتمام فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مرتے دم تک اپنے شفیق و محسن استاذ و مربی کے نقش قدم پر چلتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہر طرح کے فتنہ اور انحراف سے ہماری حفاظت فرمائے۔

# ایک دلچسپ اور سبق آموز واقعہ

دہلی یونیورسٹی کے ڈاکٹر معیث الدین فریدی ایک بار حضرت شاہ ابن بدر چشتی ؒ کے عرس میں
شرکت کیلئے امروہہ تشریف لے گئے، غالباً بات ۱۹۷۰ء کی ہے' انھیں مولانا فریدی سے ملنے کا
بڑا اشتیاق تھا۔ عرس کے بعد خانقاہ میں انھوں نے منقبتی مشاعرے کی صدارت فرمائی اور اپنی وہ
منقبت پڑھی جو مولانا فریدی کے چند اشعار پر تضمین تھی اسی دوران میں مولانا اسحاق سنبھلی
(ممبر پارلیمنٹ) چند احباب کے ہمراہ تشریف لائے۔ لوگوں نے تپاک سے "آیئے مولانا" کہکر پذیرائی
کی اور مولانا اسحاق ایک طرف بیٹھ گئے۔ وہ کالی شیروانی اور سفید ٹوپی میں ملبوس تھے' چشمہ لگا ہوا'
ترشی ہوئی سڈول سی داڑھی اور تبسم بہ لب خدوخال ــــ معیث صاحب نے نہ کبھی انھیں دیکھا تھا
نہ مولانا نسیم احمد فریدی کو ـــ اسلئے غلط فہمی ہوگئی۔ مشاعرہ ختم ہونے پر جب خانقاہ سے باہر نکلے تو معیث
صاحب نے مولانا سنبھلی سے خود اپنا تعارف کرایا۔ مولانا نے خوش اخلاقی سے "اچھا اچھا" کہکر مصافحہ
کیا۔ معیث صاحب نے فرمایا کہ "میں صبح حاضر ہوا تھا مگر...." مولانا بولے "اچھا آپ تھے" اب گویا معیث صاحب
کو تصدیق ہوگئی، کہنے لگے "مولانا معاف کیجئے آپ کے چند شعروں پر بغیر اجازت تضمین کرلئے ہیں...." اس پر مولانا
اسحاق تو سوالیہ نشان بنکر معیث صاحب کا منہ دیکھنے لگے مگر قریب کھڑے ہوئے حکیم کلب علی صاحب غلط فہمی
بھانپ گئے اور قہقہہ لگاکر بولے "یہ مولانا اسحاق سنبھلی ہیں" ــ معیث صاحب بیحد خفیف ہوئے بعد میں کہنے
لگے کہ "بھئی جب مولانا خانقاہ میں داخل ہوئے اور لوگوں نے آیئے مولانا کہہ کر استقبال کیا تو میں نے تصور میں
انکے خدوخال سے داڑھی ہٹاکر دیکھا، ناک نقشے میں کچھ نثار فاروقی صاحب کی شباہت آئی' میں نے سوچا
یہی ہوسکتے ہیں' نثار صاحب کے چچا۔" اگلے دن معیث صاحب راقم الحروف کے ہمراہ مولانا فریدی سے ملنے گئے تو جھنڈا شہید
کے نیچے ہی مولانا سادے کپڑوں میں ایک معمولی سی دوتہی اوڑھے درویشانہ انداز میں کھڑے تھے ہم نے تعارف کرایا
معیث صاحب کچھ حیران سے ہوگئے کہ ایسے ہوتے ہیں مولانا نسیم احمد فریدی ـــ! مولانا کی ذاتی عظمت اور تبحر علمی
کا بھی انھیں اندازہ تھا اور پھر نثار فاروقی اور خلیق احمد نظامی کے حوالے سے انکے ذہن کے پردے پر مولانا
فریدی کا ایک مستعلیق، صاف ستھرا، پرشکوہ خاکہ تیار ہوا تھا جو شیشے کی طرح چکنا چور ہوچکا تھا لیکن مولانا
کی عظمت انکی نظر میں اور زیادہ بڑھ گئی۔ گویا وہ عالم ہوا جو امیر المومنین حضرت عمر فاروق ؓ کو اونٹ کی نکیل
پکڑے ہوئے آتے دیکھکر عیسائی بادشاہ کا ہوا تھا (ماخوذ از مضمون جناب سید مصطفیٰ رضوی صاحب امروہہ)

مولانا عتیق احمد بستوی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

# مولانا نسیم احمد فریدی امروہی کی تصنیفات

مولانا نسیم احمد صاحب فریدی مرحوم کے نام اور کام سے واقفیت ماہنامہ الفرقان ہی کے ذریعے ہوئی۔ زمانہ طالب علمی ہی سے چند دوسرے علمی رسالوں کے ساتھ ماہنامہ الفرقان کا پابندی سے مطالعہ کرنے کی کوشش کرتا۔ الفرقان کے ہر شمارہ میں مولانا مرحوم کا کوئی مضمون ضرور شریک اشاعت ہوتا الفرقان میں مولانا مرحوم اس پابندی کے ساتھ لکھتے کہ قارئین کے ذہنوں میں الفرقان اور مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم لازم ملزوم کی حیثیت رکھتے تھے ان میں سے ایک کے تصور سے فوراً دوسرے کا تصور ابھرتا۔ مولانا کا شستہ اور شائستہ قلم علماء و مشائخ کی تذکرہ نویسی اور انکے ملفوظات و مکتوبات کے ترجمہ و تلخیص کے لئے وقف تھا، اسلوب تحریر بڑا سادہ سنجیدہ لیکن ادبی حلاوت و گھلاوٹ لئے ہوئے تحریر بہت سبک اور رواں، دل کے تاروں کو چھیڑنے والی۔ اور نسیم سحر کے ٹھنڈے جھونکوں کی طرح رگ و پے میں اتر جانے والی۔

نئی نسل کو بزرگان پیشیں، علماء دین اور اکابر طریقت کے علوم و معارف فیوض و افادات سے روشناس کرانے میں مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا بڑا حصہ ہے، انھوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور انکے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کے مکاتیب کا ترجمہ و تلخیص جس کامیابی کے ساتھ کی ہے اردو تراجم میں اس کی مثال بہت کم ملے گی "تجلیات ربانی" اور مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی کا اول سے آخر تک مطالعہ کر لیجئے کہیں بھی "ترجمہ پن" کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ مکاتیب اصلاً ..... اردو زبان ہی میں لکھے گئے تھے ترجمہ میں اصل فارسی مکتوبات کا زور اور اثر آفرینی قائم ہے۔

## چند تاثرات

مولانا مرحوم سے غائبانہ واقفیت اور عقیدت دور طالب علمی ہی سے رہی لیکن

ان سے ملاقات کا شرف اس وقت حاصل ہوا جب تدریس کے سلسلے میں چند سال میرا قیام مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں رہا۔ یہ بات ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۰ء تک کی ہے۔ اس تین سال کے عرصہ میں بار بار مولانا مرحوم کی خدمت میں امروہہ حاضری ہوئی، مولانا مرحوم بھی بار بار مرادآباد تشریف لائے اور مولانا کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مایۂ ناز شاگرد تھے انھوں نے عمرِ عزیز کا بڑا حصہ علوم اسلامیہ کے مدرس کی حیثیت سے گزارا، فقہ و فتاویٰ سے انھیں خاص مناسبت تھی۔ اکابر دیوبند کے علوم کے شارح و امین تھے حضرت مجدد الف ثانیؒ سے لے کر اکابرِ دیوبند تک ہندوستان کے علماء و مشائخ کی جو سنہری زنجیر ہے مولانا مرحوم اس کے خصوصی مورخ تھے، مجددی اور ولی اللہی سلسلے کے علماء و مشائخ کے حالات، تالیفات، ملفوظات و مکتوبات پر ان کی نظر بڑی وسیع و عمیق تھی، آخری دور میں اس موضوع کے بارے میں ان کی حیثیت سند کی ہو گئی تھی۔

مولانا نسیم احمد فریدی کی زندگی کا قریب سے مطالعہ کرنے والے شہادت دیں گے کہ بے شک مولانا مرحوم اسی طبقہ کے ایک فرد تھے جس کی تذکرہ نگاری میں انھوں نے زندگی کا ایک بڑا حصہ صرف کیا، وہ بزرگوں کے ارشادات و فرمودات سے پہلے اپنی زندگی سنوارنے اس کے بعد دوسروں کیلئے وقفِ عام کرنے، الفرقان کے بانی مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہ نے انکے بارے میں بجا طور پر لکھا ہے "وہ ایک درویش صفت، فقیرانہ زندگی گزارنے والے، اکثر زمین اور چٹائی پر سونے والے اس طرح کے صاحبِ درس و افتاء اور صاحبِ قلم و صاحبِ تصانیف عالمِ دین ہیں، جیسے کبھی پہلے ہوا کرتے تھے جن کا تذکرہ ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں"۔

## تواضع اور بے نفسی

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم بے انتہا متواضع اور بے نفس انسان تھے فضل و کمال سے آراستہ ہونیکے باوجود ہر شخص سے بڑے تپاک، محبت اور سادگی سے ملتے تھے، انکی زندگی میں تکلفات کا خانہ بالکل نہیں تھا، علماء اور اہلِ دین کے بڑے قدردان تھے۔ میں اپنے آپ کو انکے شاگردوں کی صف میں بھی جگہ پانیکے قابل نہیں سمجھتا، لیکن امروہہ میں جب بھی انکی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو انھوں نے حد درجہ

اعزاز و اکرام کا معاملہ فرمایا وہ یہ کوشش کرتے کہ ہر خوش ذائقہ اور لذیذ غذا مہمان کو کھلائیں، اور اپنے مصروف ترین اوقات میں سے خاصہ وقت ہم جیسوں کی دلداری کیلئے فارغ کرتے۔ انکی مجلس بڑی پاکیزہ معلومات افزا اور پر لطف ہوتی تھی جب بھی ان سے ملاقات ہوئی انھوں نے علماء و مشائخ، علوم دینیہ ہی کی بات چیت کی، علمی اور دینی موضوعات ہی کے گرد انکی گفتگو دائر رہتی نہ کسی معاصر کا شکوہ و شکایت کرتے نہ لایعنی باتیں کرتے، زندہ مشائخ کی صحبت اور مشائخ پیشیں کے حالات اور تالیفات کے مطالعے سے ان کا آئینۂ دل مصفیٰ و مجلیٰ ہو چکا تھا۔ انکی زندگی "وما انا من المتکلفین" (میں تکلف کرنیوالوں میں نہیں ہوں) کا سچا نمونہ تھی، وہ مشائخ کی رسوم و ظواہر سے بالکل آزاد تھے، ان سے گفتگو کے دوران کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ انھوں نے اپنی سطح مخاطب سے کچھ بھی بلند سمجھی ہو، بڑی بے ساختگی اور بے تکلفی انکی گفتگو میں تھی، ان کا طلب علم کا ذوق آخر تک جوان رہا، انھوں نے تحقیق و تلاش کی کسی منزل پر قیام نہیں کیا بلکہ عمر کے آخری لمحے تک تلاش و جستجو کا سفر جاری رکھا اور علم کے دفینوں میں گھس کر آبدار موتی اہل علم کے سامنے پیش کرتے رہے اور اردو زبان کو علوم و معارف سے مالا مال کرتے رہے۔

انکی بے نفسی کا اک واقعہ صفحۂ دماغ پر اس طرح نقش ہے کہ کبھی فراموش نہیں ہو سکتا۔ مراد آباد میں قیام کے زمانے میں میں ایک بار دو روز کیلئے امروہہ انکی خدمت میں حاضر ہوا مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کے ایک اور معاصر جو ابھی بقید حیات ہیں، وہ بھی تشریف لے گئے تھے جمعہ کے روز امروہہ کی جامع مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا کہ مولانا فریدی مرحوم تبلیغی اجتماع اور جمعہ کے بعد تبلیغی جماعتوں کو روانہ کرنے میں بے حد مصروف تھے، انکے معاصر بزرگ کو یہ احساس ہوا کہ مولانا مرحوم مجھے نظر انداز کر رہے ہیں اور بات چیت کے لئے وقت نہیں فارغ کر رہے ہیں اچانک جامع مسجد میں مولانا مرحوم کے ہزاروں معتقدین کے مجمع میں مولانا مرحوم پر اس طرح برسے کہ سارا مجمع ششدر رہ گیا اور ہر ایک کو بے پناہ غصہ آیا لیکن خود مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم پر اس نازیبا طرز عمل کا کوئی رد عمل نہیں ہوا انکی زبان سے کوئی بھی سخت لفظ نہیں نکلا بلکہ وہ ٹھنڈے لہجے میں معذرت کرتے رہے اور اپنی وقتی مشغولیت کا عذر پیش کرتے رہے اس واقعہ نے مجھے غیر معمولی طور پر متأثر کیا اور میں نے محسوس کیا کہ مولانا مرحوم اس مرحلے سے گذر چکے ہیں جب انسان اپنی ذات کیلئے

خفا یا خوش ہوتا ہے۔

## علمی فنائیت

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا اک بڑا وصف انکی علمی فنائیت تھی، علم وتحقیق ان کا ذوق ومزاج بن چکا تھا، علمی اشتغال رکھنے والے، تصنیف وتحقیق کرنے والے بہت مل جائیں گے لیکن ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم ان کا ذوق ہی نہیں بلکہ ذائقہ بھی بن چکا ہو جنہیں علم کے بغیر اک لمحہ چین نہ آتا ہو ایسے لوگ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں اگر بیسویں صدی کے فنائی العلم افراد کی مختصر ترین فہرست بنائی جائے تو اس میں مولانا مرحوم کا نام ضرور شامل ہوگا آخری عمر میں بینائی سے بالکل معذور ہو چکے تھے مگر ان کا علمی اور تحقیقی سفر زندگی کے آخری لمحے تک تیز گامی کے ساتھ جاری تھا۔

## مولانا فریدی کا تصنیفی سفر

میری معلومات کی حد تک مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا تصنیفی سفر ماہنامہ "الفرقان" سے شروع ہوا، الفرقان ہی کے ذریعہ انکی بیشتر تحریریں اہلِ علم کے سامنے آئیں ۱۹۳۸ء / ۱۳۵۷ھ میں ماہنامہ الفرقان بریلی کا مجدد الف ثانی نمبر شائع ہوا اس وقت مولانا فریدی مرحوم مدرسہ اشفاقیہ بریلی کے صدر مدرس تھے، اس نمبر کی ترتیب وتیاری میں مولانا مرحوم نے پورا تعاون کیا اور مجدد الف ثانی ؒ کے خلفاء پر ایک مبسوط مقالہ بھی لکھا جو اس نمبر میں شریکِ اشاعت ہے، اس مقالے کی تیاری کیلئے مولانا مرحوم نے مجدد الف ثانی ؒ کے مکتوبات سوانح اور تذکروں کا بڑے اہتمام سے مطالعہ کیا، اس تیاری اور مطالعہ نے انکے قلم کو ایک خاص رخ دیا اور تذکرہ نگاری کے ذوق وجذبے کو مہمیز لگائی۔ الفرقان مجدد الف ثانی نمبر نے جو اثرات چھوڑے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے خود مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم رقمطراز ہیں "مجدد الف ثانی نمبر جب ترتیب پا رہا تھا اس وقت میں بھی ایک ادنیٰ رفیق کی حیثیت سے اسکی تصحیح وغیرہ کی خدمت کر رہا تھا، حضرت مولانا عبد الشکور فاروقی مجددی ؒ لکھنوی کا معرکۃ الآراء مقالہ خطبۂ شوقیہ اور مولانا گیلانی کا وجد انگیز مقالہ اور دیگر مشاہیر کے اہم مضامین اس بے بہا نمبر میں نکلے تھے، اس نمبر نے ہندوستان کے اندر مذہبی

حلقوں میں ایک دھوم مچادی تھی۔ احقر کے قلب پر بھی اسکے گہرے نقوش قائم ہوئے، بندگان دین کے سوانح اور حالات مرتب کرنے کا شوق پہلے ہی سے تھا اب اس ذوق میں اور اضافہ ہوگیا۔" (تجلیات ربانی ج ۱ ص ۳۹)

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کی تقریباً تمام تصنیفات پہلے ماہنامہ الفرقان میں قسطوار شائع ہوئیں پھر انھیں قسطوں کو کتابوں کی شکل میں کتب خانہ الفرقان نے شائع کردیا۔ آئندہ صفحات میں آپ مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کی تصانیف کا مختصر تعارف و تذکرہ ملاحظہ کریں۔ جس سے ان تصانیف کی اہمیت و افادیت کا اندازہ ہوگا۔

## تجلیات ربانی

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا سب سے اہم علمی کارنامہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مکتوبات کی تلخیص اور ترجمہ ہے جو کتب خانہ الفرقان سے تجلیات ربانی کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوا، مکتوبات مجدد الف ثانی کی اہمیت اور افادیت محتاج بیان نہیں، مجدد صاحب کے مکتوبات نے اصلاح و تجدید کا جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے، ان مکتوبات میں تصوف و احسان، تعمیر باطن، تمیز حق و باطل، جہاد فی سبیل اللہ اور اقامت دین، احیائے سنت کا وہ سامان موجود ہے جس نے گزشتہ تین چار صدیوں میں امت محمدیہ کی رہنمائی کا کام انجام دیا، مجدد صاحب کے یہ مکتوبات علوم و معارف کا خزینہ اور دعوت و اصلاح کا ایک بہترین سرمایہ ہیں، یہ مکتوبات زبان و بیان کے اعتبار سے بھی بلاغت کے بلند ترین معیار پر پورے اترتے ہیں، انکی اثر آفرینی میں اگر ایک طرف حضرت مجدد صاحب کی روحانیت، قوت باطن، جذبہ تڑپ کا بڑا حصہ ہے تو دوسری طرف حسن بیان اور سحر انگیز طریق ادا نے ان مکتوبات کی تاثیر میں غیر معمولی اضافہ کردیا ہے، اور یہ مکتوبات "از دل خیزد بر دل ریزد" کا کامل مصداق بن گئے ہیں، ان مکتوبات کا ترجمہ و تلخیص کوئی آسان کام نہیں تھا اس کے بعض تراجم پہلے بھی شائع ہوئے لیکن ان کی افادیت اور اثر آفرینی بہت محدود رہی۔ مجدد صاحب کے مکتوبات کا کامیاب ترجمہ وہی شخص کرسکتا تھا جس میں چند اوصاف پورے طور پر پائے جاتے (۱) وہ خود صاحب باطن اور تبلیغ و اصلاح کے جذبے سے

معمور بلکہ مخمور ہو، مکتوبات کے مضامین اس کا صرف قال نہ ہوں بلکہ حال بن چکے ہوں
(۲) وہ شخص فارسی اور اردو دونوں زبانوں کا بلند پایہ ادیب ہو اس لئے کہ مکتوبات
کی تاثیر میں انکے پرجوش طرزِ تعبیر اور ادیبانہ حسن وجمال کا بڑا دخل ہے۔ روکھا پھیکا
ترجمہ ان بلند پایہ مکتوبات کی افادیت کو یا سرے سے ختم کر دیتا یا بہت ہی محدود کر دیتا۔
مولانا نسیم احمد مرحوم میں یہ دونوں اوصاف کامل طور پر موجود تھے، ان کا باطن
اُن حقائق و معارف سے معمور تھا جنھیں مکتوبات میں بار بار پوری قوت سے بیان کیا گیا
ہے۔ اصلاحِ امت اور تبلیغ دین کا جذبہ انکے اندر پوری طرح موجزن تھا، احیائے
سنت اور ردِّ بدعات انکی زندگی کا نصب العین تھا، غرضیکہ مکتوبات مجدد الف ثانیؒ
کے مضامین سے انھیں نہ صرف اتفاق تھا بلکہ ان پر اعتقاد و ایمان تھا۔ انکے زندگی
کا واحد مقصد اور مشن وہی کام تھا جس کیلئے مجدد صاحبؒ کے مکتوبات وجود میں آئے، جہاں
تک ادب و بلاغت کا تعلق ہے تو مولانا فریدی مرحوم اس میدان کے بھی شہسوار تھے،
فارسی زبان و ادب پر انھیں استادانہ دستگاہ حاصل تھی، موصوف فارسی زبان کے
رمز شناس تھے، اردو انکی مادری زبان تھی، اردو ادبیات پر انکی نظر بہت وسیع و عمیق
تھی، انکی کتابیں، ترجمے، مضامین اردو زبان پر ان کے عبور کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔
مکتوبات امام ربانی کا مکمل ترجمہ عام مسلمانوں کیلئے زیادہ مفید نہ ہوتا، مکتوبات
کا ایک بڑا حصہ ایسے مضامین پر مشتمل ہے جسے سلوک و طریقت کے بلند مقامات طے کرنے والے
اور فن تصوف کی اصطلاحات جاننے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ مولانا فریدی مرحوم نے
اس طرح کے مکاتیب و مضامین کو حذف کر دیا اور تجلیات ربانی میں انھیں مکاتیب کو
شامل فرمایا جن کا مطالعہ تمام مسلمانوں کے دلوں میں اتباع شریعت کا جذبہ بیدار
کر سکے۔ اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت سینوں میں پیدا کر سکے۔
مکتوبات امام ربانی کا ترجمہ و تلخیص تجلیات ربانی کے نام سے کتب خانہ الفرقان
نے دو جلدوں میں شائع کیا۔ دونوں جلدیں بڑے سائز پر شائع کی گئیں، جلد اول کے
صفحات ۲۵۲ اور جلد دوم کے صفحات ۱۹۲ ہیں، جلد اول کے شروع میں مولانا فریدی
مرحوم کے قلم سے چالیس ۴۰ صفحات پر پھیلا ہوا مقدمہ ہے جو خود اپنی جگہ خاصے کی چیز ہے،
مقدمہ میں مصنف نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مختصر حالات و سوانح تحریر کرنے کے بعد

مکتوبات امام ربانی کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد حضرت مجدد صاحبؒ کے قدیم و جدید ناقدین کا جائزہ لیا ہے۔

"تجلیات ربانی" سے بندگان خدا کو بہت فائدہ پہنچا، اس کتاب نے اردو جاننے والی نسل کا رشتہ حضرت مجددؒ صاحب سے جوڑ دیا اور نئی نسل کو ایمان و معرفت کے ایک شفاف چشمے تک پہنچا دیا۔

## مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے عُروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصومؒ حضرت مجدد صاحبؒ کے جانشین ہوئے، انھوں نے بھی ایمان و عشق کی دولت سے دامن بھر کر اللہ کا پیغام لاکھوں انسانوں تک پہنچایا اور بے شمار بندگانِ خدا کو راہِ حق پر لگایا، اسلامیان ہند کے ہر طبقے کو نفس گرم کی تاثیر سے متاثر کیا۔ اصلاح و تجدید کا آوازہ بلند کیا۔ خواجہ محمد معصوم سرہندی کے اصلاحی و تربیتی، علمی و احسانی مکاتیب بھی تین جلدوں میں ہیں جو مکتوبات معصومیہ کے نام سے معروف ہیں۔

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کو بڑی شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ ہندوستان میں فارسی کی تعلیم و تعلم کا رواج ختم ہو جانے کی وجہ سے ہماری نئی نسل اپنے ماضی سے کٹتی جا رہی ہے، مشائخ ہند کے مکتوبات و ملفوظات و افادات جنھوں نے صدیوں تک تعمیر سیرت تزکیۂ باطن کا کارنامہ انجام دیا ہے نئی نسل کی دسترس سے باہر ہوتے جا رہے ہیں ـــــ اس احساس نے انھیں آمادہ کیا کہ بزرگوں کے ان خزانوں کو اردو زبان میں منتقل کریں تاکہ آنے والی نسلیں ان بے بہا خزانوں سے محروم نہ ہو جائیں۔

"مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ" کے پیش لفظ میں سبب تالیف و ترجمہ بیان کرتے ہوئے مولانا فریدی مرحوم رقمطراز ہیں۔

"مکتوبات معصومیہ کی دوسری جلد کا مطالعہ میں نے سب سے پہلے کیا ـــــ اسکو دیکھ کر میرے دل میں یہ داعیہ قوت کے ساتھ پیدا ہوا کہ ان علمی و روحانی جواہرات کا ترجمہ ہونا چاہئے، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی طے کیا کہ وہ مضامین جو سلوک و معرفت کے اونچے مقامات سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کے سمجھنے کیلئے ان حضرات کے مقامات اور انکی خاص اصطلاحات سے واقفیت

ضروری ہے انکو حذف کرکے تلخیص کے طور پر یہ کام انجام دیا جائے"۔ ص۳۔۴

مولانا فریدی مرحوم کے قلم سے مکتوبات معصومیہ کا ترجمہ و تلخیص ماہنامہ الفرقان میں قسطوار شائع ہوتا رہا۔ ارباب نظر اور اصحاب دل نے اسے بہت پسند کیا، پھر کتب خانہ الفرقان نے اسے کتابی شکل میں شائع کیا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نے اس ترجمہ و تلخیص کو بہت پسند فرمایا اور تقریباً دس بارہ مرتبہ اس ترجمہ کو سنا۔

ترجمہ کی مقبولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس مقبولیت کا جو راز مولانا فریدی مرحوم نے آغاز کتاب میں لکھا ہے، وہ بھی انکی بے نفسی، للہیت اور فنائیت کا مظہر ہے، لکھتے ہیں "ظاہر ہے کہ مضامین میرے نہیں تھے، اس عارف کامل کے تھے، جس نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد ملت اسلامیہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں سنبھالی تھی، اور جس نے اپنی پوری زندگی اللہ اور رسولؐ کے عشق میں گذاری تھی۔ اس کے کلام کی تاثیر نے اگر ترجمہ میں بھی اپنا رنگ دکھایا تو یہ صاحب کلام کا کمال ہے میرا نہیں — البتہ میرے حصہ میں یہ سعادت مقدر تھی کہ ایک خاص انداز میں ان گرامی مکتوبات کو اپنی زبان میں پیش کروں — میں ہر چند نااہل ترجمان ہوں، لیکن اس پر نازاں ہوں کہ ترجمہ کے اوقات میں صاحب مکتوبات سے یک گونہ ربط قائم کرکے کچھ نہ کچھ اخذ فیوض و برکات کرتا رہا۔ اگرچہ تہدست اور کوتاہ عمل ہوں لیکن ایک شیخ کامل کی روحانیت کے دستر خوان سے، اس زلہ ربائی پر شکر خدا ادا کرتا ہوں۔

ترجمہ و تلخیص کے علاوہ مولانا فریدی مرحوم نے ایک اہم کام یہ کیا کہ کتاب کے آغاز میں صاحب مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ صاحب کی مختصر سوانح حیات شامل کردی دوسرا علمی اور تحقیقی کام یہ کیا کہ ساٹھ سے زائد مکتوب الیہم کے مختصر یا مفصل حالات تذکرہ و تراجم کی مستند کتابوں سے مرتب کرکے فٹ نوٹ کے طور پر شامل کتاب کردیے۔

ترجمہ بہت سلیس، رواں اور پُر تاثیر ہے پوری کتاب میں کہیں "ترجمہ پن" کا ہلکا احساس بھی نہیں ہوتا محسوس ہوتا ہے کہ یہ مکتوبات اصلاً اردو ہی میں تحریر کئے گئے اگر مضمون کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو چند نمونے یہاں پیش کئے جاتے۔

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ نے "مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی" کے نام سے اس ترجمہ و تلخیص کو اوسط کتابی سائز میں شائع کیا۔ صفحات کی تعداد ۳۰۰ ہے۔

# تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ مع صاحبزادگان و خلفاء

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی شخصیت مشائخ اسلام کے زریں سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے، مجدد الف ثانیؒ تو خواجہ باقی باللہؒ کیلئے وجہِ افتخار رہیں ہی، انکے علاوہ بھی متعدد بلند قامت، تاریخ ساز شخصیات حضرت خواجہ کے دامن سے وابستہ رہیں اور حضرت خواجہ کی کیمیا اثر صحبتوں نے ان کو تزکیہ و احسان کے بلند مراتب پر فائز کیا۔

الفرقان مجدد الف ثانی نمبر کیلئے مجدد صاحب کے خلفاء کے موضوع پر مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم نے بسوط مقالہ لکھا ــــ اس مقالہ کیلئے مطالعہ اور تیاری کے دوران مولانا مرحوم کے دل میں شدت سے یہ داعیہ ابھرا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیر و مرشد خواجہ باقی باللہؒ کی شخصیت اور ان کے بلند پایہ کارناموں کے سلسلے میں مستقلاً ایک کتاب لکھی جائے "تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ" مولانا مرحوم کی اسی خواہش کا پیکر وجودی ہے ــــ یہ کتاب متوسط سائز کے ۱۲۸ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، فہرست مضامین کے بعد پانچ صفحات میں الفرقان کے بانی مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کے قلم سے کتاب کا تعارف ہے۔ صفحہ ۹ سے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے، یہ تذکرہ صفحہ ۳۶ پر ختم ہو جاتا ہے، اسکے بعد "بحر ولایت کے دو آبدار موتی ــــ خواجۂ کلاں و خواجۂ خرد" کے عنوان سے حضرت خواجہ کے دو جلیل القدر صاحبزادگان خواجہ عبد اللہ و خواجہ عبید اللہ کا ذکر خیر ہے، ان دونوں صاحبزادوں کا تذکرہ صفحہ ۶۶ تک پھیلا ہوا ہے ــــ اسکے بعد مولانا فریدی مرحوم نے "بزم خواجہ خرد کی ایک جھلک" کے عنوان سے خواجہ خرد کے ایک نادر نسخۂ ملفوظات کا ترجمہ و انتخاب پیش کیا ہے ــــ مولانا مرحوم نے ملفوظات خواجہ خرد کا یہ قلمی رسالہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں ڈھونڈ نکالا، اسی کا ترجمہ و انتخاب اردو زبان میں مرتب فرمایا۔ "بزم خواجہ خرد کی ایک جھلک" صفحہ ۸۳ پر ختم ہو جاتی ہے، صفحہ ۸۵ سے حضرت خواجہ باقی باللہ کے تین نامور خلفاء (۱) تاج العارفین، شیخ تاج الدین سنبھلیؒ (۲) خواجہ حسام الدینؒ (۳) خواجہ اللہ داد دہلویؒ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے اور کتاب انھیں حضرات کے ذکر خیر پر ختم ہو جاتی ہے۔

یہ کتاب مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کی تذکرہ نگاری اور انشاء پردازی کا بہترین نمونہ ہے۔ مولانا مرحوم کے ذوقِ سوانح نگاری اور طرزِ تحقیق و تصنیف کی ایک جھلک اس کتاب سے محسوس ہوتی ہے ـــ مولانا مرحوم کی اکثر تصانیف کی طرح اس کتاب کی اشاعت کی سعادت بھی کتب خانہ الفرقان کے حصہ میں آئی۔

## تذکرہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

ہندوستان کی تاریخ اصلاح و جہاد میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ درخشاں ستارے کی طرح ضیا پاش ہیں۔ خداوند تعالٰی نے انکی زبان و قلم سے اصلاحِ امت، احیائے سنت، ردّ بدعت کا بہت بڑا کام لیا۔ جس طرح دشمنان اسلام کے خلاف انکی تلوار کی کاٹ بہت سخت تھی، اسی طرح شرک و بدعت کے خلاف انکے زبان و قلم کے وار بڑے کاری تھے۔ انکی کتاب "تقویۃ الایمان" نے شرک و بدعت کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ اسی لئے مشرکانہ ذوق رکھنے والے نام نہاد علماءِ سوء نے انکے خلاف مستقل محاذ کھول دیا اور علماءِ اہلِ حق نے ہمیشہ شاہ اسماعیل شہیدؒ کو اپنا پیشوا تسلیم کیا۔

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا زیرِ تذکرہ رسالہ ابتداءً جناب مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہ کی کتاب "شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہلِ بدعت کے الزامات" کے ایک باب کے طور پر شائع ہوا تھا، بعد میں اسے کتب خانہ الفرقان نے مستقل رسالہ کی صورت میں شائع کردیا ـــ مختصر ہونے کے باوجود یہ رسالہ شاہ صاحبؒ کے سوانحی پہلو پر بہت حاوی ہے۔ یہ رسالہ چھوٹے سائز کے ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

## وصایا حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا یہ امتیاز تھا کہ وہ علماء و مشائخ کے افادات و ملفوظات ایسی جگہوں سے حاصل کرلیتے جہاں ان چیزوں کے ملنے کی بظاہر حال امید بھی نہیں ہوتی۔ بزرگوں کے حالات، ملفوظات و مکتوبات کی تلاش میں انھوں نے بڑی جہاں نوردی کی ـــ اسی تلاش و جستجو نے انھیں بار بار ضلع مظفر نگر کے قدیم ترین قصبہ پھلت پہنچایا۔ کتب خانہ فیض الاسلام پھلت میں انھیں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے وصایا کا ایک مجموعہ

مخطوطہ کی شکل میں ملا ـــ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی شخصیت اہل علم کیلئے محتاج تعارف نہیں۔ آپ تصوف کے مشہور سلسلۂ سہروردیہ کے بانی اور عوارف المعارف جیسی بلند پایہ کتاب کے مصنف ہیں، ان کی زبان قلم سے نکلے ہوئے وصایا میں اثر آفرینی کی جو شان ہوگی وہ محتاج بیان نہیں ـــ مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم نے ان گراں قدر وصایا کا ترجمہ و انتخاب اردو زبان میں مرتب کرکے ماہنامہ الفرقان میں بالاقساط شائع کرایا۔ بعد میں وصایا کا یہ ترجمہ و انتخاب کتابی صورت میں کتب خانہ الفرقان نے افادۂ عام کیلئے شائع کردیا۔ یہ کتاب چھوٹے کتابی سائز کے ۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

## فرائد قاسمیہ

فرائد قاسمیہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے غیر مطبوعہ مضامین کا ایک نادر مجموعہ ہے جو مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کی جدوجہد سے ان کے مقدمہ و تعارف کے ساتھ ادارۂ ادبیات دہلی ـــ گلی قاسم جان دہلی سے شائع ہوا۔

اس مجموعہ کے مرتب حضرت مولانا حافظ سید عبدالغنی صاحب پھلاودی ہیں پھلاودہ تحصیل موانہ ضلع میرٹھ کی ایک قدیم آبادی ہے۔ مولانا سید عبدالغنی صاحبؒ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے استفادہ کرنے والے اور حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ کے شاگرد خصوصی تھے۔ انھوں نے بڑی محنت اور تلاش و جستجو سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی کی نایاب غیر مطبوعہ تحریروں کو جمع کیا اور اس مجموعہ کا نام فرائد قاسمیہ رکھا۔

فرائد قاسمیہ کا واحد نسخہ خوش خط لکھا ہوا مولانا سید عبدالغنی صاحبؒ پھلاودی کے ذاتی کتب خانہ کی زینت تھا جسے مولانا حافظ سید عبدالغنی صاحب کے پوتے مولانا حکیم سید عبدالمغنی صاحب حرز جان بنائے ہوئے تھے ـــ مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم نے علوم قاسمیہ کے اس خزینے کو حاصل کرکے اس کا عکسی ایڈیشن شائع کرانے کا اہتمام کرایا فرائد قاسمیہ کی اکثر تحریریں مختلف تلامذہ اور مستفیدین کے نام مکاتیب کی صورت میں ہیں جن میں مختلف علمی سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں ـــ مولانا فریدی مرحوم نے آغاز کتاب میں سولہ صفحات کا مقدمہ و تعارف شامل کیا جو مقدمہ نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ اس مقدمہ میں انھوں نے حافظ سید عبدالغنی صاحبؒ کا تعارف کرایا، فرائد قاسمیہ کی

اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی اور مکتوب الیہم کے مختصر حالات درج کئے۔

"فرائد قاسمیہ" کو منظر عام پر لانے کے سلسلے میں مولانا فریدی مرحوم نے جو تگ و دو کی اسکی قدر و قیمت ایک طبعزاد تصنیف سے کم نہیں۔ اگر مولانا مرحوم کو اس کتاب کی اشاعت کی توفیق نہ ملتی تو خدا جانے علوم کا یہ خزینہ اہل علم کے سامنے آبھی پاتا یا نہیں؟ اور اس واحد نسخہ کی حفاظت ہو بھی پاتی یا نہیں — "فرائد قاسمیہ" علماء کرام کے لئے گرانمایہ تحفہ ہے اور حضرت نانوتویؒ کے علوم و معارف کا اچھوتا نمونہ۔ مقدمہ و تعارف کے علاوہ اصل کتاب کے صفحات ۲۴۲ ہیں۔

## مکتوبات شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم نے اپنی زندگی میں جو بہت سے علمی اور تصنیفی کام کئے ان میں سے ایک اہم ترین کام مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی دریافت اور ان مکتوبات کا ترجمہ ہے، مولانا مرحوم نے بڑے ذوق و شوق سے ان مکتوبات کا ترجمہ کیا اور فٹ نوٹ میں مکتوب الیہم کے حالات لکھے وفات سے کئی سال قبل انھوں نے یہ کام مکمل کر لیا تھا۔ اور اسکی جلد از جلد اشاعت کیلئے بے چین تھے لیکن انکے مقدر میں نہ تھا کہ ان مکتوبات کو مطبوعہ شکل میں دیکھ کر شاد کام ہو سکیں، بسا اوقات مصنفین کو ناشرین کی طرف سے جس رویہ کا شکار ہونا پڑتا ہے مولانا فریدی مرحوم بھی مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بارے میں اسی کا شکار ہوئے، ادارہ ہمدرد دہلی نے ان گراں قدر مکتوبات کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا لیکن ابتک یہ زبردست علمی اور تاریخی ذخیرہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکا۔

خود مولانا فریدی کی نظر میں ان مکتوبات کی کیا قدر و قیمت تھی اس کا اندازہ مولانا مرحوم کے ان دو مکتوبات سے ہو سکتا ہے جو انھوں نے اس نابکار کے نام ۱۹۸۳ء میں تحریر فرمائے، یہ دونوں خطوط علمی افادات سے لبریز ہیں اور خاصے طویل لیکن ہم اختصار کے خیال سے ان دونوں خطوط کے صرف وہ حصے درج کرتے ہیں جو مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بارے میں ہیں۔

پہلے مکتوب میں لکھتے ہیں "آپ کے ذہن میں نہ معلوم یہ بات کس طرح آئی کہ میں نے نادر مکتوبات شاہ ولی اللہ کا مجموعہ چھپوا دیا ہے۔ اور وہ ادارۂ ہمدرد نے چھاپا ہے،

اقوریہ ہے کہ نسخہ چاند پور کے چند خطوط کے علاوہ جو بیاسی مکتوبات کے نام سے خلیق احمد
سلمہ نے شائع کر دیئے ہیں بقیہ تمام خطوط کا ترجمہ میں نے ادارۂ ہمدرد کے ایماء پر کیا اس میں
لگ بھگ ۲۰۰ خطوط ہیں۔ اسی مجموعہ میں سے نقل کر کے میں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث
دہلوی کا وہ مکتوب گرامی جو مولانا محمد واضح حسنی کے نام تھا مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم
کو بھیجا تھا پھر مولانا علی میاں کے امروہہ تشریف لانے پر جبکہ وہ بسلسلۂ پیغام انسانیت
دورہ فرما رہے تھے اور امروہہ بھی تشریف لائے تھے اس مکتوب گرامی کا ایک اقتباس
نقل کر کے پیش کیا تھا، مولانا علی میاں نے اس کی فرمائش بھی کی تھی۔ اسی مجموعہ میں سے
ایک مکتوب کا حوالہ دے کر میں نے مولانا محمد ثانی سے کچھ دریافت کیا تھا۔ اس کا جواب دیتے
ہوئے انھوں نے لکھا کہ اس مکتوب گرامی سے ایک بڑی تاریخی غلطی کی تصحیح ہو گئی اور
یہ بھی لکھا تھا کہ نزہتہ الخواطر کے مسودہ میں جب دیکھا گیا تو وہ تذکرہ جو مسودہ میں موجود
تھا مطبوعہ نزہتہ الخواطر میں شائع نہیں ہو سکا تھا۔ شاہ صاحب ہی کے مکتوب گرامی کی برکت
سے اس بات کا بھی پتہ چلا کہ ایک بزرگ کا تذکرہ شائع ہونے سے رہ گیا ہے مولانا علی میاں
نے اس کو نوٹ کر لیا ہوگا تاکہ اگلے ایڈیشن میں وہ تذکرہ بھی شائع ہو جائے۔

میری معذوری کی وجہ سے اس نادر مجموعۂ مکتوبات کی اشاعت میں برابر تاخیر
رہی ہے اس میں چند شخصیات کے تراجم اور ایک مقدمہ درج کرنا ہے۔ یہ کام ایک ماہ
میں ہو سکتا ہے ۔۔۔ اس مجموعہ کے علاوہ دوسرا مجموعہ شاہ ولی اللہ کے نادر مکتوبات کا
رہ ہے جس کو ادارۂ ہمدرد نے عکس کر کے میرے پاس بھیجا، اس میں بھی تقریباً سو
مکتوبات ہیں اور کل کے کل نادر ہیں۔ اس مجموعہ کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ تراجم اور مقدمہ
کا کام باقی ہے۔ پہلے اول الذکر مجموعہ شائع ہو جائے پھر اسکے بعد دوسرا مجموعہ شائع
ہو جائے گا۔ مجھے اس سلسلے میں مولانا علی میاں زید مجدہم کے اثرات سے کام لینا ہے وہ
دعا بھی فرمائیں اور حکیم عبدالحمید کو لکھیں کہ نسخہ چاند پوری جس کو تغلق آباد بھیجدیا
گیا ہے جلد شائع کرائیں۔ اور یہ بھی لکھدیں کہ جو تھوڑا کام اس میں باقی ہے وہ پھر جلد
ہو جائے گا۔ حکیم صاحب اسکے چھپوانے کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ حکیم صاحب کا جواب یقینی یہ ہوگا
کہ امروہہ والے کی طرف سے تاخیر ہو رہی ہے، ایک حد تک یہ بات بھی ان کی صحیح ہوگی،
مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کے سامنے اس کام کی اہمیت پیش نہیں کی گئی ۔۔۔

یہ دونوں مجموعے شائع ہو جائیں تو ان مکتوبات کے آئینہ میں شاہ صاحبؒ کی ایک مستقل سوانح عمری مرتب ہو سکتی ہے۔ خدا کرے مولانا علی میاں کی کتاب مرتب ہونے سے پہلے یہ دونوں مجموعے شائع ہو جائیں۔ حکیم صاحب اگر اہتمام کریں گے تو بظاہر کچھ مشکل نہیں کہ ۵۔۶ ماہ میں یہ شائع ہو جائیں۔"

مولانا فریدی اپنے دوسرے مفصل مکتوب تحریر کردہ ۶ نومبر ۱۹۸۳ء میں مکتوبات شاہ ولی اللہؒ کے بارے میں بڑے اضطراب کے ساتھ لکھتے ہیں "مولانا علی میاں زید مجدہم نے حکیم عبدالحمید صاحب کو شاید مکتوب گرامی بھیجا ہوگا۔ انکی طرف سے جو جواب آیا ہو اس سے مطلع کریں ــــ مولانا کی توجہ سے اگر مکتوبات شاہ ولی اللہ کے یہ دونادر مجموعے ندوہ پریس میں چھپ جائیں تو بہت اچھا ہو۔ ان دونوں مجموعوں میں سے ایک تعلق آباد مع ترجمہ بھیج دیا گیا ہے، یہ نسخہ چاندپور ہے جسکے صرف چند خطوط سیاسی مکتوبات میں چھپے ہیں۔ اصل مکتوبات کا نسخہ چاندپور سے دارالعلوم دیوبند پہنچ گیا ہے اور بوسیدہ حالت میں ہے۔ میں نے بڑی جانفشانی سے اس وقت جب میری بصارت کام کر رہی تھی اس کو نقل کیا اور حکیم عبدالحمید صاحب کی ایماء و امداد سے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا۔

دوسرا نادر نسخہ عثمانیہ لائبریری حیدرآباد سے حکیم صاحب نے عکس کرا کے حاصل کیا اور مجھے بھیجا اس میں بھی خوب غور و فکر کے ساتھ تصحیح کر کے بہت وقت صرف کیا گیا ہے اور حکیم صاحب نے اس کا ترجمہ کرانے میں بھی مالی مدد کی ہے، یہ نسخہ مع ترجمہ ابھی امروہہ سے نہیں گیا ہے مولانا دونوں نسخوں کو ندوہ کے پریس میں چھپوا دیں اور حکیم صاحب کو اس پر راضی کر لیں تو بہت اچھا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولانا علی میاں کی بات حکیم صاحب مان لیں گے تعلق آباد میں ان مکاتیب کا اور انکے ترجموں کا اہتمام کے ساتھ چھپنا معلوم نہیں کب تک ہو سکے۔

میں لکھنؤ حاضر ہونا چاہتا ہوں اور اس حاضری کی غرض مولانا نعمانی اور مولانا علی میاں کی ملاقات کے علاوہ ان دونوں نادر نسخوں کی طباعت کے مسئلہ پر بھی توجہ دلانا ہے۔ مکتوب الیہم کے تراجم کا کام ابھی باقی ہے جو ۱۵۔۲۰ دن میں یا زیادہ سے زیادہ ایک ماہ میں ہو سکتا ہے۔ مقدمہ بھی دونوں نسخوں کا مولانا علی میاں لکھیں تو روحِ شاہ ولی اللہ بہت خوش ہوگی۔ مولانا تاریخ دعوت و عزیمت کی طباعت سے پہلے ان دونوں نادر نسخوں کو ضرور ملاحظہ فرمالیں اور ندوہ میں ان دونوں نسخوں کو چھپوائیں۔ میں ان کا پہلے ہی سے

ممنون ہوں یہ کام ہوگیا تو بہت ہی زیادہ ممنون ہوں گا۔"

مولانا فریدی مرحوم تو مکتوبات شاہ ولی اللہ کی اشاعت کا انتظار کرتے کرتے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ خدا جانے کیوں یہ مکتوبات اب تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکے حالانکہ ادارۂ ہمدرد کے پاس الحمد اللہ وسائل کی کمی نہیں۔ مکتوباتِ شاہ ولی اللہؒ کے یہ دونوں نادر مجموعے ادارہ ہمدرد کے پاس ملت اسلامیہ کی بیش بہا امانت ہیں خدا کرے جناب حکیم عبد الحمید صاحب اور انکے رفقاء جلد از جلد ان کی اشاعت پر توجہ دیں۔

## مکتوبات سید العلماء مولانا سید احمد حسنؒ محدث امروہی

میری معلومات کی حد تک مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا سب سے آخری تصنیفی کام مکتوبات سید العلماء کی ترتیب و تدوین ہے۔ مولانا سید احمد حسنؒ محدث امروہی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز ترین شاگرد ہیں۔ حضرت نانوتویؒ کے بہت سے علمی مکاتیب انھیں کے نام لکھے گئے۔ مولانا احمد حسنؒ محدث امروہی کے مکتوبات کا بڑا ذخیرہ مولانا فریدی مرحوم کو پھلاودہ تحصیل موانہ ضلع میرٹھ میں حاصل ہوا۔ چنانچہ مولانا فریدی "قرائد قاسمیہ" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں "حضرت مولانا امروہیؒ کے مرسلہ مکتوبات بنام حضرت حافظ صاحب پھلاودی بڑی تعداد میں ہیں جن میں سو سے زائد پوسٹ کارڈ ہیں اور کچھ کم پچاس لفافے ہیں۔ یہ خطوط حضرت مولانا نانوتویؒ کے زمانۂ حیات کے آخری حصہ سے لے کر حضرت مولانا امروہیؒ کی وفات تک کے ہیں۔ یہ مجموعہ بھی ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) سے لے کر حضرت امروہی کی وفات کے قریبی زمانے تک کے خطوط میں امروہہ، مراد آباد، دیوبند، گنگوہ وغیرہ کے بزرگوں کا ذکر ہے اور اس زمانہ کے اہم واقعات کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ خطوط بھی اگر شائع ہوجائیں تو معلومات کی بہت سی راہیں کھلیں۔" (مقدمہ قرائد قاسمیہ ص۳)

مقدمہ میں ایک دوسری جگہ معاونین و محسنین کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں "میاں مولوی محب الحق قاسمی درکھنگوی سلمہ نے بھی اس کتاب کے حصول کے سلسلے میں میرے ہمراہ میرٹھ اور پھر پھلاودہ پہنچ کر اس کتاب کو اور اس کے ساتھ "تنویر النبراس" اور مکتوبات حضرت محدث امروہیؒ کو حفاظت کے ساتھ امروہہ لانے، ان کے مضامین سے آگاہ کرنے میں اور

پھر اس کتاب کی ترتیب میں میری بہت مدد کی" ص ۱۵

غالباً سید العلماء حضرت مولانا احمد حسنؒ محدث امروہی کے یہی وہ مکاتیب ہیں۔ جنھیں مولانا فریدی نے زندگی کے آخری حصہ میں مرتب فرمایا۔ مرسل الیہم کے حالات فٹ نوٹ میں لکھے۔ میرے نام اپنے ایک مکتوب تحریر کردہ ۸ دسمبر ۱۹۸۷ء میں رقمطراز ہیں "ان دنوں مکتوبات سید العلماء مولانا سید احمد حسن امروہیؒ کی کتابت ہو رہی ہے، اس کی وجہ سے مشغولیت ہے۔ ۱۴ صفر ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۶ جولائی ۱۸۹۷ء کے ایک مکتوب میں حضرت امروہی نے تحریر فرمایا ہے" تہنیت فتوحات سلطانی خلد اللہ ملکہ تا رمبارکباد براہ راست من نحیف فرستادہ" معلوم یہ کرنا ہے کہ ۱۸۹۷ء میں ٹرکی کو جو فتح ہوئی اسکی مختصر روئیداد کیا ہے آپ کی معلومات اس سلسلے میں زیادہ ہیں اس لئے آپ کو تکلیف دی گئی تاریخ اور جنتری سے مدد لے کر آٹھ دس سطریں اس سلسلے میں تحریر فرما دیں، اس سے زائد درکار نہیں۔ اس زمانے کے خلیفۃ المسلمین کا نام بھی تحریر کریں"

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم زندگی میں مکتوبات سید العلماء کے کام سے فارغ ہو چکے تھے۔ انکی خواہش تھی کہ اس کتاب کا مقدمہ حضرت مولانا علی میاں دامت برکاتہم تحریر فرمائیں۔ حضرت مولانا کو مولانا فریدی مرحوم کی اس خواہش کا علم ان کی وفات کے بعد ہوا، چنانچہ حضرت مولانا علی میاں دامت برکاتہ نے مکتوبات سید العلماء کا مقدمہ تحریر فرمایا۔ خدا کرے مولانا فریدی مرحوم کی یہ آخری علمی یادگار جلد از جلد شائع ہو کر منظر عام پر آجائے۔

## مکتوباتِ اکابر دیوبند

یہ کتاب جماعت دیوبند کے بلند پایہ اکابر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب، حضرت شاہ عبد الغنی صاحب مجددی مہاجر مدنی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمہم اللہ وغیرہم کے بیش قیمت مکتوبات کا مجموعہ ہے جسے دار العلوم دیوبند کے مہتمم اول حضرت شاہ رفیع الدینؒ صاحب دیوبندی کے سعادت مند نواسے دفتری نور الحق صاحب مرحوم نے

یکجا کیا۔ اس کتاب پر مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا نام مرتب کی حیثیت سے لکھا ہوا ہے اور دفتری نورالحق صاحب مرحوم کا جامع کی حیثیت سے۔ آغاز کتاب میں مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کے قلم سے تیرہ صفحات کا مقدمہ شامل ہے، جس میں انھوں نے ان مکاتیب کی اہمیت اور قدر و قیمت پر روشنی ڈالی ہے۔ دفتری نورالحق مرحوم کے یہاں اکابر و مشائخ کے دوسرے جو افادات ہیں ان کا تعارف ہے، مولانا فریدی مرحوم کے مقدمہ سے ان مکاتیب کی علمی و تاریخی اہمیت اجاگر ہو گئی ہے۔ چند مکتوبات فارسی زبان میں ہیں، ان کا اردو ترجمہ بھی شامل کتاب ہے معلوم نہیں کہ یہ ترجمہ مولانا فریدی مرحوم کے قلم سے ہے یا نورالحق صاحب مرحوم کے قلم سے ـــــــ معراج بکڈپو دیوبند نے ان مکتوبات کو شائع کیا، متوسط کتابی سائز کے ۱۳۶ صفحات پر یہ کتاب مشتمل ہے۔

ان گرامی قدر مکتوبات میں سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا ایک مکتوب جو ایک معرکۃ الآراء مسئلہ سے متعلق ہے اور ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا گیا ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

استفتاء ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ذات باری عز اسمہ موصوف بہ صفت کذب ہے یا نہیں اور خدا تعالےٰ جھوٹ بولتا ہے کہ نہیں، اور جو شخص خدا تعالےٰ کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے وہ کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ ذات پاک حق تعالےٰ جل جلالہ کی پاک اور منزہ ہے اس سے کہ متصف بہ صفت کذب کی جائے۔ معاذ اللہ اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ بھی کذب کا نہیں" قال اللہ تعالیٰ ومن اصدق من اللہ قیلا (فرمایا اللہ تعالےٰ نے، بات میں کوئی اللہ تعالےٰ سے زیادہ سچا نہیں) جو شخص اللہ تعالےٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے وہ قطعاً کافر ملعون ہے اور قرآن و حدیث و اجماع امت کا مخالف ہے، ہرگز مومن نہیں" تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا" (اللہ تعالےٰ ظالموں کی بات سے بہت ہی اونچا ہے) البتہ یہ عقیدہ سب اہل ایمان کا ہے کہ خدا تعالےٰ نے مثلاً فرعون و ہامان و ابی لہب کو قرآن مجید میں جہنمی ہونے کا ارشاد فرمایا ہے۔ وہ حکم قطعی ہے، اس کے خلاف ہرگز ہرگز

نہ کرے گا مگر باایں ہمہ وہ تعالیٰ قادر ہے[1] اس بات پر کہ ان کو جنت دے دے۔ اس علم مذکور کی وجہ سے عاجز نہیں ہوگیا اگرچہ کبھی ایسا نہ کرے گا۔ قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اگر چاہتے ہم تو ہر شخص کو ہدایت دیتے لیکن یہ بات پکی ہو چکی کہ جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھریں گے) اس بات سے واضح ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو سب کو مومن بنا دیتا مگر جو فرما چکا اس کے خلاف نہ کرے گا۔ اور یہ سب یعنی کسی کو کافر بنا دینا، کسی کو مومن بنا دینا اپنے اختیار سے ہے اضطرار سے نہیں۔ وہ فاعل مختار فعال لما یرید ہے۔ یہی عقیدہ تمام علماء امت کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

| رشید احمد |
| --- |
| ۱۳۰۱ھ |

---

[1] امام المفسرین، رئیس المتکلمین فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں تحت تفسیر (إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ الآیۃ) فرماتے ہیں "یجوز علی مذھبنا من اللہ تعالیٰ ان یدخل الکفار الجنۃ وان یدخل الزھاد والعباد النار لان الملک ملکہ ولا اعتراض لاحد علیہ یعنی اہل سنت کے مذہب کے موافق جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کفار کو جنت میں داخل کر دے اور تمام زاہدوں و عابدوں کو جہنم میں داخل کر دے، کیونکہ تمام جہاں اس کا مملوک ہے وہ سب کا مالک ہے، اس پر کوئی کسی قسم کا اعتراض نہیں کر سکتا" قال اللہ تعالیٰ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ" اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور سب سے باز پرس کی جاوے گی۔

(مکتوبات اکابر دیوبند ص۵۸-۵۹-۶۰)

**ہندوستان کا سب سے پہلا سفر نامۂ حجاز۔**

مولانا الحاج شاہ رفیع الدین صاحب فاروقی مرادآبادیؒ تلمیذ رشید حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا سفر نامۂ حرمین ۱۲۰۱ھ تا ۱۲۰۳ھ کا ہے ــــــــ اس سفر نامہ میں جبکہ ریل اور موٹر وغیرہ سواریوں کا وجود نہیں تھا۔ مکان سے روانہ ہو کر براہ خشکی سورت پہنچنا وہاں سے بذریعہ بادبانی کشتی تا جدہ بعدہٗ حرمین شریفین اور طائف کا ریگستانی و پہاڑی سفر نیز واپسی کے مفصل حالات بڑے دلچسپ انداز میں درج ہیں، پڑھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود سفر کر رہا ہے۔

**تذکرۂ خلفاء حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ۔**

یہ رسالہ حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ کے خلفاء کا مختصر مگر جامع تذکرہ ہے مدرسہ نور محمدیہ جھنجھانہ سے شائع ہو چکا ہے۔

**مجمع البیان۔** سیرت واخلاق نبوی صلے اللہ علیہ وسلم صرف آٹھ صفحہ۔

## غیر مطبوعہ کتب

**قافلۂ اہلِ دل۔**

یہ کتاب مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے خلیفہ و جانشین حضرت عبداللہ المعروف بہ شاہ غلام علی نقشبندی مجددیؒ کے حالات ملفوظات مکتوبات اور خلفاء کے حالات کی آئینہ دار ہے

**حضرت شاہ ابوسعید حسنیؒ ــــ**

اس کتاب میں حضرت شاہ ابوسعید قطبی رائے بریلویؒ کے مختصر حالات اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور انکے خاندان سے ان کے تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے، ساتھ ہی ان کے ایک گمنام خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر خالص پوری کا بھی تذکرہ شامل ہے۔

**شاہ عبدالرحیم والدالرضاؒ۔**

یہ کتاب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم فاروقی

---

مولانا فریدی مرحوم کی یہ تینوں کتابیں الفرقان بکڈپو لکھنؤ سے انشاءاللہ جلد ہی شائع [illegible]

دہلویؒ اور عم مکرم حضرت شاہ ابوالرضا فاروقی دہلویؒ کے حالات، ملفوظات اور مکتوبات کا مجموعہ ہے۔

سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ۔

یہ کتاب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے حالات ملفوظات اور مکتوبات پر مشتمل ہے انشاء اللہ عنقریب شائع ہونے والی ہے۔

کاروان اہل فضل وکمال۔

یہ تذکرہ حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مہاجر مکیؒ اور آپ کے شاگردوں کے حالات میں ہے جو "الفرقان" میں قسط وار شائع ہو چکا ہے اب کتابی شکل میں شائع ہونے والا ہے۔

نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کا سفرنامۂ حج۔

اس سفرنامہ کا آپ نے تلخیص و ترجمہ کیا ہے۔

زیارت حرمین۔

یہ خود مولانا فریدیؒ کا سفرنامہ حج ہے جو اپنے اندر ایک خاص جاذبیت رکھتا ہے پڑھنے سے روح کو سکون ملتا ہے اس سفرنامہ کو ہر سال ماہ ذی الحجہ میں اپنے بعض خدا سے سناکرتے تھے وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ الفرقان میں پانچ قسطوں میں شائع ہو چکا ہے۔ خدا کرے یہ بھی کتابی شکل میں آجائے۔

ان مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ مولانا کے بے شمار مضامین اور حمد، نعت، منقبت اور غزل وغیرہ اصناف سخن پر ..... شعری تخلیقات ہیں، جو مندرجہ ذیل رسالوں و اخباروں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ہیں:۔

(۱) الفرقان لکھنؤ (۲) القاسم دیوبند (۳) الحرم میرٹھ (۴) البلاغ بمبئی (۵) البدر کاکوری (۶) الحق اکوڑہ خٹک (۷) الجمعیۃ دہلی (۸) انسائیکلوپیڈیا کراچی (۹) الرحیم کراچی (۱۰) برہان دہلی (۱۱) تذکرہ دیوبند (۱۲) تاج لاہور (۱۳) رسالہ دارالعلوم دیوبند (۱۴) سلطان العلوم دیوبند (۱۵) سہارا اڑیسہ (۱۶) شاعر آگرہ (۱۷) قائد امروہہ (۱۸) منادی دہلی (۱۹) مہر نیمروز کراچی (۲۰) مشرقی آواز دہلی (۲۱) مخبر عالم مرادآباد (۲۲) نیراعظم مرادآباد۔
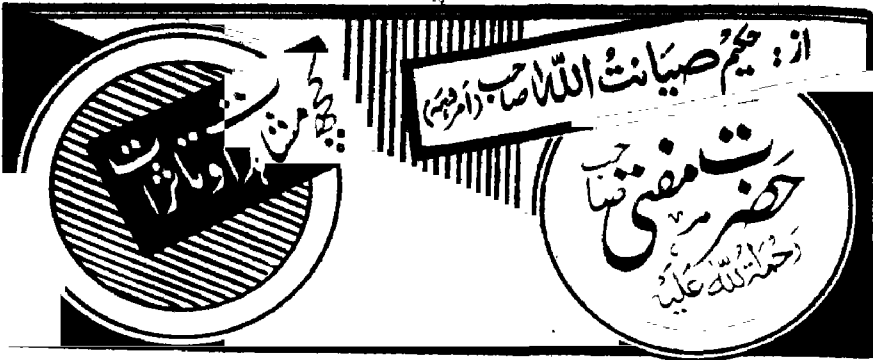
حضرت مفتی صاحبؒ کے ابتدائی تعلیمی حالات تو ایسے تھے کہ وہ اسکے نتیجہ میں یا تو باکمال منشی جی ہوتے یا ماسٹر صاحب، مفتی صاحب بالکل نہ ہوتے ۱۶-۱۷ سال کی عمر میں اردو انگلش مڈل کے بعد علوم مشرقیہ و دینیہ کی طرف مراجعت، مشیت الٰہی کی وہ جلوہ آفرینی ہے جس کے لئے خالق مطلق نے انھیں حیات بخشی تھی۔

"مدرسہ جلیہ" سے معلمی کا سلسلہ شروع ہوا، مگر طالب علمانہ جذبہ کے ساتھ عربی اساسی کتب میں ایک کتاب "ہدایۃ النحو" بھی ہے۔ اسکی تکمیل کے لئے حضرت مولانا انوار الحق صدیق صاحبؒ سے درخواست کی گئی جن کا ہر سانس، ہر لمحہ درس و تدریس کے لئے وقف تھا حکم ملا کہ جب ظہر کی نماز کا وضو شروع ہو درس لے لیا جائے، حکم کی تعمیل اور کتاب کی تکمیل اس مختصر و بابرکت وقت میں ہوئی، میری نظر میں یہیں سے طلب علم کی نشأۃ ثانیہ و دینی و روحانی سفر شروع ہوا، "بعد منزل نبود در سفر روحانی" آخر ش مقررہ منزل مل ہی گئی
اگرچہ یہ احقر الزمن راقم حضرت مفتی صاحبؒ کا نہ ہم درس رہا ہے اور نہ تلمیذ لیکن، ایک نسبت بے دو رکی کے تحت انکے اس معلّمی و متعلّمی کے دور میں اُسے ہم مدرسہ و ہم استاذ ہونے کا شرف ضرور حاصل ہے۔ اور جب ایک خاصے عرصے بعد نہ معلوم کس حسن ظن کے تحت بعض بزرگوں کے احکامات کے تحت مجھے مدرسہ جلیہ کی کچھ خادمانہ ذمہ داریاں قبول کرنا پڑیں تو یہ بھی میری خوش بختی رہی کہ حضرت مفتی صاحبؒ سے نیازمندانہ قرب بڑھا حتیٰ کہ مختلف حیثیتوں سے کچھ اضافات کے ساتھ انکے وصال تک یہ قائم بھی رہا۔
اپنے اس طویل قرب کے میرے اپنے مشاہدات یہ ہیں کہ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی صاحبؒ ایک عالم باعمل، فاضل اجل، محب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم، رمز آشنائے تصوف،

حقیقت شناس صوفیائے کرام و اولیائے عظام، واقف اسرارِ شریعت و طریقت تھے، زندگی بھر "الفقر فخری" کا مکمل نمونہ بنے رہے، اور شاید اسی لئے مکینِ مسجد رہے مگر فقر و رہبانیت کے واضح امتیاز کے ساتھ، انکی اس شانِ فقر کو دیکھنے اور پرکھنے کیلئے سطحی بصارت نہیں آفاقی بصیرت درکار تھی، شاید کم ہی لوگ اس کا مشاہدہ کر سکے ہونگے کیونکہ ۔ ع

اہلِ دانش عام ہیں، کمیاب ہیں اہلِ نظر

وہ تصوف میں کارگہہ حیات سے گریز و بیزاری اور جو عمل وجہ نمائش ہے اسکے قائل و قریب نہ تھے۔

خاص طور پر امروہہ کے اولیائے کرام و بزرگان سلف، انکے مزارات، محل وقوع اور انکی تفصیلات سے اس طرح آگاہ تھے کہ کوئی اگر لکھنے بیٹھے تو ایک نئی "تاریخ امروہہ" و "تذکرۃ الکرام" بن جائے، بے حد افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ امروہہ میں ان بزرگوں کی پینتالیس [۴۵] اور "نو گانواں" میں تیئیس [۲۳] خانقاہیں موجود تھیں بیشتر کا اب کوئی نام لیوا بھی نہیں اور کتنی ہی مقبوضاتِ اغیار ہیں۔ وہ ان بزرگان کرام کے شجرہائے نسبت، سلاسل و متعلقات کے مکمل طور پر حافظ تھے، انکے حافظے سے کسی سلسلے کی کوئی کڑی بھی غیر مربوط نہ رہ سکتی تھی۔ اس ذیل کا کوئی ذکر چھڑ جاتا تو شوق دفتر کھل جاتا تھا۔ خود میرے سامنے کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دن میں عصر کی نماز کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضری کے لئے گھر سے چلا، اتفاقاً حضرت کی مستقر مسجد کے قریب ایک رکشہ والے نے مجھ سے ایک مزار کا پتہ معلوم کیا، میں اسکی رہبری نہ کر سکا، اور رکشہ میں بیٹھ اپنے ساتھ لئے مسجد میں آیا اور ان کی رہنمائی چاہی مزار و صاحب مزار کا نام معلوم ہو کر فرمایا کہ بھوپال سے تشریف لائے تھے۔ اب جو صاحب مزار بزرگ کا ذکر شروع ہو اُن کا شجرہ، انکے سلسلے، انکے مراتب سب اس طرح بیان فرما دیئے کہ جیسے تذکرہ اولیاء کی کسی کتاب کے اوراق پلٹے گئے ہوں۔ ان صاحب کو "جوئندہ یابندہ" کے تحت نہیں ایک نعمت غیر مترقبہ کے طور پر جو منزل مقصود حاصل ہوئی وہ شاید انکے مطلوبہ سنگ و خشت کے حصار میں نہ بہ تقاضائے حالات وہ حلقہ امروہہ کے تبلیغی و جماعتی "امیر" بھی بنائے گئے چنانچہ امارت کا کام ایسا نظام ایسا کہ ملوکی و جمہوری دفاتر ہیچ، حلقے کے کن مضافات و مواضع میں کتنے لوگ مصروف کار ہیں، ان وابستگان کے نام کیا ہیں، مواضعات کی آبادی کتنی اور محل وقوع و راہِ آمد و رفت کیا ہے، وہاں مساجد بھی ہیں کہ نہیں؟ اہلِ حق کتنے ہیں او

اہلِ باطل کہتے، کارکردگی میں کیا دشواریاں ہیں، ازالۂ مشکلات کس طرح ممکن ہے؟ یہ تمام امور مہمہ وقت مختصر، نہ صفحاتِ کاغذ درکار ہیں اور نہ رجسٹر، فارق الفصل ہونے کی اس سے زیادہ واضح وروشن دلیل اور کیا ہوگی؟ کوئی جماعتی بھائی، کوئی متعلق علیل ہے تو عیادت کی سنت ترک نہیں ہوسکتی، ایسے ہی اگر کوئی موت واقع ہوئی ہے تو نماز جنازہ میں شرکت ضروری، ہوسکا تو قبرستان تک مشایعت بھی ہوگئی اب واپسی تدفین ودعائے ثابت قدمی کے بعد ہی ہوگی۔

نعتیہ ومنقبتی مشاعرہ ہے تو عذرہائے معقول کے ساتھ انکار کے باوجود اصرار ہائے بے جا کی صورت میں صدارت یا محض شرکت طے ہوجائیگی، دیہات میں دینی مکاتب ومساجد کا سنگ بنیاد حضرت ہی کے دست مبارک سے رکھوایا جائیگا خواہ سفر بسوں اور ٹمپو بلکہ کچھ دھوپ میں پیدل ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے ضعف پیری وتعب سفر، طبیعت خراب، معالج کا مشورہ "الحذر!"۔ مگر وعدہ وفا نہ ہو، یہ ممکن نہیں۔

ذاتی معاملات، نزاعات ومقدمات کے سلسلے میں وقت ضائع کرنے والوں کی بھی کمی نہیں، تعویذ گنڈے جھاڑ پھونک کے متمنی بھی موجود ہیں۔ خانہ خدا ہے دقّ الباب (دروازہ کھٹکھٹانے اور اجازت لینے) کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ حرکات بے جا حضرت کیلئے وجہ تکدر بھی ہیں مگر بلطائف الحیل انھیں بھی راستہ بتایا جائیگا۔ یہ مصروفیات پیہم کن حالات میں ہیں کہ خود اپنی تصنیفات وتالیفات کی تسوید جاری ہے بعض اہم مخطوطات کے تراجم ہورہے ہیں، خطوط وجوابات بھی تحریر کرائے جارہے ہیں بعض اخبارات اور رسائل کے مختصرات کی سماعت بھی ہورہی ہے، کبھی کسی وقت مشہور کتب کا بالواسطہ مطالعہ جاری ہے اگر نظر کہیں "فیہ نظر" کے لئے ٹھہری ہے تو پورا پورا حق تحقیق ادا کیا جائیگا۔

ملک کے فرقہ وارانہ واقعات سے بے حد دل گرفتہ وملول رہتے تھے، مگر عقیدۂ راسخ یہ تھا کہ "عبد قہار بندوں کی ہر طرح کے مصائب برداشت کرسکتا ہے مگر ظلم کو نہیں، ظالم کو اپنے ظلم کا خمیازہ بھگتنا ہی ہوگا۔ یہی بات انھوں نے ۵۰ء میں بھی فرمائی تھی جبکہ خود انکی مسجد بھی کسی آگ ہند کا حصار بنی رہتی تھی پھر [illegible]ء میں ملک کے جو نتائج سامنے آئے، ساری دنیا نے انھیں انگشت بدنداں ہوکر کبھی کبھی کچھ اور واقعات سے بھی مکدر وملول ہوتے تھے مگر خدا کی غیبی قدرت کس طرح ان کا ازالہ فرماتی تھی وہ بجائے خود ایمان افروز وسبق آموز ہے میرے ایک عزیز کا دو منزلہ

چند گز پر مولانا کی مسجد کے بالکل مقابل ہے نقشہ کے مطابق مشترکہ غسلخانہ و بیت الخلا بالائی منزل پر بالکل مسجد کی محاذ میں آگیا حضرتؒ کا فرشِ آرام بھی سامنے ہی تھا ان دونوں کا ہر وقت کا غیر محتاط استعمال، نامانوس آوازیں، پُرعفونت پانی کا سیلان، نمازیوں کیلئے بھی تکلیف دہ اور حضرت مفتی صاحبؒ کیلئے بھی وجہ تکدر تھا مجھ سے بھی اپنی کراہت کا ذکر فرمایا میں نے تدارک چاہا مگر کوئی سبیل نہ نکلی۔ ایک شب خود صاحب خانہ یا کسی اور فرد کی اپنی غلطی سے اس کا ہمیشہ کیلئے تدارک ہو گیا۔ ہوا یہ کہ پانی گرم کرنیکے گیزر کا سوئچ کھلا رہ گیا گیس بنتی رہی اور آخر شب میں خوفناک دھماکے اور ہیبتناک آواز کے ساتھ وہ پھٹا اور اپنے ساتھ غسلخانہ و پائخانہ بھی لے اڑا، ان کا ملبہ دور دور کے مکانوں کی چھتوں اور قریب کی سڑکوں پر پھیل گیا اگر اول شب یا دن کا وقت ہوتا تو کئی ہلاکتوں کے امکانات بھی تھے۔ پورے مکان میں دراڑیں پڑ گئیں، کمروں کا سامان ٹوٹ پھوٹ گیا، صاحبِ خانہ جس کمرے میں سو رہے تھے اس میں بھی لوہے کی الماری ٹیڑھی ہو کر انکی مسہری پر گری، مسہری کو توڑ دیا۔ الماری کی کجی و خمیدگی کے باعث صاحبِ خانہ زندہ بچ گئے ورنہ اگر الماری سیدھی ان پر گرتی تو انجام معلوم۔

مسجد کے قریب ہی کے ایک ساکن، تمام نمازوں کے مصلی حضرت مفتی صاحبؒ کے بھی نیاز مند، ایک دن نہ معلوم کیوں انھیں محسوس ہوا کہ مسجد میں مُردوں کو لیجانے والی مسہری نہیں ہے، کسی سے ذکر کئے بغیر اپنی جیب خاص سے مسہری تیار کرائی، اور اسے مسجد کی زینت بنا دیا، یہ خوش خبری حضرت مفتی صاحب کو سنائی، حضرت کو نہ معلوم کیوں یہ سنتے ہی غصہ آگیا اور وہ کہہ ڈالا جسکی ان صاحب کو توقع نہ تھی۔ آخر میں یہ بھی فرما دیا کہ کون مردہ اس پر جائیگا؟ اور ہوا بھی یہی کہ یہ کسی مردے کے لیجانے کا سامان تو نہ بنی مگر وہاں ٹنگی جہاں وضو کے لئے پانی گرم ہوتا تھا اور اس جگہ یہ باعثِ زحمت بن گئی اور حضرت مفتی صاحبؒ کا تکدر بھی برقرار رہا۔ ایک شب ہوا یہ کہ جن لکڑیوں سے پانی گرم ہوتا تھا ان میں آگ لگی اور نذرِ آتش مسہری بھی ہو گئی گیہوں کے ساتھ گھن پسنے کی مثل تو مشہور ہی ہے اس آگ سے مسجد کا سائبان بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ سائبان تو جلد ہی پہلے سے بہتر حالت میں تیار ہو گیا مگر سوختہ جاں مسہری کے کوئلوں کو بھی جائے قرار نہ مل سکی۔

آج حضرت مفتی صاحبؒ ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر ہم نے تو انکی حیات ہی میں دامت برکاتہم وطالت فیوضہم کی دعائیں مانگی ہیں خدا کرے کہ انکی برکات و فیوض ہم سب کیلئے شمع راہ ثابت ہوں اور ہم فخر سے کہہ سکیں کہ ؎

وقت را نام تو میموں کند　　　عمر را یاد تو افزوں کند

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

# گدڑی میں لعل

بات تو بڑی ہے، یعنی اپنا منہ اس کے قابل نہیں، مگر بے نفسی اور حضرت مولانا فریدیؒ میری نظر میں ایسے گھلے ملے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ کر کے تصور میں لانا مشکل ہے، اس لئے ان کا تذکرہ شروع کرنے کا جو خیال کیا ہے تو بے اختیار قلم سے نکل رہا ہے کہ خدا جانے لوگ (بلکہ ہم لوگ) بے نفسی کی قدر کیوں نہیں جانتے؟ جب کہ اسکی قدر خدائے بزرگ کے یہاں تو جو ہے سو ہے اس دنیا میں بھی آدمی کے کمالات کو چار چاند اس سے لگ جاتے ہیں۔

مولانا نسیم احمد فریدیؒ، عالم تھے، ادیب او محقق تھے، ذوق مطالعہ سے سرشار اور کتب بینی کے عاشق تھے۔ یہ سب اپنی جگہ قابل قدر اوصاف ہیں، مگر مولانا کی ذات میں یہ اوصاف کچھ زیادہ ہی تابناک اس لئے ہو گئے تھے کہ ان کے پہلو بہ پہلو وہ مسکینی اور خود شکنی تھی، جو عربی مدارس کے بعض طالب علموں میں ملا کرتی ہے یا کسی خانقاہ کے مخلص و بے نفس خادموں میں، مولانا کو ــــــ اللہ اُن پر اعزاز و اکرام کی بارشیں فرمائے ــــــ عمر بھر اس مسکینی اور خود شکنی کی گدڑی میں لپٹا ہوا دیکھا۔ اُن کے علم و ادب اور ذوقِ تحقیق و مطالعہ کے لعل جب اس کے اندر سے جھلکتے تو ان کی شان کچھ اور ہی نظر آتی تھی۔

مولانا کا جیسا وسیع ادبی اور تحقیقی مذاق تھا وہ بڑی آسانی سے ایسے موضوعات میں خامہ فرسائی کی طرف مائل ہو سکتا اور اپنا سکہ منوا سکتا تھا جن موضوعات کی چند سالہ خدمت گذاری آدمی کو سکہ بند ادیب و محقق کا درجہ دلا دیتی ہے وہ لائبریریوں کی خاک چھانتے تھے، نادر و نایاب مخطوطات تلاش کرتے اور

ان کی نقلیں لیتے تھے۔ رامپور، علی گڑھ اور دیوبند کے سفر تو وہاں کی لائبریریوں
کی خاطر اللہ ہی جانے مرحوم نے کتنی بار کئے ہوں گے۔ جس زمانے میں مولانا کے
مضامین کا سلسلہ الفرقان میں تقریباً بلا ناغہ چلتا تھا۔ اور میں ترتیب کا ذمہ دار
تھا تب برابر مولانا کے خطوط سے علم ہوتا رہتا تھا کہ اب دیوبند گئے تھے۔
اب علی گڑھ گئے تھے۔ اب رامپور اور حیدرآباد گئے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن
مولانا کی بے نفسی اور خدا طلبی جو شاید اُن کے خمیر میں شامل تھی اسے سوائے
اس کے کچھ قبول نہ ہوا کہ اُن کی تمام ادبی اور تحقیقی صلاحیتیں ایسی ہستیوں کے
تذکرے اور ارشادات وملفوظات تازہ کرنے میں صرف ہوں جو اپنے زمانوں
میں بے نفسی اور خدا طلبی کے امام ہوئے اور جن کے دم سے خدا طلبی اور خودشکنی
کی وہ صراطِ مستقیم پھر سے روشن ہوئی جس پر ہوا و ہوس اور جہالت کے اندھیروں
نے پردے جمائے تھے ............

# مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان پر تبصرہ

از:

مولانا
## نسیم احمد فریدی

مع

# پیش لفظ و تکملہ

از: مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم

# پیش لفظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد گرامی ہے۔

| | |
|---|---|
| أشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔ | سب سے زیادہ مبتلائے مصائب انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں اور انکے بعد جو ان سے جتنا قریب ہوتا ہے اسے اسی قدر تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ |

یہ اسی قانون ابتلاء کا نتیجہ ہے کہ امت کے ان خاص محسنوں کو جنھوں نے نبیوں کے طریقہ پر محبت و شفقت اور انکے بے لوث و پرخلوص جذبہ کے ساتھ امت میں دعوت الی الخیر اور اصلاح کی جدوجہد کی۔ انکو اہل ہوی و ہوس کی طرف سے سخت مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ علامہ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ما من امام الا وقد طعن فیہ طاعنون و هلك فیہ هالكون۔ | کوئی امام ایسا نہیں ہے کہ زبان درازوں نے اسکے حق میں زبان درازی نہ کی ہو اور تباہ ہونے والے اسکے بارے میں تباہ نہ ہوئے ہوں۔ |

خصوصاً اللہ کے جن منتخب بندوں نے لوگوں کی جاہلانہ رسوم و عادات اور آباء و اجداد سے ورثہ میں ملی ہوئی بدعات و خرافات کے خلاف جہاد کیا، ان پر تو ایسی افترا پردازیاں کی گئیں کہ الامان! الحفیظ!

آٹھویں صدی کے مشہور مصلح علامہ شاطبی (متوفی ۷۹۰ھ) نے اپنی کتاب "الاعتصام" میں اپنی آپ بیتی یوں بیان کی ہے:۔

"جب میں نے سنت کی ترویج و حمایت اور بدعت کی تردید و مخالفت میں اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا تو ابناء زمانہ نے مجھ پر ایک قیامت برپا کردی۔ مجھ پر ملامتوں کی بارش اور عتاب کی بوچھار شروع ہو گئی۔ مجھے گمراہ اور بدمذہب کہا جانے لگا۔ مجھے جاہل اور احمق بتایا گیا۔ اور بسا اوقات میرے نیک مقصد کے

خلاف ایسی ایسی افترا پردازیاں کی گئیں کہ جن سے دل لرزتا ہے۔ میری مذہبی پوزیشن خراب کرنیکے لئے بے خطر جھوٹی شہادتیں دی گئیں جو یقیناً اللہ کے فرشتوں نے لکھی ہیں، اور ضرور بالضرور قیامت میں انکے متعلق ان کذابوں سے باز پرس ہوگی ......
العظمۃ للہ، کبھی مجھے صحابہ کا دشمن اور رافضی بتلایا گیا۔ اور کبھی باغی اور خارجی کہا گیا۔ اور چونکہ میں نے بعض بدعتی صوفیوں کی گمراہی سے لوگوں کو آگاہ کیا تھا کہ وہ انکے فریب میں نہ آئیں اس لئے میرے متعلق یہ بھی کہا گیا کہ یہ اولیاء اللہ کو نہیں مانتا اور ان کا دشمن ہے۔ اور یہ بھی اُڑایا گیا کہ یہ اہلِ سنت وجماعت کا مخالف ہے۔ اور اللہ کو علم ہے کہ یہ سب کچھ جھوٹ تھا اور بے اصل ...... سیدنا حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

| | |
|---|---|
| الامر بالمعروف والنھی عن المنکر لم یدع للمؤمن صدیقاً نأمرھم بالمعروف فیشتمون اعراضنا و یجدون علی ذلک اعواناً من الفساق حتی واللہ لقد رمونی بالعظائم وأیم اللہ لا أدع أن أقوم فیھم بحقہ۔ (الاعتصام ص۱۳) | جب کوئی بندۂ مومن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتا ہے تو کوئی اس کا دوست نہیں رہتا ہم لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتے ہیں تو وہ ہماری آبرو ریزی کرتے ہیں اور ہمیں گالیاں دیتے ہیں۔ اور بہت سے فساق اور اوباش اسمیں انکے مددگار بھی ہو جاتے ہیں، اللہ کی قسم انھوں نے مجھ پر بڑی بڑی تہمتیں لگائی ہیں لیکن میرا اللہ سے عہد ہے کہ میں انکے درمیان حق کی دعوت دیتا رہونگا۔ |

اگر ایک طرف یہ سنت الٰہی ہے کہ "قربیاں را بیش بود حیرانی" کے مصداق جن بندگانِ خدا کو منشاء خداوندی اور طریق انبیاء علیہم السلام سے خصوصی قرب نصیب ہوتا ہے انھیں تکلیفیں بھی بہت جھیلنی پڑتی ہیں۔ اور وہ اہل ہوی وہوس کی طرف سے تکذیب وایذاء اور ظلم وستم کا نشانہ بھی سب سے زیادہ بنتے ہیں۔ تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا قانون یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ان بندوں کو بے یار ومددگار نہیں چھوڑ دیتا۔ وہ اپنے تکوینی وغیبی نظام سے انکی مدد بھی کرتا ہے۔ اور ان کا دفاع بھی کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر ارشاد ہوا ہے۔

وکان حقاً علینا نصر المومنین — ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ ہے

ایک اور مقام پر فرمایا ہے :-

| | |
|---|---|
| ان اللہ یدافع عن الذین امنوا۔ | جن لوگوں نے ایمان بنالیا انکی طرف سے اللہ تعالیٰ خود مدافعت فرماتا ہے۔ |

اس خداوندی قانون کے ظہور کا عام طریقہ یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کچھ بندوں کے دل میں اپنے ان مظلوم بندوں کی محبت اور انکے دفاع کا ایسا طاقتور داعیہ ڈال دیتا ہے کہ وہ ان کی طرف سے سینہ سپر ہو کر میدان میں آجاتے ہیں۔ ان پر لگائے گئے الزامات کا جواب دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو انکے بارے میں سچ سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں ——— اور اپنی اس جد وجہد سے اس اجر کے حصول کے سوا انکی کوئی غرض نہیں ہوتی جس کی طرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے :-

| | |
|---|---|
| مامن مسلم یرد عن عرض أخیه الاکان حقا علی اللہ ان یرد عنه نار جهنم یوم القیامة ثم تلا هٰذه الآیة وکان حقا علینا نصر المؤمنین ــــ مشکوٰة المصابیح ص۴۲۴ | جو مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی آبرو پر کیے جانے والے حملہ کا دفاع اور اسکی طرف سے جواب دہی کرے تو اللہ تعالیٰ پر اسکا حق ہوگا کہ روز قیامت جہنم کی آگ کو اس سے دور رکھے پھر آپ نے بطور استشہاد یہ آیت تلاوت فرمائی وکان حقًا علینا نصر المؤمنین ۔ |

---

اللہ تعالیٰ کے ان دونوں قانونوں کا جیسا ظہور ہمارے برصغیر میں تیرھویں صدی کے عظیم مصلح شہید اسلام حضرت مولانا شاہ اسماعیل دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہوا ہے اسکی نظیر آخری دور کے مصلحین و مجددین میں ملنی مشکل ہے۔ ایک طرف تو صورتحال یہ ہے کہ اس خطہ کے حامیانِ شرک و بدعت کی افتراپردازیوں اور ظالمانہ زبان درازیوں کا نشانہ بھی سب سے زیادہ وہی بنے ہیں۔ بلکہ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ اگر اس طبقہ کی ان سب چھوٹی بڑی کتابوں کا صرف ایک ایک نسخہ بھی جمع کر دیا جائے جن میں انھیں کافر اور خدا و رسول اور اولیاء اللہ کا دشمن ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو ایک اچھا خاصا کتب خانہ تیار ہو جائے گا ——— اور دوسری طرف وہ ذخیرہ بھی کم نہیں ہے جو حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید اور ان کے رفقا

واخلاف پر معاندین اہلِ بدعت کی طرف سے لگائے گئے الزامات کے جواب ہیں اور انکے مسلک ومشرب کی وضاحت کے سلسلہ میں توحید وسنت کے علمبردار اہلِ علم وقلم کی کاوشوں سے تیار ہوا ہے۔

ان سطور کا لکھانے والا یہ ہیچمیرز عاجز اپنے مالک کی اس توفیق پر اظہار تشکر کیلئے سجدہ ریز ہے کہ آج سے ۵۵ سال پہلے جب اس نے اہل بدعت کے مرکز بریلی سے رسالہ الفرقان جاری کیا تھا تو اس زمانہ میں، مسلمانوں میں رواج پائی ہوئی مشرکانہ رسوم وبدعات کا بیخ کنی، توحید وسنت کی اشاعت وحفاظت، اور علمائے حق کے خلاف اہلِ بدعت کی الزام تراشیوں اور افتراء پردازیوں کی جواب دہی اور امت کے ان محسنین کی آبرو اور انکے مسلک کا دفاع ہی اس کا خاص موضوع تھا ——— اور آج بھی یہ کمترو ناتواں بندہ اپنے رب کریم کے اس فضل واحسان کا اظہار کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتا ہے کہ یہ خدمت الفرقان کے صفحات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز سے اس طرح لی کہ حجت تمام ہوگئی۔ اور سلیم الفطرت لوگوں کیلئے حق واضح ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے۔ اور حق اور اہلِ حق کی طرف سے دفاع پر جس اجر کی بشارت دی گئی تھی وہ اس عاجز کو مرحمت فرماوے۔

یہ محسوس کرکے کہ اس سلسلہ میں ضروری کام کیا جاچکا ہے اور مسلسل اس موضوع پر لکھتے رہنے کی اب ضرورت نہیں ہے، الفرقان میں شائع شدہ کچھ منتخب مضامین کو چند چھوٹے بڑے کتابی مجموعوں میں شائع کردیا گیا تھا ——— اور امید تھی کہ اس بارے میں از سرِ نو کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

لیکن ہوا یہ کہ اب سے چند سال پہلے، دہلی سے ایک نئی کتاب شائع ہوئی "مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان" ——— اس کتاب میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور انکی مشہور کتاب تقویۃ الایمان کے بارے میں جو کچھ کہا گیا تھا اس کا انداز تو وہ نہیں تھا۔ جو تقویۃ الایمان اور اسکے عظیم مصنف کے بارے میں معاندین اہلِ بدعت کے ایک مخصوص گروہ کی تقریروں اور تحریروں میں عام طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔ البتہ اسکا مجموعی رُخ وہی تھا اور اسکے مشمولات سے اس گروہ کی افترا پردازیوں کو مولانا ابوالحسن زید دہلوی کی سند اور تائید ضرور ہاتھ آگئی جو اس گروہ کے ایک فرد کی حیثیت سے نہیں بلکہ خانوادۂ مجددی کے جانشین ہونے کی

حیثیت سے متعارف ہیں۔ اور اس وجہ سے ـ بعض امور میں اختلاف کے باوجود ـ مختلف حلقوں میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

کتاب کے شائع ہونے کے کچھ ہی عرصے بعد میرے محبوب دوست اور رفیق مولانا نسیم احمد فریدی نے (جنھیں اب رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑ رہا ہے اور جنھیں ہندوستان کی اصلاح و تجدید کی تاریخ، اور اسکے مرکزی کرداروں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ انکے اخلاف و صاحبزادگان اور حضرت شاہ ولی اللہؒ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ وغیرہم سے نہ صرف یہ کہ مثالی عقیدت و محبت تھی بلکہ وہ متفقہ طور پر اس تاریخ کے سب سے مستند محقق اور اس کے ماہر مورخ تھے) مجھے لکھا کہ وہ مولانا ابوالحسن زید دہلوی کی کتاب پر تبصرہ لکھ کر الفرقان میں اشاعت کیلئے بھیجیں گے ـــــ پھر ۳۰ مارچ ۱۹۸۷ء کو مولانا نے وہ تبصرہ مجھے بھیج دیا۔ اسکے ساتھ مرسلہ اپنے مکتوب میں انھوں نے مجھے لکھا:۔

"آج مقالہ کی رجسٹری کرا کے لکھنؤ روانہ کر رہا ہوں.... میاں حسان سلمہ یا میاں سجاد سلمہ آپ کو پورا مضمون دو تین نشستوں میں سنا دیں گے۔ خود بھی جو جزوی تغیر و تبدل کرنا چاہیں گے وہ کر دیں گے اور آپ بھی جہاں کہیں مناسب سمجھیں اس جگہ ترمیم و اضافہ کر دیں۔"

مولانا کا مرسلہ مضمون پڑھ کر میں نے اس میں بعض مقامات پر کچھ ترمیم کی ضرورت محسوس کی۔ بے تکلف میں نے اپنی رائے مولانا کو لکھ دی اور یہ بھی کہ وہ ترمیم مولانا ہی کر دیں اس کے کچھ دنوں کے بعد مولانا لکھنؤ تشریف لائے۔ اور میری رائے کے مطابق وہ مضمون اپنے ساتھ امروہہ لیتے گئے۔ کافی مدت کے بعد مولانا نے مجھے لکھا کہ غور و خوض کے بعد انھیں میری تجویز کردہ بعض ترمیموں کے بارے میں انشراح نہیں ہو سکا لہذا اب وہ مضمون اسی طرح واپس بھیج رہے ہیں ـــــ میں نے فوری طور پر انھیں یہ لکھوا دیا کہ مجھے اپنی رائے پر اصرار نہیں ہے۔ آپ مضمون ڈاک سے نہ بھیجیں فلاں سلسلہ سے آپ لکھنؤ تشریف لانے والے ہیں۔ جب آپ آئیں تو اسے اپنے ہمراہ ہی لیتے آئیں ـــــ لیکن ـــــ اللہ کی مشیت کہ مولانا لکھنؤ تشریف نہیں لا سکے اور ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۸ء (۶ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ) کو مولانا کا وقت موعود آ گیا۔

اسی کے بعد میں نے مولانا کے برادر زادے انیس احمد فاروقی صاحب اور مولانا کے
خادم مولوی محب الحق صاحب کو لکھا کہ وہ مضمون بھیج دیا جائے تاکہ مولانا کی خواہش
کے مطابق وہ الفرقان میں شائع کر دیا جائے ــــ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے
عطا فرمائے انھوں نے وہ اسی طرح بند لفافہ میں بھیج دیا جس طرح میں نے مولانا مرحوم کے
حوالہ کیا تھا ــــ اب وہ مضمون آئندہ صفحات میں نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔

---

مولانا کے جس مکتوب کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، اس میں مولانا نے مجھ سے یہ فرمائش بھی
کی تھی کہ میں انکے اس مضمون پر تمہیدی نوٹ بھی لکھ دوں۔ مولانا کی فرمائش کی تعمیل اور ان
دیرینہ مخلصانہ تعلق کے حق کی ادائیگی کی نیت سے جب میں نے کچھ لکھوانے کا ارادہ کیا تو
زیادہ سے زیادہ صرف اتنا ہی مضمون ذہن میں تھا جو سطور بالا میں عرض کیا گیا لیکن جب
لکھوانا شروع کیا تو نفس موضوع، حضرت شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کی کتاب
تقویۃ الایمان کے بارے میں بہت سی باتیں ذہن میں آتی گئیں، اور یہ عاجز انھیں
لکھواتا چلا گیا، مضمون مکمل ہو گیا، اور اسے میں نے از اول تا آخر سنا تو ایک طرف تو مجھے تو
یہ احساس ہوا کہ اس موضوع پر بہت ضروری اور اہم باتیں اللہ تعالیٰ نے اس بندۂ عاجز
سے اس شدید ضعف و معذوری کے عالم میں، محض اپنے فضل و کرم سے لکھوا دی ہیں
جو انشاء اللہ مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے والوں کیلئے بہت ہی مفید ثابت ہوں گی لیکن
دوسری طرف یہ بھی خیال آیا کہ مولانا فریدی کی تمہید میں اس طویل مضمون کو جگہ دینا کہیں
بے محل نہ ہو، لیکن بعد میں غور و فکر اور مشورہ کے بعد یہی مناسب سمجھا کہ اسے مولانا فریدی
مرحوم کے مضمون کے تکملہ کے طور پر ان کے مضمون کے متصلاً بعد شائع کر دیا جائے ــــ
مجھے اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے کہ اس تکملہ کو پڑھ کر سب سے زیادہ مسرور بلکہ ممنون
مولانا فریدی ہوتے، اور اب بھی انشاء اللہ اگر عالم برزخ میں اسکی خبر ہوگی تو وہ اس سے
بہت خوش ہوں گے ــــ میں بھی اسے اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق اور مولانا مرحوم کے
درد و اخلاص کی برکت سمجھتا ہوں کہ اس طرح مجھے انکے ایک صالح عمل میں شرکت اور
تعاون علی البر والتقویٰ کا موقع بھی مل گیا ــ بس اب ناظرین کرام پہلے مولانا فریدی کا
مضمون ملاحظہ فرمائیں اسکے بعد اس عاجز کا لکھا ہوا تکملہ ــــ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

# مولانا ابوالحسن زید دہلوی کی تصنیف
# "مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان" پر تبصرہ
## اور
# مناظرۂ جامع مسجد دہلی سنہ ۱۲۴۰ھ کی صحیح روئیداد

از مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ

خاندان مجددی کے ایک ممتاز عالم یعنی حضرت شاہ ابوالخیر مجددیؒ کے فرزند ارجمند مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلوی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان"، ——— سچی بات یہ ہے کہ یہ کتاب مجھے ان کے مرتبہ سے فروتر لگی۔

یہ بات اب شاید ہی کسی سے مخفی ہو کہ برصغیر کے علماء و مصلحین میں سے جو حضرات یہاں کے اہلِ بدعت کی طرف سے سب و شتم اور تکفیر و تضلیل کا سب سے زیادہ نشانہ بنے اُن میں ایک حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ بھی تھے ——— اسی بنا پر مولانا اسماعیل شہیدؒ کی شخصیت کے متعلق اب کوئی شخص کچھ منفی خیالات کا اظہار کرتا ہے تو ہم لوگوں کو ذرا بھی نیا پن نہیں محسوس ہوتا اور نہ تعجب ہوتا ہے ——— لیکن ہم مولانا ابوالحسن زید کو ان لوگوں میں سے نہیں سمجھتے ہیں جنھیں ملت اسلامیہ ہندیہ کے اس عظیم مصلح اور اس کے مسلک و مشرب سے ایسی عداوت بالذات ہے جس کی وجہ سے اسے مسلسل تنقید و ملامت کا نشانہ بنائے رکھنا گویا ان کے فرائض و مقاصدِ زندگی میں شامل ہو گیا ہے۔

مولانا زید نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد رشید مولانا عبدالعلی فریدیؒ سے مدرسہ عبدالرب دہلی میں تعلیم حاصل کی اور مولانا محمد شفیع دیوبندی داماد و شاگرد حضرت شیخ الہندؒ سے بھی پڑھا ——— مولانا زید نے اپنی کتاب "مقاماتِ خیر" میں بڑی تفصیل سے اور عقیدت کے اچھے الفاظ میں ان دونوں بزرگوں کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے

والد شاہ ابوالخیرؒ کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے جو قلبی تعلق تھا اس کا بھی اظہار فرمایا ہے۔[۱]

بلکہ ہم جہاں تک جانتے ہیں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے علاوہ باقی تمام اکابر دیوبند سے مولانا زید کو کوئی شکایت نہیں ہے' بلکہ مختلف مقامات پر انھوں نے خود اسکی صراحت کی ہے کہ وہ علماء دیوبند سے بہت قریب ہیں ——— لیکن اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انکی اس کتاب سے ان سے سخت عناد رکھنے والے اہل بدعت کے ایک خاص گروہ کو بہت خوشی ہوئی ہو گی۔ اور یہ بات کہ ایک ایسے شخص سے جو نسباً و نسبتاً دونوں طرح مجددی کی حیثیت سے معروف ہو معاندین اہل بدعت کو تقویت پہنچے ہم جیسے دلشان مجددی کے خوشہ چینوں اور خانوادۂ مجددی کے کفش برداروں کیلئے بہت رنج و غم کا باعث ہے اور یہی رنج و غم ان سطور کی تحریر کا محرک بنا ہے' إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله۔

مولانا زید نے جب حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ پر کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تو میں نے ان کو حضرت شہید دہلویؒ پر اپنا لکھا ہوا مقالہ بھجوایا اور انکے دادا کے چچا محدث دار الہجرۃ حضرت مولانا شاہ عبد الغنی مجددیؒ کی کتاب تتمہ مقامات مظہریؒ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ انھوں نے

---

[۱] مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے انتقال کی خبر سنکر شاہ ابوالخیر نے فرمایا۔

"یہ وہ زخم ہے جس کا مرہم نہیں ...... مولانا رشید احمد کے صاحبزادہ (حکیم مسعود احمد صاحب) آپ سے ملنے آئے آپ اُن سے محبت سے ملے ..... اور فرمایا۔ مولوی صاحب (مولانا گنگوہیؒ) ہمارے دوست تھے اور ہم ان کے دوست"۔ (مقامات خیر ص۵۴۰)

تذکرۃ الرشید جلد دوم ص۱۹۱ پر مرقوم ہے۔

مولوی ممتاز علی انبیٹھوی (جو حضرت گنگوہیؒ کے خاص اہل تعلق میں سے تھے) تحریر فرماتے ہیں کہ جب یہاں بلوچستان میں حضرت (گنگوہی) قدس سرہ کے وصال کی خبر پہونچی تو اتفاق سے مولانا ابوالخیر صاحب بھی مقیم تھے' دوبارہ ان کا پیغام میرے پاس آیا کہ مجھ سے آکر مل جاؤ۔ مجھے فرصت نہ ملی آخر جب میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ مولانا بے اختیار رو رہے ہیں' مجھے دیکھتے ہی گریہ اور زیادہ ہوا یہاں تک کہ چیخیں نکلنے لگیں سارے مجمع پر اس کیفیت کا یہ اثر تھا کہ قریب تھا دہاڑیں مار مار کے لوگ بے ہوش ہو جائیں' اس حالت میں مولانا ابوالخیر نے فرمایا آہ! مولانا ممتاز علی! ہندوستان سے بڑا شخص اٹھ گیا' ہائے افسوس! مخلوق نے قدر نہ جانی کہ مولانا کیا چیز تھے"۔

اپنی اس کتاب میں لکھا ہے کہ جب انکے دادا حضرت شاہ صفی القدر مجددی کا وصال لکھنؤ میں ہوا تو حضرت سید احمد رائے بریلوی اور حضرت شاہ اسماعیل دہلوی نے ان کی تجہیز و تکفین کی، میں نے لکھا تھا کہ اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صفی القدر کے ان دونوں حضرات سے بہت اچھے روابط تھے اور عجب نہیں کہ نماز جنازہ بھی ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک نے پڑھائی ہو۔ ایسی صورت میں آپ کو انکی بلند شخصیت کا خیال رہے۔ اس کے جواب میں مولانا زید کے دو خط میرے پاس آئے، انکے اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم گرامی جناب مولانا نسیم احمد فریدی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عاجز نے ۸ ستمبر کو لیٹر ارسال کیا تھا اور شاہ محمد اسماعیل کے متعلق کچھ تحریر کیا تھا، اس سلسلہ میں عاجز اتنا کہتا ہے کہ عام طور پر رفع یدین، ارسال، عدم رفع یدین، آمین بالجہر و امثالہ میں اختلاف اور تعصبات پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور عاجز کی نظر میں ایسے مسائل میں قیل وقال و اختلاف عبث ہے۔ یہ اعمال ہیں۔ کوئی سا عمل بھی کر لیا جائے اتباع سنت میں شمول ہے۔ قبیح یہ فعل ہے کہ ایک دوسرے کے امام پر کیچڑ اچھالی جائے اور اقبح یہ فعل ہے کہ سرار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت میں ایسی عبارت لکھی جائے جو سوء ادب کو حامل ہو۔ عاجز نے علامہ ابن تیمیہ کے متعلق رسالہ لکھا ہے۔ عاجز کو جو تعلق اور قلبی لگاؤ ابن تیمیہ سے ہے وہ محمد ابن عبد الوہاب، شاہ اسماعیل دہلوی اور ان دو کے طریقہ پر چلنے والے بعض علماء سے نہیں ہے چاہے وہ بعض علما اکثر حنفی ہوں۔ عاجز حضرت شاہ عبد الغنی محدث دار الہجرۃ کا دل وجان سے معتقد ہے شاہ اسمٰعیل کے متعلق جو نظریہ آپ کا ہے، وہ اس دور کے محققین سے کہیں زیادہ وقیع ہے آپ ہی کے طریقہ پر حضرت سیدی الوالد مرتے دم تک عامل رہے کہ نہ کبھی تعریف کی اور نہ کبھی برا کہا۔ اور نہ کبھی ان کا ذکر کیا، نہ انکی تالیفات سے لگاؤ رکھا۔ شاید آپ کو تعجب ہو کہ عاجز نے آج تک تقویت الایمان کا مطالعہ نہیں کیا ہے کیونکہ حضرت الوالد کو یہ کتاب پسند نہ تھی حضرت شاہ عبد الغنی اور حضرت سیدی الوالد جیسے پاک نہاد افراد کا کسی کتاب کو ناپسند کرنا کسی تعصب کی بنا پر نہیں ہے، اختلاف تو حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی کیا ہے، کیا وجہ ہے کہ ان سے اللہ کے نیک بندے متنفر نہیں ہیں؟ لیکن کیا وجہ ہے کہ مولانا اسماعیل سے دل آزردہ ہیں۔ اب اگر کوئی دل آزردگان کے متعلق کہے (کہ) اہل بدعت نے کے دے کی ہے تو یہ کیا انصاف ہے۔ انصاف کا اظہار

تو اس وقت ہو گا کہ ان عبارتوں کو جو مولانا نے لکھی ہیں اور جن سے اللہ کے نیک بندے دل آزردہ ہوتے ہیں بجر قہ ذکر کیا جائے اور پھر جائزہ لیا جائے کہ اس میں قباحت کا پہلو فی الواقع نکلتا ہے یا نہیں۔

تقویت الایمان کے متعلق اگست ۱۹۷۸ء کے مجلہ الفرقان میں صفحہ ۲۷ سے ۴۱ تک ایک مضمون ہے اور آپ نے تذکرہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ میں بہت کچھ لکھا ہے۔ آپکے رسالہ کو پڑھ کر خیال آیا کہ تقویت الایمان کا مطالعہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ کیسی کتاب ہے' اللہ عاجز کی مدد کرے۔ عاجز آپ سے استفادہ دریافت کرتا ہے کہ (تذکرہ حضرت شاہ اسماعیل شہید) ۶۴ صفحات کا رسالہ جو آپ کے نام سے چھپا ہے کیا فی الواقع اس کی عبارت من اولہ الی آخرہ آپ کی ہے یا کسی جگہ کچھ تصرف ہوا ہے حقیقت سے آگاہ فرما دیں۔ ولکم الشکر۔ کیونکہ عاجز کو بعض عبارات اور بعض الفاظ پر کچھ شبہ ہوا ہے۔

زید ابوالحسن فاروقی

۲۹ ستمبر ۱۹۷۸ء

اپنے اس مکتوب میں انھوں نے اپنے والد اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ کی کوئی ایسی تحریر پیش نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوتا کہ وہ حضرت شہیدؒ سے ناراض تھے یا آزردہ دل تھے' میرے پاس ایسے ثبوت موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ ان بدعت نوازوں سے ناراض تھے' جو جماعت حقہ کے عقائد کے خلاف ہنگامہ آرائی کرتے پھرتے تھے' انکو مولوی احمد رضا خاں سے بھی انتہائی دوری تھی۔ انھوں نے اپنے جلالی انداز میں ان لوگوں کو دھتکارا ہے جن کے عقائد اہل سنت وجماعت کے عقائد کے خلاف تھے۔ مولانا زید نے مقامات خیر اور مقامات اخیار میں بھی کوئی ایسا ثبوت پیش نہیں کیا کہ جس سے معلوم ہوتا کہ انکے والد ماجد تقویت الایمان کو ناپسند فرماتے تھے۔ رہا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی شخصیت سے مولانا ابوالخیرؒ کا لگاؤ نہ ہونا، وہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے کہ انکے استاذ مکرم محدث دارالہجرۃ شاہ عبدالغنی مجددیؒ جو انکے دادا کے بھائی تھے' اپنے قلم سے مجاہد فی سبیل اللہ شاہ محمد اسماعیل قدس سرہٗ کو شہید لکھ رہے ہیں۔ خود مولانا زید نے اپنی کتاب مقامات خیر میں شاہ صفی القدر مجددی کا ذکر خیر کرتے ہوئے شاہ عبدالغنی مجددیؒ کی وہ عبارت نقل کی ہے جس میں انکے نام کے ساتھ لفظ شہیدؒ کو شامل کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا زید کو اس کتاب کے لکھنے کے وقت تک

مولانا شہیدؒ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ ورنہ شاہ عبدالحیؒ کی عبارت پر کوئی اختلافی نوٹ لکھتے حضرت شہیدؒ کے خلاف مولانا زید کے جذبات یقیناً کچھ خارجی اثرات و محرکات کا نتیجہ ہیں جو مقامات خیر لکھنے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنی اس تازہ کتاب میں کہیں بھی شاہ محمد اسماعیلؒ کو شہید نہیں لکھا۔ دو مرتبہ از اول تا آخر پڑھوا کر یہ بات واضح ہوئی۔[1]

ناظرین خود فیصلہ کریں کہ یہ کس قدر بے اعتنائی کی بات ہے جنکو انکے بزرگ شہید لکھیں اور خود وہ اس عبارت کو مقامات خیر میں نقل کریں پھر آج انکو اپنے قلم سے شہید نہ لکھنا کس امر کی غمازی کر رہا ہے؟ یہی نہیں، بلکہ انکے معاندین اور مخالفین کا اچھے انداز میں ذکر کیا گیا ہے اور اچھے الفاظ سے نوازا گیا ہے۔ مولانا زید کو شاید معلوم ہوگا کہ مولوی احمد رضا خاں کا رویہ سید احمد شہیدؒ، شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور انکے رفقاء اور متبعین کے خلاف کیا رہا ہے؟ انھوں نے انکے خلاف کتنی زہر افشانی اور بہتان طرازی کی ہے؟ اس جگہ صرف الکوکبۃ الشہابیہ ص۳۶ کا ایک اقتباس بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

"پیر جی (یعنی سید احمد شہیدؒ) کی مہر کا کندہ اسمہٗ احمد قرار پایا تھا خطبوں میں پیر جی کے نام (کے ساتھ) صلے اللہ علیہ وسلم کہنا شروع ہو گیا تھا، مگر قہر الٰہی سے مجبور ہیں غلجی کو ڑے نے سب بنے کھیل بگاڑ دیئے۔ پٹھانوں کے خنجر موذی کش نے چھتے سور کا پھاڑ دیئے ؎

جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
وحی و عصمت کی کرامات نہ ہونے پائی

دیکھئے مولوی احمد رضا خاں کیا فرما رہے ہیں اور کتنی خلاف حقیقت بات کہہ رہے ہیں یعنی وہ انکو شہید تو کیا مانتے کسی غیر مسلم کا مقتول بھی نہیں مان رہے ہیں وہ (انھیں) "پٹھانوں کے خنجر موذی کش" کا مقتول مان رہے ہیں — علاوہ مسلمان مورخین کے ہندو، سکھ، عیسائی بھی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اپنے دوسرے رفقاء کے ساتھ بالاکوٹ کے جہاد میں سکھوں سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

مولانا زید نے لکھا ہے کہ مولانا مخصوص اللہ "تقویت الایمان" کو تقویت الایمان

---

[1] مولانا زید ابوالحسن صاحب نے اپنے اس مکتوب مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۷۸ء میں بھی شاہ اسمٰعیلؒ کے ساتھ لفظ شہید کے استعمال سے اجتناب فرمایا ہے۔ (ادارۂ الفرقان)

کہتے تھے، مگر اس کا کوئی قابل اعتبار حوالہ نہیں دیا ہے۔ خاندان کے اندر اختلاف ہو سکتا ہے، مگر اس طرح نہیں کہ کتاب کا نام بگاڑ دیا جائے۔ خود حضرت مجددؒ کے دو صاحبزادوں کی اولاد میں اختلاف ہوا، اور وہ معصومی اور سعیدی دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ روضۃ القیومیہ اس پر شاہد ہے، لیکن ایسا نہیں ہوا کہ کوئی اصولی اختلاف ہوا ہو اور مسلک دو ہو گئے ہوں کسی علمی مسئلہ کے اندر اختلاف ہونا اور بات ہے اور عناد و بغض کی بناء پر مخالفت دوسری بات ہے۔

۱۲۴۰ھ میں دہلی کی جامع مسجد میں ایک علمی مباحثہ ہوا جس کو مناظرہ کہئے یا مذاکرہ دینیہ کہئے مگر اس میں مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے ایک ہنگامہ کی شکل پیدا ہو گئی جس پر قابو تو پا لیا گیا لیکن طرفین کے لئے کوئی اچھا نتیجہ نہیں نکلا، اس کے بعد کوئی ایسی چپقلش اور باہمی اختلاف آرائی ان حضرات میں نہیں ہوئی۔

۱۲۳۹ھ میں شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کا وصال ہوا۔ انکے وصال کے ایک سال بعد دہلی کے اندر یہ اختلافی ہنگامہ ہوا۔ ایک بڑی شخصیت کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد اس کے متعلقین اور منتسبین میں ایسی باہمی اختلافی کشمکش کچھ تعجب خیز نہیں ہے۔

اس مناظرۂ دہلی کی صحیح روئیداد آگے لکھی جائیگی اس جگہ صرف اتنا ہی لکھنا کافی ہے ـــــ اسکے بعد مولانا زید سے یہ سوال کرنا ضروری ہے کہ انھوں نے اس ہنگامہ کو کیوں اتنا نمایاں کرنیکی کوشش فرمائی ہے۔ یہ تو ایک وقتی ہنگامہ تھا اور اس سے اہل بدعت کو کوئی فائدہ بھی نہیں پہونچ سکتا۔ ہاں رئیس المتکلمین مولانا رشید الدین خان دہلویؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے دو جلیل القدر صاحبزادوں کے خلاف لوگوں کا ذہن بن سکتا ہے، اس مناظرہ و ہنگامہ کا تعلق شاہ شہیدؒ سے نہیں ہے، اور وہ چودہ سوالات کے جوابات جنکو مولانا زید نے اپنی کتاب میں لکھا ہے حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے نہیں ہیں بلکہ مولانا عبد الحئی بڈھانوی کے ہیں۔ میں مولانا زید کی پوری کتاب کا جواب نہیں دے رہا ہوں ـــــ یہ انکی کتاب پر ایک سرسری تبصرہ ہے اگر مولانا اس کو بغور مطالعہ فرمائیں گے تو شاید وہ اپنے اس موجودہ موقف سے رجوع کر لیں گے۔ اس کتاب کے جوابات تو اور بہت سے ہو سکتے ہیں بعض حضرات نے ہندوستان و پاکستان میں اس کا جواب چھپوا بھی دیا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور انکی کتاب تقویت الایمان پر دیگر معترضین نے بھی بہت کچھ لکھا ہے اُن کے کافی شافی جوابات بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ان جوابات کو دہرانے کی ضرورت نہیں

میں مولانا زید سے اتنا کہوں گا کہ انھوں نے تقویت الایمان کو ردالاشراک مولفہ محمد ابن عبدالوہاب کا چربہ قرار دیا ہے وہ کس بنیاد پر؟ کیا انھوں نے مولانا شہیدؒ کی کتاب ردّالاشراک جو عربی زبان میں ہے دیکھی ہے؟ اس میں کلمۂ طیبہ کے ہر دو جزو یعنی لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے۔ اس کا پہلا جزو توحید کا آئینہ دار اور دوسرا جزو رسالت کا اظہار و اقرار ہے۔ پہلے جزو سے متعلق قرآن کی آیات و احادیث سرورِ کائنات (صلے اللہ علیہ وسلم) کو پیش کیا ہے اور عربی زبان میں ہی آیات و احادیث کے فوائد تحریر فرمائے ہیں، دوسرے جزو کے متعلق جو آیات و احادیث تحریر کی ہیں انکے بھی مختصر فوائد عربی زبان میں ارقام کر دیئے ہیں۔ یہ قلمی نسخہ دہلی کے علمی گھرانوں اور وہاں کے عربی مدارس کے کتب خانوں میں ضرور ہوگا۔ میرٹھ کے مدرسہ اسلامیہ واقع اندر کوٹ کے کتب خانہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے جو حضرت شہیدؒ کے زمانہ حیات ہی میں تحریر کیا گیا ہے۔ اسی نسخہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ردّالاشرک شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے جہاد کی تیاری سے پہلے تحریر کی ہے اس کے بعد اردو زبان میں اس کا ترجمہ کرنا چاہا —— ایک جزو کا ترجمہ کرنے پائے تھے کہ جہاد کی تیاری کا مرحلہ پیش آگیا۔ دوسرے جزو کا ترجمہ انکے قلم سے نہ ہو سکا۔ دہلی کے ایک صاحب نے تذکیرالاخوان کے نام سے اس جزو کا ترجمہ کیا۔ شاہ صاحبؒ نے ترجمہ میں بھی فوائد تحریر فرمائے ہیں اور اس میں اس زمانہ کی اردو استعمال کی ہے۔ اب یہ کج فہمی اور کم نظری کی بات ہے کہ اس دور کی زبان کا لحاظ کئے بغیر خواہ مخواہ حضرت شہیدؒ پر اعتراضات کئے جائیں۔ مثال کے طور پر دو باتیں لکھتا ہوں۔

ایک جگہ حضرت شہیدؒ نے ایک حدیث کا ترجمہ کرنے کے بعد بطور فائدہ لکھا ہے، "یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" (ص۵۹) نادانوں نے یہ نہ سمجھا کہ دلّی کی پرانی زبان میں مٹی میں ملنا اور رلانا دفن ہونے اور دفن کرنے کے معنی میں ہیں۔ حضرت موہانی کے دادا استاد نسیمؔ دہلوی فرماتے ہیں ۔

نسیمؔ اعدا سے کیا شکوہ پس مرگ
ہمیں یاروں نے مٹی میں ملایا (یعنی دفن کیا)

مولانا شہیدؒ کے معاندین نے یہ خواہ مخواہ کا الزام تراشا کہ انھوں نے سرورِ کائنات کو

یہ لکھا کہ وہ مٹی میں ملکر مٹی ہو گئے ۔

سخن شناس نئی دلبرا خطا ایں جاست

دوسری بات ایک معاند نے اپنے اشتہار میں یہ لکھی تھی کہ مولانا شہید دہلوی نے اللہ تعالیٰ کو مکار کہا ہے تقویت الایمان کو اچھی طرح دیکھا، اس کی ورق گردانی کی تو ایک آیت کے فائدہ میں یہ جملہ نظر پڑا کہ "سو اللہ کے مکر سے ڈرنا چاہیئے" اس لفظ مکر سے مکار معاند نے یہ بات نکالی کہ خدا کو مکار کہا ہے اردو زبان میں مکار یقیناً برا لفظ ہے احقر نے اسکا جواب آیت " مکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین" سے تو دیا ہی، (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی غنیۃ الطالبین کی ایک عبارت میں مکر اللہ آیا ہے اسکا ترجمہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مکر خدا کیا ہے) جس جواب میں یہ بھی لکھا کہ "شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ عبدالحقؒ نے مکر اللہ اور مکر خدا لکھا ہے تو کیا یہ کہا جائیگا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو مکار کہدیا جو اردو زبان میں گستاخی کا لفظ ہے۔"

اگر معاندین اس حقیقت کو پیش نظر رکھ لیتے جسے شیخ اکرام نے اپنے سامنے رکھا ہے، تو کبھی حضرت شہیدؒ پر بے جا اعتراض نہ کرتے۔ شیخ محمد اکرام نے تحریر فرمایا ہے:-

"ان (شاہ شہیدؒ) کی اہم ترین کتاب تقویت الایمان ہے جو انھوں نے اردو زبان میں اس وقت لکھی جب اس زبان کو ابھی گھٹنوں چلنا نہ آتا تھا حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں جب اردو نثر میں گنتی کی چند کتابیں تھیں، ایک صاحب کمال نے اس میں کیا جادو پھر دیا ہے اور اس کی مدد سے اپنے خیالات کو کتنی خوبی سے ادا کیا ہے۔ مولانا شہیدؒ کا ارادہ کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تفسیر لکھنے کا تھا چنانچہ آپنے اسکی تشریح کی کہ "ایمان کے دو جزو ہیں خدا کو خدا جاننا اور رسول کو رسول، اور خدا کو خدا سمجھنا اس طرح ہوتا ہے کہ اس کا شریک کسی کو نہ سمجھے اور رسول کو رسول سمجھنا اس طرح ہوتا ہے کہ اسکے سوائے کسی کی راہ نہ پکڑے ــــــــ اس پہلی بات کو توحید کہتے ہیں اور دوسری کو اتباع سنت کہتے ہیں اور اس کے خلاف کو بدعت" چنانچہ آپنے اپنی کتاب کے دو باب ٹھہرائے پہلا باب توحید اور شرک کے متعلق اور دوسرا بدعت کے خلاف اتباع سنت کی تائید میں۔

یہ کتاب نہ صرف مذہبی، بلکہ ادبی نقطۂ نظر سے بھی بڑی اہم ہے۔ اس کا طرزِ تحریر ایسا با اثر اور پر زور ہے کہ بقول صاحب سیر المصنفین معلوم ہوتا ہے کہ "ایک دریا ہے ذخّار امڈا چلا آتا ہے"۔ شاہ صاحب نے اپنی کتاب کے پہلے باب میں توحید کے متعلق جو کچھ لکھا وہ آپ کے زورِ بیان اور جوشِ اصلاح کا نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ (موجِ کوثر ص۳۷ تا ۳۹)

مولانا زید نے اپنی کتاب میں یہ بحث بھی کی ہے کہ تقویت الایمان میں کچھ عبارتیں الحاقی ہیں[1] مولانا شہیدؒ کی نہیں ہیں۔ یہ بحث بھی مولانا کے موضوع سے باہر ہے۔ مولانا تو معترضین کی وکالت فرما رہے ہیں۔ مولانا شہیدؒ پر اعتراض کرنا اصل مقصود ہے پھر یہ مہربانی کیوں فرمائی جاتی ہے کہ تقویت الایمان کی بعض عبارتوں کو الحاقی کہا جائے آپ کا کام تو اس کتاب کی نازیبائی کے پہلو نمایاں کرنا تھا۔ الحاقی عبارت ہو اکرے اس کیا غرض؟ جس عبارت کو الحاقی عبارت کہا جاتا ہے اسکی وضاحت کرنے کے لئے ہم جیسے ناکارہ موجود ہیں۔

مولانا زید نے ما اھل بہ لغیر اللہ سے متعلق جو کچھ لکھا ہے اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے قول کو رد کیا ہے اس کا جواب ہم کیا دیں بس یہ لکھ دینا کافی ہے کہ کاش مولانا زید تفسیر عزیزی اور فتاویٰ عزیزی کا مطالعہ کر لیتے تو آنکو ان دونوں کتابوں میں ما اھل بہ لغیر اللہ پر لکھی ہوئی

---

[1] مولانا زید کو معلوم نہیں ہے اور غالباً مولانا فریدیؒ کے بھی علم میں نہیں تھا اور حضرت مولانا شہیدؒ سے عقیدت و محبت رکھنے والے ہمارے زمانہ کے اکثر علماء کرام کے بھی علم میں نہیں ہے کہ تقویۃ الایمان حضرت شہیدؒ کی حیات میں ان کی شہادت سے چار سال پہلے ۱۲۴۲ھ میں کلکتہ میں طبع ہو گئی تھی اس ایڈیشن کے نسخے اگرچہ قریباً نایاب ہیں لیکن بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ ایک نسخہ دار العلوم دیوبند کے کتب خانہ میں بھی محفوظ تھا اس عاجز کو بھی اب سے ایک سال پہلے تک اس نسخہ کا علم نہیں تھا۔ میرے ایک عزیز دوست مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی نے اس کو تلاش کر کے نکالا اور اس کا فوٹو اسٹیٹ لے لیا۔ اس عاجز نے اس کو دیکھا ہے اس نسخہ کے دریافت کے بعد ان لوگوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جنھوں نے تقویۃ الایمان کے حضرت شہیدؒ کی تصنیف ہونے کے بارے میں شک شبہ کا اظہار کیا ہے یا اس کی بعض عبارتوں کے بارے میں الحاق کی بات کہی ہے۔ اس نسخہ کے سرورق اور پہلے صفحہ کا عکس اگلے ورق پر ملاحظہ فرمایا جائے۔ (محمد منظور نعمانی املاءً)

حقیقت واضح ہو جاتی اور ایک صحیح مسلک کا پتہ چل جاتا۔ اور یہ لکھنے کی جرأت نہ ہوتی کہ حضرت شہیدؒ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے مسلک کے خلاف تھے"۔

اگر اسی کے ساتھ ساتھ از راہ انصاف حضرت مجدد الف ثانیؒ اور اکابر خاندان حضرات مجددیہ کا اس بارے میں مسلک اور رویہ معلوم کر لیتے تو پھر کسی کی طرف داری میں اپنے بزرگوں کے مسلک کو خیرباد نہ کہتے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے وصیت نامے اور وہ شرح، جو قاضی صاحب نے شاہ ولی اللہؒ کے وصیت نامہ کی لکھی ہے اس کو اور مرزا مظہر جان جاناںؒ کی سوانح اور شاہ غلام علی صاحبؒ کے ملفوظات "درالمعارف" اور انکے مکتوبات دیکھ لیتے تو پھر ایسی باتیں نہیں لکھتے جو ایسی اس کتاب میں لکھی ہیں۔

دراصل مجھے سب سے پہلے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ وہ قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کا مطالعہ کرنے کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہر سہ دفاتر مکتوبات کے اندر جو رد شرک اور رد بدعت ہے اس کا بنظر عمیق مطالعہ کر لیتے پھر اس مسئلہ پر قلم اٹھاتے اور دیگر مسائل اختلافیہ کو چھیڑتے۔ رہا تقویت الایمان کے بارے میں یہ کہنا کہ رد الاشراک کا چربہ ہے اور ثبوت میں یہ کہنا کہ اس میں وہی آیات و احادیث ہیں جو رد الاشراک مؤلفہ محمد ابن عبد الوہاب میں ہیں[1]۔ اس کا تو کوئی جواب ہی نہیں، لاجواب بات ہے۔ جو شخص بھی توحید و رسالت پر کچھ لکھے گا وہ انہی آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی روشنی میں لکھے گا جو ان موضوعات سے متعلق ہیں۔

---

لہ مجھے شبہ ہے کہ مولانا زید صاحب نے یہ بات یا تو صرف کسی سے سن کر تحریر فرمادی ہے یا ان کی نظر سے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تصنیف رد الاشراک کا کوئی ایسا نسخہ گذرا ہے جس پر مصنف کا نام نہیں ہے اور انھوں نے اس کو شیخ محمد ابن عبد الوہاب کی تصنیف سمجھا ہے ــــ رد الاشراک کے مصنف شاہ شہیدؒ کے بارے میں خود مولانا فریدی علیہ الرحمۃ نے جو کچھ تحریر فرمادیا ہے اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ تقویت الایمان کی اصل اور اس کا متن ہے ــــ معلوم ہوا ہے کہ وہ اب لاہور میں طبع ہوگیا ہے۔

شیخ محمد ابن عبد الوہاب کی مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی تمام تصانیف اب سے قریباً چار پانچ سال پہلے جامعۃ الامام محمد ابن سعود الاسلامیہ ریاض کی طرف سے ۱۲ ضخیم جلدوں میں شائع ہوچکی ہیں ان میں ایک ضخیم مجلد وہ ہے جس میں توحید اور شرک سے متعلق انکے چھوٹے بڑے تمام رسائل جمع کر دیئے گئے ہیں ان میں کتاب التوحید، کشف الشبہات وغیرہ انکی معروف کتابیں شامل ہیں اور انکے علاوہ اس موضوع سے متعلق چھوٹے بڑے متعدد رسائل ہیں ان میں رد الاشراک نام کا کوئی رسالہ نہیں ہے (محمد منظور نعمانی [illegible]

بسم الله الرحمن الرحیم
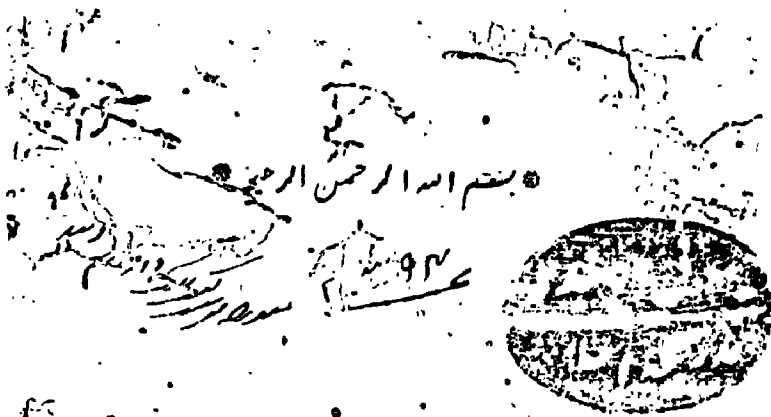
الٰہی ہزار ہزار شکر تیری ذات پاک کو کہ تم ہم کو تو نے ہزاروں
نعمتیں دیں ۰ اور اپنا سچا دین بتایا اور سب پر حق راہ چلائی ۰ اور
اصل توحید سکھلائی ۰ اور اپنے حبیب محمد رسول الله صلی الله علیہ و آلہ
و سلم کی امت میں بنایا ۰ اور اُن کی راہ سے کھنے کا شوق دیا ۰ اور
اُنکے نائبوں کو کیا کہ جو آپکی راہ بتاتے ہیں اور اُنکے طریق پر چلاتے
ہیں اُنکی محبت دی ۰ سو ای پروردگار ہمارے تو اپنے حبیب پر
اور اُسکی آل و اصحاب پر اور اُنکے سب نائبوں پر ہزار ہزار
درود اور سلام بھیج ۰ اور اُنکی پیروی کرنے والوں پر رحمت
کر ۰ اور ہمکو اُنمیں شریک کر اور ہمکو اُنہی کی راہ پر چلنے اور ہونے قایم
رکھیو ۰ اور اُسکے تابعوں میں کر ۰ آمین رب العالمین ۰

مولانا زید سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے تقویت الایمان پر رنگ برنگ کے شبہات ظاہر کئے ہیں۔ "آزاد کی کہانی" میں مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے مولانا آزادؒ کے والد مولانا خیرالدین کا تذکرہ کرتے ہوئے تقویت الایمان کے بارے میں جو انکی رائے تھی اسکو لکھا ہے۔ میں نے "آزاد کی کہانی" پر تبصرہ کرتے ہوئے تقویت الایمان کے متعلق جو کچھ لکھا تھا اسکو اس جگہ نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں اس سے معلوم ہو جائیگا کہ تقویت الایمان کی مخالفت میں کتنی بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئی ہیں۔

"آزاد کی کہانی" میں بیان کیا گیا ہے :-

"شاہ ولی اللہ مرحوم کو عین محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے ظہور و شیوع عقائد کے زمانہ میں حرمین میں مقیم تھے اُسکی "کتاب التوحید" ملی۔ اور اسکی وجہ سے ان کے خیالات میں بھی یک گونہ فتور ہوا۔ وہ اس فتنہ کو اپنے ہمراہ ہندوستان لائے۔ انکی کتابوں میں مولوی اسماعیل کو کتاب التوحید ملی۔" (کہانی ص۳۶۵)

یہ عظیم ترین بہتان بھی مولانا خیرالدین کے "حقائق و معارف" کا ایک نمونہ اور ان خیالات کی ایک جھلک ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے متعلق وہ رکھتے تھے غور تو کیجیے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے قیام حرمین کا زمانہ ۱۱۴۳ھ سے ۱۱۴۵ھ تک کا ہے ۱۱۷۶ھ میں ان کا وصال ہو گیا اور مولوی فضل رسول بدایونی جو مولانا خیرالدین کے معتمد علیہ اور "مولانا اسماعیل دشمنی" میں ان کے خاص ہم مشرب و ہم مزاج ہیں، "سیف الجبار" میں یہ ارقام فرمارہے ہیں کہ ـــ کتاب التوحید ۱۲۲۱ھ میں اواخر ایام سلطان سلیم ثالث میں مکہ معظمہ کے اندر آئی تھی۔ پھر قیام حرمین کے زمانہ میں یہ کتاب حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ہاتھ کیسے لگ گئی۔ اس موقع پر اگر مولانا خیرالدین کو مولوی فضل رسول بدایونی کی پوری بات یاد رہتی تو وہ وہی کہتے جو انھوں نے سیف الجبار میں لکھا ہے۔ دیکھئے مولوی بدایونی کتنا عجیب انکشاف فرماتے ہیں ـــ وہ حضرت شہیدؒ اور رفقاء حضرت سید احمد شہیدؒ پر الزامات بے جا لگاتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں۔

"انھیں سامانوں سے سیر و سیاحت کرتے پھرتے تھے کہ تیسرا فساد ظاہر ہوا یعنی کتاب التوحید نجدیہ کی مراد آباد میں کہ وہاں پہلے سے کسی قدر اس

مذہب کی گفتگو تھی ۔ ہاتھ لگی ۔ اس مذہب کو پسند کیا اور تقویت الایمان تصنیف کی (جو) گویا اسی کتاب التوحید کی شرح ہے۔ (سیف الجبار ص ۱۳)

ایک غلط بات کتنے شک سے کہی گئی تھی کہ کتاب التوحید مراد آباد سے مل گئی تھی۔ مولانا خیر الدین نے اس کو تاریخی اعتبار سے خواہ مخواہ پیچیدہ اور دور از کار بنا دیا کہ شاہ ولی اللہ صاحب حرمین سے کتاب التوحید لائے اور شاہ اسماعیل کو اپنے دادا کے کتب خانہ سے وہ کتاب ہاتھ لگ گئی ۔ معاندین شاہ اسماعیل شہیدؒ تقویت الایمان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بناتے رہے ہیں کوئی کہتا ہے کہ سید صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ حج کو گئے تو وہابیوں سے متاثر ہوئے اور وہاں کتاب التوحید مل گئی اور تقویت الایمان لکھی۔ کوئی کہتا ہے مراد آباد سے کتاب التوحید مل گئی تھی، اس کا دوسرا ایڈیشن تقویت الایمان ہو گیا۔ کوئی کہتا ہے کہ دادا کے کتب خانہ سے کتاب التوحید برآمد کر لی تھی اور اس کا چربہ تقویت الایمان ہے کچھ ٹھکانہ ہے ان محققین کی ژولیدہ بیانی اور اختلاف رائے کا؟ (از الفرقان ماہ جمادی الاول ۱۳۷۶ھ ص ۴۸ سے ۴۹)

مولانا زید نے تقویت الایمان کے بارے میں جو انکشاف کیا ہے وہ تمام مذکورہ بالا تحقیق سے علیحدہ ہے کاش مولانا تقویت الایمان کی اصل رد الاشراک دیکھ لیتے اور تقویت الایمان اور اسکے فوائد پر بھی غور فرما لیتے تو ایسا نہ لکھتے جیسا اس کتاب میں لکھ گئے ہیں۔

شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے تقویت الایمان میں توحید کامل و خالص کا بھرپور تذکرہ کرکے ایک موقع پر عرفی کا ایک شعر اپنی کتاب تقویت الایمان میں درج کیا ہے اور اس کو خلاف توحید قرار دیا ہے شعر یہ ہے ؎

تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل
سلمائے حدوث تو و لیلائے قدم را (تقویت الایمان ص)

یہ عرفی کے ایک نعتیہ قصیدہ کا شعر ہے اس میں "سلمائے حدوث" سے مراد آنحضرت اور "لیلائے قدم" سے مراد اللہ تعالے ہے۔ عرفی نے حدوث و قدم کو ایک ہی ناقہ پر بٹھا کر اپنی شرک آمیز بات کی داد حاصل کرنی چاہی ہے۔ حضرت شہیدؒ نے نہایت سختی سے اس شعر کے مضمون

تردیدکی ہے۔ کیا یہ حصہ بھی کتاب التوحید سے ماخوذ ہے؟ کیا محمد ابن عبدالوہاب عرفی شیرازی سے واقف تھے؟ اس کے علاوہ ایسے اور شعروں کو بھی پیش کیا ہے جنکا مضمون توحید خالص کے خلاف ہے ـــــ پھر ایک بات اور پیش کرتا ہوں، وہ یہ کہ مولانا زید کا خیال ہے مولانا شہیدؒ محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے متبع ہیں، توسل کے قائل نہیں ہیں۔ آیئے میں تقویت الایمان ہی سے اس کا ثبوت پیش کرتا ہوں کہ مولانا شہیدؒ توسل کے قائل تھے[1]

"یہ جو لوگوں میں ایک ختم مشہور ہے کہ اس میں یوں پڑھتے ہیں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ یعنی اے شیخ عبدالقادرؒ دو تم اللہ کے واسطے ـــ یہ لفظ نہ کہنا چاہیئے ہاں اگر یوں کہے کہ یا اللہ کچھ دے شیخ عبدالقادرؒ کے واسطے تو بجا ہے۔

(تقویت الایمان ص۸۱ مطبع فخر المطابع لکھنؤ)

خدا کرے اس مقام کو پڑھ کر مولانا زید اپنے قول سے رجوع فرمالیں اور یہ نہ کہدیں کہ یہ عبارت الحاقی ہے اس موقع پر میں یہ بات بھی صاف صاف کہہ دوں کہ تقویت الایمان کے نسخوں میں چاہے وہ قلمی ہوں یا مطبوعہ، الحاق کا کوئی عمل نہیں ہوا ہے البتہ کہیں کہیں الفاظ کا تغیرو تبدل ہے جس سے معنی اور مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایسا مثنوی مولانا رومؒ اور گلستاں و بوستاں سعدیؒ وغیرہ سب کتب متداولہ

---

[1] شیخ محمد اکرام اپنی کتاب موج کوثر میں ارقام فرماتے ہیں۔

"ان (شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ) میں اور شیخ محمد ابن عبدالوہاب کے پیروؤں میں بعض بنیادی اختلافات ہیں، ان میں سے ایک "التوسل فی الدعا" کا مسئلہ ہے۔ ان کی نسبت مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں ـــ مثلاً خدا تعالیٰ سے استدعا کی جائے کہ بحرمت فلاں یا بحق فلاں کہہ کر ـــــ تو اس توسل کو ابن عبدالوہاب نہایت شدت سے ممنوع (منع) کرتے ہیں۔ مولانا اسماعیل کے یہاں یہ توسل ناجائز نہیں ـــــ اسی طرح شرک اصغر کا مسئلہ ہے جس کے عوام آئے دن مرتکب ہوتے رہتے ہیں، شیخ محمد ابن عبدالوہاب تو "شرک اصغر" اور "شرک اکبر" میں کوئی امتیاز نہیں کرتے اور دونوں کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں لیکن "شاہ اسماعیل شہیدؒ" اس امتیاز کو جائز قرار دیتے ہیں اور شرک اصغر کو گناہ کبیرہ سمجھتے اور اسکے مرتکب کی سزا دہی کے قائل ہونے کے باوجود اسے کافر نہیں سمجھتے۔ (موج کوثر بارہواں ایڈیشن مکتبہ جدید پریس لاہور)

میں بکثرت پایا جاتا ہے مولانا تیر نے اپنی کتاب کے صلے پر مولانا فضل حق خیرآبادی کی کتاب تحقیق الفتوی کا ذکر کیا ہے۔ اور اس میں ان علماء کے اسماء کا اندراج ہے جنھوں نے حضرت شہیدؒ کے خلاف فتوے پر دستخط کئے ہیں ان میں مولانا عبدالخالق دہلویؒ کا نام بھی ہے۔ اب آپ ان کے صاحبزادے مولانا عبدالرب واعظ دہلوی بانی مدرسہ عبدالرب کی تحریر پڑھئے جس میں انھوں نے منجملہ اور اکابر دہلی کے اپنے والد کو لکھا ہے کہ وہ حضرت شاہ اسماعیل شہید سے قلبی تعلق رکھتے تھے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

"مولوی اسماعیل صاحب شہید فی سبیل اللہ مہاجر الی اللہ کا حال جو اپنے والد ماجد محمد عبدالخالق مرحوم سے اور علماء سے سنا گیا وہ ایسا نہیں ہے کہ یہ صفحۂ قرطاس اس کی تحریر کو وفا کرے ــــ ان حضرات کو ان کے اشتیاق میں یہی کہتے سنا ؎

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں

اب جنکے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

اور انکے وصف قرآن شریف اور حدیث شریف سے ثابت اور ظاہر ہوتے ہیں ــــ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ــ پھر ایسے شخص کو جو کافر کہے وہ کمال خسران اور ضلال میں ہے۔ يَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ يَّتُوْبَ وَيَدْعُوْا اَنْ يَّتُوْبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔

مہر عمدۃ الواعظین مولوی عبدالرب صاحب دہلوی

(محمد عبدالرب)

(سوال وجواب متعلقہ رسالہ تقویت الایمان وتذکیر الاخوان ضمیمہ تقویت الایمان صلا ۲۷۱ مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ)

## مولانا شہیدؒ کے بارے میں چند اکابر ملت کی آراء

(۱) حضرت سائیں توکل شاہؒ نقشبندی مجددی کی سوانح عمری میں احقر نے خود دیکھا ہے کہ انھوں نے اپنی مجلس میں فرمایا ــــ "ہم نے مولانا اسماعیل شہیدؒ کو دیکھا کہ وہ

کمبل اوڑھے ہوئے ایک سڑک پر سیدھے چل رہے ہیں" کتاب میرے پاس اس وقت نہیں اس لئے انکے ارشاد کا مفہوم نقل کیا گیا۔ انھوں نے مراقبہ میں دیکھا یا خواب یہ اسکی کوئی تشریح نہیں کی تھی البتہ اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ سائیں توکل شاہؒ مولانا شہیدؒ سے قلبی تعلق رکھتے تھے۔ لہذا ان کو حق پر جانتے تھے۔

(۲) صوفی محمد حسین مراد آبادی مؤلف انوار العارفین جو مولانا امانت علی چشتی امروہیؒ کے مرید تھے اپنی کتاب میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کا ذکر بڑی عقیدت سے کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے بچپن میں ان دونوں بزرگوں کو دیکھا تھا جبکہ ان کا قافلہ مراد آباد آیا تھا۔

(۳) امروہہ کی خانقاہ صابریہ ہادویہ سے بھی سید احمد شہیدؒ اور مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے بہت زیادہ روابط تھے جہاد کی تیاری کے وقت ایک گشتی مراسلہ اس خانقاہ میں بھی آیا تھا۔ حضرت شاہ عبدالباری صدیقی چشتی امروہیؒ کے خلیفہ سید عبدالرحیم ولایتیؒ بھی سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کی جماعت حقہ کے ساتھ تھے اور ان ہی کے ہمراہ جہاد بالاکوٹ میں شرکت کر کے شربتِ شہادت نوش فرمایا۔

(۴) محدث دار الہجرۃ حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ نے ضمیمۂ مقاماتِ مظہری میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے اور شہید لکھا ہے یہ دونوں بزرگ انکے دادا شاہ صفی القدرؒ کی تجہیز و تکفین میں موجود تھے۔ اور ضمیمہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو شاہ صفی القدرؒ سے بڑا ربط و تعلق تھا۔ اور عجب نہیں کہ ان دونوں میں سے کسی نے ان کی نماز جنازہ بھی پڑھائی ہو۔

ان کے علاوہ بہت سے علماء اور مشائخ و اکابر ملت کی عبارتیں تلاش سے پیش کی جاسکتی ہیں فی الحال اتنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کو برا کہنے والے یا تو رافضی تھے یا اہلِ بدعت۔ نام نہاد سنی حنفی اہلِ بدعت کے دربارہ سید احمد شہید و مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ ناگفتہ بہ کلمات کے بہت سے نمونے تو نظر سے گذرے ہوں گے آیئے اس موقع پر ہم ایک شیعی رافضی کے جذبات بھی جو ان دونوں کے بارے میں ہیں پیش کرتے ہیں۔ دیکھئے محمد رضا طباطبائی شیعی نے مظاہر الادیان میں ان دونوں بزرگوں کے متعلق کیا زہر افشانی کی ہے

لہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی شان میں اس گستاخ نے جو دریدہ دہنی (آئندہ صفحہ)

یہ کتاب سنہ ۱۲۳۳ھ میں لکھی گئی ہے اور اسکی نقل امروہہ کے ایک شیعہ ظہیر ڈار خاں ساکن محلہ گذری نے شعبان سنہ ۱۲۷۱ھ میں کی ہے۔ مؤلف انگریزوں کا خاص آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اسکی رسائی دہلی اور لکھنؤ کے انگریز حکام سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے' مؤلف نے اپنی اس کتاب میں دیانتداری کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنیکو اپنا کمال سمجھا ہے۔ بہت سی تاریخی غلطیاں اس میں موجود ہیں جو تاریخ و تذکرہ کے واقف ناظرین کو بآسانی معلوم ہو سکتی ہیں۔ شہیدین کے بارے میں جو اپنی تحقیق پیش کی ہے وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے "در ذکر سید احمد و مولانا محمد اسمٰعیل و مولانا عبدالحئیؒ بڈھانوی" یہ عنوان قائم کر کے طبا طبائی لکھتا ہے :-

اصل دین ایشاں بہ مذہب حنفی و ملت وہابی است و باوجود آں از ہمہ علیحدہ است... ہیچک نبی را در عبادت نام نہ برند اللھم صل علی در نماز نہ گویند زیرا (کہ) می گویند نبی ما قبلیکہ در قید حیات بود نبوت اورا بود بعد از ممات، نبوت از ورفت..... کرامات انبیاء و اولیاء از ذات آنہا متعلق بود مادام حیات و بعد ازاں کرامت نیست.... نہ در قبر رسول در مدینہ شریف است' ونہ در نجف و کربلا، ونہ در بغداد برائے غوث الاعظمؒ ونہ در اجمیر و دہلی برائے خواجہ بزرگ و خواجہ قطب وغیرہم۔

ان کا اصلی دین مذہب حنفی اور ملت وہابیہ ہے اس کے باوجود سب سے علیحدہ ہے..... اپنی عبادت میں کسی نبی کا نام نہیں لیتے ہیں اور اللھم صل علی نماز میں نہیں کہتے ہیں یعنی درود نہیں پڑھتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی جس وقت حیات تھے نبوت ان کے پاس تھی انتقال کے بعد ان سے نبوت چلی گئی........ انبیاء، اولیاء کی کرامات انکی ذات سے متعلق تھیں جب تک وہ زندہ رہے اس کے بعد کرامت نہیں ہے..... نہ مدینہ شریف میں قبر رسول کے اندر کرامت ہے اور نہ نجف و کربلا میں اور نہ بغداد و اجمیر و دہلی میں۔

---

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ) اور زہر افشانی کی ہے اس کو زبانِ قلم پر نہیں لایا جا سکتا۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ پہلے انکی بھرپور تعریف کرتا ہے پھر ایسی تصویر کھینچتا ہے جس سے لوگوں کو انکی شخصیت سے نفرت ہو جائے۔ اس نے بہادر شاہ ظفر کی بھی اس مناظرہ میں شرکت بتائی ہے حالانکہ دوسری معتبر روئیدادوں سے انکی شرکت ثابت نہیں۔ جہاں اور بہت سی غلط باتیں' اس مناظرہ کی طرف منسوب ہو گئیں ہیں ایک یہ بھی انھیں میں سے ہے۔

آگے عنوان "ذکر مولوی عبدالحئ و مولوی اسماعیل و سید احمد و اختراع مسلک جدید" کے تحت لکھتا ہے :-

مولوی عبدالحئ نام، شخصے بود از متوطنان قصبات
نواحی سہارنپور، در ..... سہارنپور میان مسجد
متوقف بود و مردم را درس می کرد .......
دراں مسجد تربیت از کاغذ و تنۂ نیزہ کہ در ایام
عشرہ محرم آں را آراستہ بجلس عزائے سید الشہداء
..... می نہادند بعد ایام عشرہ محرم آں را
برداشتہ در مسجد بگوشہ نہادہ بود ـــ ایں مولوی
عبدالحئ آں چوب نیزہ و کاغذ را ہیچ کارہ تصور
نمودہ بگرفت و در آتش انداختہ، از آں
آب گرم ساختہ، تا غسل نماید ـــ شیعان
سہارنپور، بدریافت آں بد پژدہ، زبان طعن
درآں دراز کردند ..... اہل بلدہ اتفاق
نمودہ بر مولوی بلوہ کردند ..... از طرفین
کساں فراہم آمدند ـــ صورت پرخاش
از گفتگوئے لسانی درگذشتہ ـ حکام آں جا کہ
از اقوام انگلیشیہ اند و فساد را درست نمی
دارند، اہل کاراں و کوتوال شہر را فرستادہ
بمدافعت آں آتش فتنہ خواستند، و چوں
دیدند کہ حق بجانب شیعان و اہل بلدہ است
و مولوی سخن تازہ حادث کردہ است کہ
بسوختن تعزیہ امر می نماید ـــ لہذا اقرار
برآں دادند کہ مولوی عبدالحئ را از سہارنپور
خارج نمایند و رفع بلوہ سازند، پس عبدالحئ

مولوی عبدالحئ نام کا ایک شخص تھا جو نواحی
سہارنپور کے ایک قصبہ (بڈھانہ) کا متوطن تھا.
..... سہارنپور کی ایک مسجد میں ٹھہرا ہوا تھا اور
لوگوں کو درس دیتا تھا..... اس مسجد میں
ایک کاغذی تعزیہ اور نیزہ کے بانس رکھے ہوئے
تھے ـــ ان کو ایام عشرۂ محرم میں سجا کر امام
باڑہ میں رکھتے تھے اور عشرۂ محرم کے بعد ان کو
وہاں سے اٹھا کر پھر مسجد میں رکھ دیا جاتا تھا
ـــ اس مولوی عبدالحئ نے اُس چوب نیزہ
اور کاغذ تعزیہ کو واہیات سمجھ کر انکو آگ میں ڈال کر
پانی گرم کیا اور غسل کیا شیعان سہارنپور نے اس
بدخواہ کو معلوم کرکے زبان طعن دراز کی.....
اہلِ شہر نے اتفاق کرکے مولوی مذکور پر ہجوم کیا
..... طرفین سے بہت سے اشخاص جمع ہو گئے
صورت پرخاش زبانی گفتگو سے آگے بڑھ گئی
تو سہارنپور کے حکام نے جو کہ انگریز ہیں اور فساد
کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں اہل کاروں کو اور کوتوال
شہر کو بھیج کر اس آتش فتنہ کو دفع کرنا چاہا اور
جب انھوں نے دیکھا کہ حق بجانب شیعان اور
اہل بلدہ ہیں مولوی نے نئی بات نکالی ہے کہ
تعزیہ کے جلانے کا حکم دیتا ہے ـــ لہذا انھوں نے
بیانات طے کی کہ مولوی عبدالحئ کو سہارنپور سے
نکالیں اور بلوہ رفع کریں پس عبدالحئ وہاں سے

ازاں جا اخراج کردہ شد — و قتیکہ عبدالحیٔ از ہیں جا و مولوی اسماعیل از شاہجہان آباد بہ اخراج درآمدند، ہر دو کس با خود اتفاق نمودہ ہر طرف کہ می رسد عمل انگریز بود، نام خود را بر زبانہا جاری دیدہ جز عملداری بیگم شمرو ہیچ جا پناہ نیافتہ مفسد مفسد مشہور شدند پس در پئے اظہار مسلک جدیدہ گردیدہ بتلاش یار و مددگار ساعی شدند تا اینکہ رفتہ رفتہ میان ایشاں و سید احمد مذکور ملاقات شد۔ ایں اصحاب ثلاثہ یکجا گردیدہ۔

نکالا گیا۔ جس وقت کہ عبدالحیٔ اس جگہ (سہارنپور) سے اور مولوی اسماعیل شاہجہان آباد (دہلی) سے نکال دیئے گئے ان دونوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کر لیا۔ جہاں بھی پہونچے تھے انگریز کی عملداری تھی سب لوگوں کی زبانوں پر اپنا نام آتا دیکھ کر بیگم شمرو کی عملداری (سردھنہ) کے علاوہ کسی جگہ اپنا پناہ نہیں پایا۔ ہر جگہ ان کو مفسد مفسد کہہ کر پکارا جاتا تھا پس وہ دونوں اپنے مسلک جدید کے اظہار کی خاطر یار و مددگار کی تلاش میں کوشاں ہوئے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ان دونوں اور سید احمد کے درمیان ملاقات ہوئی اور یہ اصحاب ثلاثہ یکجا جمع ہو گئے۔

نیز ایک دوسرے مقام پر طباطبائی لکھتا ہے:-

انجام کار بعد وفات نمودن مولوی عبدالعزیز کہ در آں روز زیادہ از صد ہزار مردم از خواص و عوام شاہجہان آباد (دہلی) بر جنازہ او حاضر بودند۔ بعد از مراجعت جنازہ امرے دیگر پیش آمدہ و آں اینکہ میان شاگرداں و تلامذہ او شاں نفاق عارض گردید، دو فرقہ شدند۔ چوں شاہ عبدالعزیز اولاد ذکور نداشت از ورثاء خواہر زادگان[1] و داماد وغیرہ بودند، بر سر ترکہ آں متوفی ایشاں را نزاع درافتاد از جملہ خواہر زادگان، مولوی اسماعیل وغیرہ چند کس یک طرف شدند۔ مردم چند از تلامذہ

انجام کار بعد وفات مولوی عبدالعزیز کہ انکی وفات کے دن دہلی کے ایک لاکھ سے زیادہ خاص و عام (آدمی) انکے جنازہ میں شریک تھے، دفن کے بعد ایک امر دیگر پیش آیا وہ یہ کہ انکے شاگردوں کے درمیان نفاق اور مخالفت واقع ہو گئی اور دو فرقے ہو گئے کیونکہ شاہ عبدالعزیز نرینہ اولاد نہیں رکھتے تھے، انکے ورثاء میں سے خواہر زادگان[1] وغیرہ تھے۔ متوفی کے ترکہ پر ورثاء میں اختلاف ہو گیا۔ تمام خواہر زادگان میں سے مولوی اسمٰعیل وغیرہ ایک طرف ہو گئے۔ شاہ عبدالعزیز کے شاگردوں میں سے چند آدمی انکے ساتھ ہو گئے اور

---

[1] خواہر زادگان غلط لکھا ہے۔ برادر زادگان ہونا چاہیئے۔

همراہی ایشاں اختیار نمودند۔ و مولوی
اشرف کہ عمدۂ تلامذہ شاہ عبدالعزیز بودہ،
خود یکطرف گردیدند۔ مدارِ مخالفت میان
ہر دو بر مصنفات شاہ عبدالعزیز واقع شدہ،
یکے می گفت کہ ہر چہ او نوشتہ است درست
است و بر روایاتِ صحیح جمع آوردہ۔ و فرقہ
ثانی می گفت کہ در اکثر تصانیف او، احادیث
وضعی آمدہ است بمحض از دنیا سازی نوشتہ،
گاہ تائید شیعہ کردہ و گاہ تائید اہلِ سنت نمودہ۔
مذہب عبدالعزیز مذہب اہلِ دنیا بود و طرفین
از روئے کتب آئمہ خود، در ردِ دیگرے و اثبات
تقریر خود، متکلم گردید نوبت قضایا در افتاد۔
در جامع مسجد شاہ جہاں آباد مناظرہ میان
اینہا قرار گرفت۔ ولی عہد حضرت بادشاہ
و سرداران ایں دیار و تمامی اعزہ و اکابر شہر
جمع گشتند و از طرف حکام طلباء مستعد وقت
مثل مولوی رشید الدین و میر خلیل الدین
وغیرہم مقرر گشتند و چند روز[لہ] مناظرہ ماند۔
تا اینکہ مولوی اشرف را غلبہ رو داد و مولوی
اسماعیل مفسد و فتنہ پرداز قرار یافت از شہر
اخراج کردہ شدند۔ اہل شاہ جہاں آباد
جملہ اطاعت مولوی اشرف کردند۔

مولوی اشرف جو کہ شاہ عبدالعزیز کے بڑے
اچھے شاگرد تھے، ایک طرف ہو گئے۔ مدارِ
مخالفت دونوں کے درمیان شاہ عبدالعزیز
کی تصانیف پر تھا۔ ایک کہتا تھا کہ جو کچھ
انھوں نے لکھا ہے صحیح لکھا ہے اور روایات صحیحہ
سے مضامین کو جمع کیا ہے اور دوسرا گروہ کہتا
تھا کہ انکی اکثر تصانیف میں موضوع حدیثیں
آ گئی ہیں۔ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، دنیا
سازی سے لکھا ہے۔ کبھی تو شیعوں کی تائید
کی اور کبھی اہلِ سنت کی۔ مذہب عبدالعزیز
مذہب دنیا تھا (نعوذ باللہ) اور طرفین اپنے
بزرگوں کی کتابوں کی رو سے دوسرے کے رد
میں اور اپنی تقریر کے اثبات میں گفتگو کرنے لگے
جھگڑے کی نوبت پیش آ گئی۔ دہلی کی جامع مسجد
میں ان دونوں گروہوں کے درمیان مناظرہ
قرار پایا۔ حضرت بادشاہ کے ولی عہد
(بہادر شاہ ظفر) اور شہر کے بڑے بڑے لوگ اور
شہر کے تمام اکابر جمع ہوئے حکام کی طرف سے
مستعد طلباء مثل مولوی رشید الدین اور میر
خلیل الدین مقرر ہوئے اور چند دن[لہ] مناظرہ ہوا
یہاں تک کہ مولوی اشرف کو فتح حاصل ہوئی
اور مولوی اسماعیل مفسد و فتنہ پرداز قرار
پائے اور شہر سے ان کا اخراج کر دیا گیا۔

مجھے مولانا زید کی پوری کتاب کا جواب دینا نہیں ہے، اس مقالہ کی تحریر سے

لہ ایک دن صرف چند گھنٹے مناظرہ ہوا۔

میرا مقصود حضرت اسماعیل شہیدؒ کا اجمالی دفاع کرکے مناظرہ جامع مسجد دہلی جو ۱۲۴۰ھ میں مابین مولانا رشیدالدین خاں دہلویؒ اور مولانا عبدالحی صاحب بڈھانویؒ ہوا۔ اسکی صحیح روئیداد پیش کرنا ہے۔ مولانا زید نے اس مناظرہ میں شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کو مولانا رشیدالدین خاںؒ کا مقابل ٹھہرایا ہے اور مناظرہ میں ان ہی کو ایک فریق کی طرف سے مناظر و متکلم قرار دیا ہے ــــ اور چودہ سوالات جو اس مناظرہ میں مولانا رشیدالدین خاں کی جانب سے پیش کئے گئے تھے، ان چودہ سوالات کا جواب بھی جو کچھ دیا گیا اسکو شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔ مولانا زید نے ان چودہ سوالات کے جوابات کو مولانا شہید کی مستقل تالیف بتایا ہے، چنانچہ اپنے دوسرے مکتوب میں احقر کو تحریر فرماتے ہیں :-

"آپ نے (یعنی حضرت شاہ احمد سعیدؒ نے) صرف چودہ سوالات جو مولانا رشیدالدین خاں صاحب نے کئے تھے اور ان کے جوابات جو مولانا اسماعیل نے لکھے تھے۔ چہاردہ مسائل کے نام سے رسالہ کی شکل میں لکھے ہیں۔ اور یہ نسخہ حضرت شاہ احمد سعید کے وقت کا قلمی میرے پاس ہے"......

(۱۴ ستمبر ۱۹۸۴ء)

حقیقت یہ ہے کہ ان چودہ سوالات کے جوابات مولانا عبدالحی صاحب بڈھانویؒ کی طرف سے دیئے گئے ہیں۔ معلوم نہیں کس وجہ سے یہ جوابات حضرت شاہ اسماعیل کی طرف منسوب ہو گئے۔ مجھے خانقاہ قلندریہ لاہرپور کے کتب خانہ میں ایک قلمی نسخہ ملا جس میں خود مولانا عبدالحی بڈھانوی کی تحریر فرمائی ہوئی روداد موجود ہے۔ اس روداد میں مولانا بڈھانویؒ نے مناظرہ کے واقعات کو صحیح طریق پر خود تحریر فرمایا ہے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس کتاب میں جو روئیداد درج ہے (جو فارسی میں ہے) اس کا اردو ترجمہ کرکے ناظرین الفرقان کے سامنے پیش کر دوں۔ اس میں جو روئیداد لکھی گئی ہے اس سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ مناظرہ دوسرے فریق سے مولانا عبدالحی بڈھانویؒ نے کیا ہے ــــ مناظرہ میں اگرچہ ہزارہا باشندگان دہلی موجود تھے، لیکن جو حضرات نمایاں اور ممتاز تھے ان کے اسماء خاص طور پر اس روئیداد میں درج کر دیئے گئے ہیں ــــ حضرت شاہ احمد سعید مجددیؒ کا نام نامی باوجودیکہ وہ ممتاز دینی شخصیت رکھتے تھے، اس روئیداد میں موجود نہیں ہے، لہذا ان کے نسخہ مکتوبہ میں جو جوابات مولانا اسماعیل شہید

کی طرف منسوب کئے گئے ہیں غالبًا وہ انھوں نے کسی سے سن کر منسوب کئے ہونگے معلوم ہوتا ہو اُس وقت عوام میں کسی وجہ سے یہی غلط شہرت ہوگئی تھی کہ یہ مناظرہ مولانا رشید الدین خاں صاحب اور مولانا اسماعیل صاحب کے مابین ہوا۔

خانقاہ قلندریہ لاہر پور کے نسخہ خطیہ میں مولانا عبدالحی صاحب بڈھانوی کی لکھی ہوئی روداد کے علاوہ دو رسالے اور ہیں جن میں اسی مناظرۂ جامع مسجد دہلی کی تفصیلی اور اجمالی روئیداد درج ہے ـــ ان میں بھی چودہ سوالات کا جواب دہندہ مولانا عبدالحیؒ صاحب بڈھانوی کو لکھا ہے اور دستخط کنندگان میں بھی حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کا نام نہیں ہے۔ یہ واضح رہے کہ ان دونوں رسالوں کا مرتب کوئی ایسا شخص ہے کہ جو بین بین ہے اور کم از کم اس کو مولانا رشید الدین خاں صاحب دہلویؒ کے جذبات سے اختلاف نہیں ہے اس روئیداد میں صاف طور پر لکھا گیا ہے کہ مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ سوال و جواب کے وقت آگئے تھے۔ مولانا عبدالحیؒ بڈھانویؒ نے انکو گھر جانے کے لئے کہا۔ اس روئیداد کے الفاظ یہ ہیں "مولوی عبدالحیؒ بمولوی اسماعیل صاحبؒ فرمودند برادر! شما بمکان خود بروید، ہر چہ شدنی است برسر من خواہد گذشت۔ شما چرا تکلیف می کشید۔" (ترجمہ۔ مولانا عبدالحیؒ صاحب نے مولانا اسماعیل شہیدؒ سے فرمایا کہ آپ مکان تشریف لے جایئے جو کچھ گذرتا ہے، میرے سر پر گذریگا۔ آپ کیوں تکلیف اٹھائیں) جب مولانا اسماعیل شہید اس مجمع سے واپس جانے لگے تو ایک مخالف نے ان سے کہا کہ تھوڑی دیر تشریف رکھئے۔ آپ کے بھی دستخط اس تحریر پر ضرور ہیں تو یہ کہکر وہ چلے گئے "میں کسی کا پابند نہیں ہوں کہ یہاں بیٹھوں"۔

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی صاحب کے کتب خانہ میں بھی دوسری قلمی روئیداد موجود ہے اس کا مرتب مولانا برہان الدین دہلویؒ کو بتایا گیا ہے اس میں بھی مولانا عبدالحیؒ کو جواب دینے والا بتایا گیا ہے۔

غرضکہ کسی معتبر روئیداد سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل

---

لہ اس وقت کے جاہل مسلمانوں میں پھیلی ہوئی مشرکانہ رسوم و بدعات کے خلاف اصلاحی جدوجہد میں چونکہ اصل قائد کی حیثیت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تھی اس لئے عوام میں اس طرح کی غلط شہرت ہو جانا کچھ بھی مستبعد نہیں ہے۔ (ادارہ الفرقان)

شہیدؒ نے ان چودہ سوالات کے جوابات دیئے ہیں۔ جو مولانا زید کے رسالہ میں مولانا شہیدؒ کے نام سے درج کئے گئے ہیں۔[۱]

اب حضرت مولانا عبدالحیؒ کی تحریر فرمائی ہوئی روداد نذر ناظرین کرام کی جاتی ہے۔

---

[۱] اس سلسلہ میں آخری اور قطعی فیصلہ کن بات یہ ہے کہ مولانا فضل رسول بدایونی نے (جو شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے شدید ترین دشمن ہیں) اپنی کتاب "سیف الجبار" میں تقریباً ۳۔۴ صفحوں میں جامع مسجد دہلی کے اس مناظرہ کا ذکر کیا ہے، انھوں نے بھی مولانا رشید الدین صاحب کے سوالات کا جواب دینے والا مولانا عبدالحیؒ صاحب کو لکھا ہے، اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کے متعلق صراحۃً لکھا ہے کہ جب وہ جانے لگے تو انکے کسی مخالف نے ان سے کہا کہ آپ بھی بیٹھئے، آپکے بھی دستخط کرانے ہیں۔ تو انھوں نے کہا میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں اور چلے گئے، الغرض وہ مناظرہ میں شریک ہی نہیں ہوئے۔ (سیف الجبار از ۵۳ تا ۵۴)

شاہ اسماعیل شہیدؒ کے جواب کے یہ نامناسب الفاظ کہ "میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں" مولوی فضل رسول بدایونی صاحب نے لکھے ہیں جو انکے مزاج اور شاہ شہیدؒ کے خلاف ان کے جذبۂ عناد کو ظاہر کرتے ہیں۔ ہم گمان نہیں کرتے کہ شاہ شہیدؒ جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے تربیت یافتہ بھی ہیں اس موقعہ پر ان کی زبان سے بے تمیزی کا یہ جملہ نکلا ہو۔ واللہ اعلم۔ (نعمانی)

## فیضانِ نسیمؒ

از افسر امروہوی تلمیذ خاص حضرت مولانا فریدیؒ

اپنے آقا کی غلامی جزوِ ایمانِ نسیمؒ
اس میں ہی مضمر ہے ساری عظمت و شانِ نسیمؒ

جب کبھی جانا گنبد خضرا کو دیکھا دیر تک
کون سی منزل میں تھا شوق فراوانِ نسیمؒ

زہد ہو، ایثار ہو، تقویٰ ہو یا حسنِ عمل
آئے گا ایک ایک عنواں زیر عنوانِ نسیمؒ

پیار کا شفقت کا یہ انداز تو دیکھے کوئی
ہم میں سے ہر ایک خود کو سمجھے ہے جانِ نسیمؒ

ہے اگر تعریف کے قابل نبیؐ کی خاکِ پا
ہر ثنا خوانِ پیمبرؐ ہے ثنا خوانِ نسیمؒ

محفلیں نعت و مناقب کی سجیں گی حشر تک
حشر تک جاری و ساری ہے یہ فیضانِ نسیمؒ

نعت ہو تو مدحتِ اصحابِ پیمبرؐ بھی ہو
اہلِ سنت بھول مت جانا یہ فرمانِ نسیمؒ

کون کہتا ہے کہ میرے سر سے سایہ اٹھ گیا
میں قیامت تک رہوں گا افسر زیر دامانِ نسیمؒ

# حضرت مولانا عبدالحیؒ کی تحریر فرمائی ہوئی روداد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد و صلوٰۃ بندہ عبدالحی عفی عنہ (ابن ہبۃ اللہ ابن شاہ نور اللہؒ) کہتا ہے کہ بروز سہ شنبہ آخر ماہ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ میں شہر شاہ جہان آباد (دہلی) کی جامع مسجد کے اندر اس بندۂ ضعیف اور دہلی کے بعض بڑے علماء کے درمیان چند مسائل کا مذاکرہ ہوا، اُس تاریخ سے اِس وقت تک کہ آخر ماہ رجب ۱۲۴۰ھ ہے (یعنی ۳ ماہ ہوگئے ہیں) ان مسائل مذکورہ کا تقریراً و تحریراً اہتمام کرنے کا خیال نہیں تھا۔ بروز پنجشنبہ ۱۹ رجب المرجب سنہ مذکور کو مولوی غلام مصطفےٰ صاحب موضع پھلت پرگنہ کھاتولی علاقہ میرٹھ میں مظفر نگر سے پہونچے۔ تین رات موضع مذکور (پھلت) میں انھوں نے قیام کیا۔ انھوں نے دوران ملاقات میں بیان کیا کہ "ایک شخص نے مناظرہ جامع مسجد دہلی کی روداد رسالے کی شکل میں لکھی ہے اور وہ رسالہ رائج ہوگیا، چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس بھی پہونچا۔"

مولوی غلام مصطفےٰ صاحب نے اپنی یادداشت کے مطابق اس رسالہ سے جو کچھ بھی مضمون بیان کیا، اس سے گمان ہوا کہ صاحب رسالہ کے ہاتھ سے (صحیح طور سے) اظہار واقعہ کا دامن چھوٹ گیا۔ اگرچہ وہ واقعہ مفصل اور مرتب طور پر میرے دل میں بھی بعینہٖ محفوظ نہیں ہے، مگر ہر شخص اپنی سرگذشت کو دوسروں کے مقابلہ میں بہتر جانتا ہے۔ بسا اوقات ایک لفظ کے فرق سے اصل مطلب میں فرق آجاتا ہے اور ناواقف آدمی اس پر آگاہ نہیں ہوتا، پس معلوم ہوا کہ اس تفاوت لفظی کی وجہ سے بعض مسلمانوں کو نقصان پہونچ رہا ہے، میرے ناقص حافظے میں جو کچھ بھی اس وقت موجود ہے اس کو تحریر کرنا مناسب سمجھتے ہوئے اس مباحثہ کی روئیداد کو چند تمہیدوں، ایک مقصد اور ایک خاتمہ کے ساتھ میں نے مرتب کیا ہے۔

**تمہید اوّل۔** اس ملک ہند کے رہنے والوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کی حالت پہلے کے مقابلہ میں نیکی و صلاح سے بدل گئی ہے۔ جو لوگ اپنے زعم باطل میں رسوم زائدہ کا اہتمام شادی و غمی، عرسوں، مجلسوں کے اندر پیروں اور پیغمبروں کے نام سے کرتے تھے اور ایام محرم

میں گریہ و ماتم کا اظہار، دینِ متین کے ارکان کی برابر جانتے تھے اور انتہائی جدوجہد کے
ساتھ اموال و اوقات کو صرف کرکے اُن رسوم کو انجام دیتے تھے، اور حقیقی ارکانِ دین یعنی
اپنے روزہ، نماز، حج و زکوٰۃ کو اس طرح معطل مانتے تھے، گویا کہ وہ تمام ارکانِ دین انکے
خیالِ باطل میں پرانی جنتری کی طرح سے ہیں کہیں جگہ ایک دو اور کسی جگہ سیکڑوں آدمی اپنی
سابقہ غفلت سے باز آگئے اور اپنے اندر نمایاں فرق محسوس کرکے احکامِ دینِ اسلام کی
پیروی کی جانب راغب ہوئے ہیں، یہ تفاوت ہر شخص اور ہر شہر میں ہونا ہماری مراد نہیں
ہے، بلکہ بہیئت مجموعی یہ تفاوت ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کے اعضاء میں
گٹھیا کا مرض لاحق ہو جائے اور پھر کسی ایک عضو میں درد کے اندر سکون محسوس کرے تو
وہ شخص کہے گا کہ مجھکو پہلے کے مقابلہ میں افاقہ ہے، اس موقع پر تفاوت حالِ سابق سے ہماری
جو مراد ہے وہ اس مثال سے واضح ہے۔

تمہید دوم :۔ دنیا میں جو واقعات پیش آتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مربوط و متعلق
ہوتے ہیں۔ اللہ جل شانہ، اپنے تصرفات میں کسی کا محتاج نہیں ہے، لیکن اسکی حکمت، جو
سلسلۂ اسباب کے انتظام کا تقاضہ کرتی ہے، ہر کام کیلئے کچھ اسباب ظاہر کرتی ہے، اس سعادتمند
شخص کا کیا کہنا کہ عنایت الٰہیہ اسکو صلاح و خیر کا سبب بنادے۔ بنابریں، تمہید اول میں
جو بیان گذرا اس سلسلہ میں، کچھ اشخاص کو لوگ ملت کے مسائل کا بیان کنندہ سمجھتے ہیں، اور
وہ اشخاص اپنی وسعت و طاقت کے مطابق (حسب توفیق و حسب طاقت) مسائل کا
اظہار کر دیتے ہیں چنانچہ بعض مسلمانوں نے احقر کو اپنے گمان میں اسی درجہ کا پایا، لہذا بہت سے
استفسارات مجھ سے کرتے ہیں ۔۔ جو کچھ میں جانتا ہوں، بیان کر دیتا ہوں۔

تمہید سوم :۔ چونکہ لوگوں کے حال میں تغیر و فرق آگیا ہے اور انکے حالات بروبہ اصلاح
ہوگئے ہیں، اس لئے نجومیوں، شراب فروشوں، ہنگامہ اور خانہ جنگی کرنیوالوں کے کاموں میں خلل
واقع ہوگیا ہے، کبھی رشوت خوروں کو بھی (رشوت کا بازار سرد ہو جانیکی وجہ سے) تہی دستی
پیش آجاتی ہے، اور جرائم پیشہ لوگوں کو مختلف میلوں اور عرسوں کے جھگڑوں کے مواقع
میسر نہیں آتے ہیں اور اپنی تہی دستی رفع کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں پاتے ۔۔ کبھی کبھی ان
غلط کار گروہوں کو ایسا شبہ ہونے لگتا ہے کہ ہماری تہی دستی و مفلسی و کساد بازاری کا سبب
یہ ہے کہ لوگوں کے اندر جرائم کی کمی واقع ہو گئی ہے، اور چونکہ اللہ جل شانہ کے تصرفات سے

انکو ناواقفیت ہے اس لئے وہ جرائم میں کمی کا باعث اِن اشخاص کو سمجھتے ہیں (جو مسلک اہلِ حق پر ہیں) اور وہ، اُن اہلِ حق سے مخالفت کرتے ہیں اور انھیں ایذاء پہونچاتے ہیں۔

**تمہید چہارم** :۔ اہلِ باطل کی کم سے کم درجہ کی مخالفت اور ایذاء رسانی یہ ہے کہ اہلِ حق کا ذکر بُرے القاب و الفاظ سے کرتے ہیں اور وہ عنوان جو اس علاقہ میں بد سے بدتر سمجھتا ہے، اُس عنوان سے ان اہلِ حق کو منسوب کرتے ہیں، مثلاً میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ اہلِ شریعت کے شارحین کو وہ وہابی کہتے ہیں اور غالباً رسالہ مذکورہ میں جو کچھ درج کیا گیا ہے وہ عوام کی زبان سے سنکر ہی درج کیا گیا ہے لیکن مشہور مثل ہے "مخالفاں را ہوئے بس است" مخالفین اتنی سی بات کو بھی غنیمت سمجھتے ہیں (کہ عوام سے نقل کر کے رسالہ تیار کیا جائے اور مخالفت کی بات چلائی جائے) میں نے خود اہلِ باطل کو استاذ جہانیان حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ پر رفض کی تہمت لگاتے ہوئے سنا ہے، اور لکھنؤ میں جامع العلوم مولوی محمد حسن علی صاحب سے جو حال معلوم ہوا، اسکو یہاں نقل کرتا ہوں۔ مولوی صاحب موصوف کو شہر لکھنؤ کے اہلِ علم اور وہاں کے معزز و مقتدر حضرات بخوبی جانتے اور پہچانتے ہیں۔ ایک مکتوب شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا مولوی صاحب موصوف کے قلم سے نقل کیا ہوا، احقر کے پاس اس وقت موجود ہے۔ اس تحریر کا عنوان یہ ہے۔

## نقل[۱] مکتوب جناب افادت مآب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ بفدوی خاص محمد حسن علی الہاشمی

ترجمۂ مکتوب عزیزی۔

مولوی صاحب عالی مراتب مجمع فضائل و مناقب سلمہ اللہ تعالیٰ و افاض علیہ برکات تتوالیٰ، بعد سلام و دعا ـــــ واضح ہو کہ رقیمہ کریمہ بہجت ضمیمہ وصول ہوا، جس سے مسرت حاصل ہوئی اور خیریت معلوم کر کے دلِ منتظر کو تسلی ملی لیکن اس فقیر کی نسبت تہمت رفض کی اشاعت سے جو کہ معاندین اور بیگانہ و بیگانہ کی طرف سے

---

[۱] یہ مکتوب گرامی مولانا محمد حسن علی محدث لکھنوی کے ایک عریضہ کے جواب میں ۱۲۳۴ھ میں صادر ہوا تھا۔ انھوں نے اپنے عریضہ میں مخالفین کے اتہام کا حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں ذکر کر کے ان اتہامات کا ازالہ کرنا چاہا تھا۔ ۹ ذی الحجہ [illegible] کو بھیج دی تھی۔

ہوئی ہے پہلے پہل بے انتہا ملال ہوا، اسکے بعد اس بات پر نظر کر کے (صبر آگیا) کہ
زمانہ قدیم سے یہ ہوتا آیا ہے کہ تہمت ہائے باطلہ نصیب مشائخ کرام و اولیاء
عظام ہوتی ہیں، چنانچہ ایک عربی شاعر نے کہا ہے ؎

قیل ان اللّٰہ ذو ولد و ان الرسول قد کہنا
ما نجی اللّٰہ والرسول معاً من لسان الوری فکیف أنا

(ترجمہ) کہا گیا ہے کہ اللہ تعالے صاحب اولاد ہے (جیسا کہ عیسائی حضرت عیسی
کو اللہ تعالے کا بیٹا بتاتے ہیں) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کاہن ہیں (جیسا کہ کفار مکہ نے کہا) — جبکہ اللہ تعالے اور رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم معاندین ومخالفین کی زبان درازیوں سے نہ بچے تو میں کس شمار میں ہوں۔
پس اگر یہ فقیر بھی ان عظیم الشان ہستیوں کے اتباع میں اس بلا میں مبتلا
ہو جائے تو کیا تعجب ہے؟ مشکل تو یہ ہے کہ یہ حقیر آغاز ماہِ شعبان سے خطرناک
امراض میں مبتلا ہو گیا ہے۔ رات و دن میں اکثر بے حواسی و بے قراری طاری ہو جاتی
ہے، دوستوں اور محبتوں کے مکتوبات گرامی کے سننے کا بھی موقع میسر نہیں آتا،
چہ جائیکہ مفصل جوابات دیئے جائیں اور طویل سوالات کو حل کیا جائے۔
مختصر یہ ہے کہ ۱۲ گھڑی کے فاصلہ سے بہت تھوڑی غذا استعمال کی
جاتی ہے۔ اسکے بعد بوجھ، اور جی متلاتا بہت رہتا ہے، جب ہضم اخیر کی نوبت
آتی ہے تو تکلیف پہونچانے والے ریاح اس طرح اٹھتے ہیں کہ انتہائی بے قراری
و بے تابی ہو جاتی ہے اور قوئی بہت زیادہ گر جاتے ہیں، اس ضعف کے باوجود
دن رات میں دو آدمی تقریبًا دو میل کشاں کشاں گھماتے ہیں۔ اس حالت میں
طویل خطوط کا مطالعہ کس طرح ممکن ہے؟ اور مفصل جوابات کا لکھنا تو ممتنعات سے ہے۔
اسی بناء پر آپ کے سابقہ مکتوب کا جواب لکھنے میں بھی تاخیر واقع ہوئی۔
میر ہاشم کے مکتوب کا جواب بھی نہ دے سکا۔ ان کو بھی بعد سلام میرا یہی عذر
پہونچا دینا چاہیئے، انشاء اللہ تعالے اس کے بعد مخالفین کے طعنوں کا جواب
اس جواب کے ساتھ جسکو مولوی رشید الدین دہلوی نے تحریر کیا ہے نقل کر کے
بھیج دیا جائیگا۔ اس وقت مسلسل بارش اور معتبر قاصد کے نہ ملنے کی وجہ سے

احتیاطاً اس کا بھیجنا مناسب نہ سمجھا۔ علاوہ ازیں اس خبیث عقیدہ (رفض) کی نسبت اس فقیر کے ساتھ کرنا جو کہ خاندان محدثین سے تعلق رکھتا ہے اور چشتیہ نقشبندیہ، قادریہ کے پاک درختوں کا خوشہ چیں ہے، ہرگز کسی عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایسی بات وہ کہہ سکتا ہے کہ جس کی فرط عناد نے چشم ادراک کو نابینا کر دیا ہو اور گوش حق نیوش کو بہرا کر دیا ہو فقیر کا سُنّی ہونا اس حد تک مشہور آفاق ہے کہ شیعت کی تہمت مجھ فقیر پر رکھنا کھلا ہوا بُطلان ہے۔

ے بود گمان ترفض با ایں فقیر چناں
کہ کس بدیدۂ بینا خود برد انگشت

(ترجمۂ شعر) "اس فقیر کی جانب رفض کا گمان کرنا ایسا ہے جیسا کسی بینا کی آنکھوں میں انگلی ڈالنا۔"

اس وقت اتنی طاقت نہیں رہی کہ مزید املا کرایا جائے۔ والسلام علیکم وعلیٰ جمیع المحبّین خصوصاً سید ابو عبید اللہ محمد رفائی و سید محمد ہاشم کو سلام۔

تحریر بروز جمعہ ۲۶ ذی قعدہ ۱۲۳۱ھ

(مولانا عبدالحیؒ صاحب بڈھانوی اس مکتوب گرامی کو اپنے رسالہ میں درج کر کے تحریر فرماتے ہیں۔)

حضرت شاہ صاحب مرحوم کے اس مکتوب ہدایت آگیں کا اس قسم کے واقعات میں محفوظ رکھنا ارباب عقل و انصاف کے لئے بہت ہی کار آمد ہوگا۔

تمہید پنجم:۔ جب موجودہ و گذشتہ اکابر کے بارے میں تہمت تراشیاں اور دروغ بافیاں میرے ذہن میں نہیں بیٹھیں، تو میرے لئے کسی کی تحریر و تقریر سے بغیر تحقیق احوال کے فریفتہ ہو جانا (دھوکہ میں آنا) راہ صواب سے بعید ہے۔ خصوصاً ایسے واقعہ میں جو بالکل قریب زمانہ میں ہوا ہے اور جو لوگ اس واقعہ سے تعلق رکھتے تھے وہ زندہ اور موجود ہیں، اُن تک جاتے ہیں کوئی روک ٹوک بھی نہیں ہے کہ کوئی ان تک نہ پہونچ سکے۔ اور اگر بالفرض والتقدیر اسکے بعد اہل واقعہ و اہل معاملہ کی طرف سے خلاف بیانی ظاہر ہو تو مسلمانوں کو اللہ تعالےٰ کے اِس عطیہ کبریٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے قرآن مجید کو نازل فرمادیا جو ان کے دین کا مدار ہے اور کسی انسان کا کلام اس سے مشابہ نہیں ہے

اسکے بعد حدیث پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے درجات ہیں جو اہل علم کو تفصیلاً اور غیر اہل علم کو اجمالاً معلوم ہیں۔ حفاظ، کاتبین قرآن مجید، محدثین، محافظین دین اور فقہاء تا قیامت کے حق میں ہمیں دل و جان سے دعاہائے فراواں کرنی چاہئیں۔

تمہید ششم:۔ یہ بندۂ ضعیف مسلمانوں کو اپنی تقلید و اتباع کی ہرگز دعوت نہیں دیتا ہے کہ میرے کہنے کو خواہ مخواہ قبول ہی کرلیں۔ بلکہ فہم حق کے بارے میں میری غرض اس مقام میں دو طریقہ پر ہے اور اس بات کو ایک تمثیل سے بیان کرتا ہوں۔

۱۔ ایک شخص نے ۲۹ شعبان کو ہلال رمضان دیکھا اور وہ لوگوں کو روزہ کا حکم کرے۔

۲۔ دوسرا وہ شخص ہے کہ جس وقت چاند دیکھا جاتا ہے اولاً اس کی نگاہ چاند پر پہونچ گئی۔ وہ دوسروں کو چاند دکھائے ـــ اسکے بعد لوگ اس پہلے شخص کے دیکھے ہوئے کو اپنے دیکھے ہوئے کے مطابق پاکر عمل میں لائیں ـــ میرا ہر وہ بیان جو دوسرے طریقہ پر ہو ـــ (اس کے سلسلہ میں) کمال ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اسکے مطابق عمل کیا جائے اس لئے کہ انھوں نے سمجھ لیا کہ یہی حق ہے، اگرچہ کسی کی نشاندہی کرنا ان کے فہم کا سبب ہوا ہو، بطریق اول کسی کو ہم جنسوں کی طرف سے تکلیف نہیں دی جاسکتی اور یہ بندہ ضعیف بھی مومنین طالبین حق کے ابناء جنس میں سے ہے۔

تمہید ہفتم:۔ واقعۂ مذکورہ میں مجمع اس قدر تھا کہ ہزاروں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے[۱]۔ میں نے خود (اٹکل سے) اس کا شمار نہیں کیا اور نہ اپنے اندازے پر اعتماد رکھتا ہوں لیکن یہ واقعہ میرے اور خانصاحب (مولانا رشید الدین) کے درمیان پیش آیا، مولانا موصوف جو کہ اہل علم و دانش ہیں، سامنے آئے اور صاحبزادگان گرامی قدر حضرت مولوی مخصوص اللہ صاحب و (مولوی محمد موسیٰ صاحب) نیز مولوی رحمت اللہ خانصاحب و مولوی محمد شریف صاحب وغیرہ حضرات بھی تھے، میرے گمان میں اس وقت کے آپس کے کلام کو اس مجمع کثیر میں سے اکثر لوگوں نے نہیں سنا ہے۔ اور بظاہر ہر شخص کی آواز اس جم غفیر میں نہیں پہونچتی تھی۔ (وجہ یہ ہے کہ) لوگ دوسری باتوں میں مشغول تھے (ہر شخص

---

[۱] خانقاہ قلندریہ لاہرپور کی مناظرہ جامع مسجد دہلی کی تیسری روئیداد میں سب سے آخر میں درج ہے کہ اس مناظرہ میں اکابر علماء اور طلباء کا پانچ ہزار کا مجمع تھا۔ اور پانچ ہزار کے مجمع میں دستخط صرف مولانا عبدالحئی نے کئے۔

اپنی اپنی باتیں کر رہا تھا۔ کوئی نظم نہیں تھا) گڑبڑ کی وجہ سے جب سننے ہی میں اشتباہ واقع ہو جائے تو سمجھنا اور حقیقت تک پہونچنا کہاں میسر آسکتا ہے۔

تمہید ہشتم :- بے تصنع و تکلف اس بات کا اظہار کیا جاتا ہے کہ مولانا رشید الدین خانصاحب ممدوح میری دانست میں فنون فضیلت و دانشمندی اور تبحر علمی میں اس بندہ سے بدرجہا افضل و اعلیٰ ہیں، میں فنون مذکورہ تحصیل کتب، تحریر و مطالعہ، مناظرہ اور تصنیف کتب میں خانصاحب موصوف کے درجہ کو نہیں پہونچتا ۔ بلکہ جب میں اپنے حال پر غور کرتا ہوں اور راہ انصاف پر چلتا ہوں تو اپنے دل میں کہتا ہوں کہ میں ان مدارج تک پہونچنے سے جو خانصاحب ممدوح کو اس وقت حاصل ہیں، قاصر و مایوس ہوں۔ لیکن الفضل بید اللّٰہ تعالیٰ (فضل و کمال اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے) اور انما امرہ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون (اللہ تعالیٰ شانہٗ کا معاملہ یہ ہے کہ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے وہ اسکے صرف حکم سے وجود میں آجاتی ہے) پر تمام مسلمانوں کا ایمان ہے۔

تمہید نہم :- ہم کو اپنے دین کی فکر کرنی چاہیئے نہ کہ خود اپنی فکر، لہذا یہ بات کہ میں فلاں مجمع میں گفتگو میں عاجز و لاجواب ہو گیا گو فرضی اور غیر واقعی طور پر ہی کہا جا رہا ہو میرے لئے ہرگز باعث گرانی نہیں ہے۔ اور نہ مومنین طالبین حق کو اس کے پیچھے پڑنا چاہیئے لیکن کرنے اور نہ کرنے والے کاموں جو درپیش ہیں انکی تحقیق ضروری ہے اور تحریر میں اپنے حافظہ کی بنیاد پر بیان واقعی مطلوب ہے ۔ اولیں ۔ پس جس وقت میں نے اُس رسالہ کو حافظ غلام مصطفےٰ (مظفر نگری) سے سنا ہے، اگر اسکو کوئی شخص تفریحًا گھڑے ہوئے افسانوں کی طرح سُنے جو بیکاروں کی عادت ہے تو اسکو کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔ لیکن اگر کسی صحیح مقصد سے دریافت واقعہ منظور ہو تو اُن حضرات سے جو اس واقعہ میں متکلم یا مخاطب کی حیثیت سے موجود تھے، استفسار کیئے بغیر رسالہ کے مضمون کو پایۂ اعتبار سے گرا ہوا جانے۔

تمہید دہم :- اس واقعہ کے پیش آنے سے پہلے مجھے بالکل کوئی خبر نہیں تھی۔ اکثر ایک پاس دو گھڑی، دوپہر میں، تقریبًا چار پانچ گھڑی باقی رہنے تک (جامع مسجد کے اندر) میری مجلس درس و وعظ چلتی تھی۔ اس روز جبکہ درس سے فراغت ہو گئی ایک شخص نے ایک کاغذ پیش کیا کہ آپکی اور مولوی محمد اسماعیل کی مہر اس کاغذ پر مطلوب ہے۔ اُس کاغذ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ چند سوالات مع جوابات چند مہروں سے موثق ہیں میں نے مہروں کو

گنا نہیں اور نہ میں نے کسی کو پڑھا، تقریباً وہ مہریں پندرہ ۱۵ ہوں گی۔ ان سوالات و جوابات کا میں نے یکسوئی کے ساتھ مطالعہ کر کے کہا۔ "میں بعض امور مرقومہ کی تحقیق و تفصیل کئے بغیر مہر نہیں لگا سکتا۔ یہ ہے مولوی محمد اسماعیل صاحب وہ خود محتاط ہیں"۔ پھر میں نے کہا کہ "اس شہر سے میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں اور اتنی فرصت بھی نہیں ہے کہ آپ حضرات سے اس حال میں اطمینان سے گفتگو کی جائے"۔ ایک شخص نے کہا کہ "اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ کاغذ سفر میں آپ کے ساتھ رہے، جب بھی فرصت حاصل ہو تو اس تفصیل کے بعد جو منظور ہے، مہر لگا دی جائے"۔ بعض لوگوں نے کہا کہ "اس وقت اس کاغذ کو اپنے مکان پر لے جائیے، اور (سفر سے پہلے پہلے) جب بھی فرصت ملے اس کام کو انجام دے دیں"۔ اس بات چیت میں تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا ہوگا۔ لوگوں کی نرم و گرم گفتگو کانوں میں آنے لگی اور طاقت کے بقدر مناسب جواب دیا جاتا رہا۔ آخر کار میں لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے وہاں سے اٹھ کر آہستہ آہستہ مسجد کے صحن میں پہونچ گیا، مولوی کرم اللہ صاحب محدث دہلوی کو میں نے دیکھا کہ ان کے چہرہ پر اضطراب کے آثار نمایاں ہیں۔ میں نے کہا "کیا بات ہے کہ آپ مضطرب نظر آتے ہیں"؟ اور مجھے اندیشہ ہوا کہ ان کا اضطراب خوف تکلیف دہ ہو جائے۔

انھوں نے جواب دیا۔ "کہ ہجوم و اژدہام کی وجہ سے اضطراب ہے"۔

لوگوں کو سمجھا بجھا کر ایک طرف کر دیا گیا اور ان کو میں نے اپنے قریب کر لیا اور کہا۔ "کہ میں تو یہاں بیٹھتا ہوں اور آپ اطمینان سے اپنے گھر جائیں"۔ انھوں نے اس بات کو قبول نہیں کیا۔ مولانا کرم اللہ صاحب کی فرمائش پر، میں مسجد کے حوض اور جنوبی دروازہ کے درمیان بیٹھ گیا تاکہ انھیں تسکین ہو جائے۔ وہیں مشارٌ الیہم اشخاص یعنی خان صاحب ممدوح اور صاحبزادگان وغیرہ سے ملاقات ہوئی۔ غالباً ۳۔۴ گھڑی اس نشست میں گذرے۔ جو کچھ بھی اس نشست میں مذکور ہوا۔ اس تحریر کا مقصود وہی ہے، چنانچہ میں اپنے مقصد پر آتا ہوں (آمدم برسر مطلب)۔

**مقصد:۔** جو چھ مضامین پر مشتمل ہے۔

۱۔ اس مجلس مذاکرہ میں جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے اولاً گفتگو اس بارے میں ہوئی کہ مطلوب مرقومہ (سوالات کے جوابات کو) دوسرے وقت کے لئے چھوڑا جائے یا فی الفور جوابات دیئے جائیں۔ اسی اثناء میں مولوی کرم اللہ صاحب موصوف نے کاغذ مذکور

میرے ہاتھ سے لیا اور انھوں نے وقت فرصت تاخیر کے ساتھ جوابات لکھنے پر انتہائی اصرار کیا۔ چند اور آدمی بھی اس مضمون کو اپنی زبان پر لائے۔ میں نے کہا کہ مجھے فی الحال جوابات دینے میں بھی انشاء اللہ تعالے کوئی دقت و تکلیف نہیں ہوگی۔ یہ بات بھی گفتگو میں آئی کہ جوابات بھی میں کہوں وہ لکھی جائے یا فقط زبانی گفتگو پر ہی اکتفاء کیا جائے۔

مولانا رشید الدین خانصاحب دہلوی ممدوح نے فرمایا کہ جتنے مسائل مرقومہ ہیں، وہ ایسے ہیں کہ ان کا ذکر برابر ہوتا رہتا ہے لہذا تاخیر نہیں ہونی چاہیئے۔

میں نے مولوی کرم اللہ صاحب سے اصرار کے ساتھ وہ کاغذ لے لیا (جس پر مسائل جواب طلب مرقوم تھے) جب میں نے اس کاغذ کو پڑھنا چاہا تو خانصاحب ممدوح نے اسکو اپنے ہاتھ میں لیکر فرمایا کہ آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کاغذ سے ایک ایک سوال کو میں پیش کروں اور ہر ایک کا جواب بھی سنتا جاؤں اور گفتگو تحریری و تقریری دونوں طرح سے ہو اس کے بعد وہ تحریر اسی (موثقہ) کاغذ پر ہو جائے یا کسی دوسرے کاغذ پر"

آخر کار چند جوابات دوسرے کاغذ پر میں نے لکھے اور باقی جوابات کا زبانی بیان پر اکتفا ہوا۔

**۲**۔ میں نے دوستوں سے شکایت کی کہ اس طرح کے سوال و جواب جو اس وقت کیے جا رہے ہیں کیا نفع ہے؟ مناسب یہ تھا کہ جس وقت مہر کنندگان جمع ہوئے تھے اسی وقت ہم کو بھی بلا لیا جاتا۔ میں نے اول صاحبزادگان مولانا مخصوص اللہ وغیرہ سے کہا۔

"آپ لوگ میرے صاحبزادے ہیں اور میں آپ سے برادری اور رشتہ داری کی نسبت بھی رکھتا ہوں جس وقت بھی آپ یاد فرماتے تو آپ کو اختیار تھا۔ (میں حاضر ہو جاتا) اور اگر خود آپ غریب خانہ پر آدھی رات کو بھی تشریف لاتے تب بھی ٹھیک تھا۔ آپ سے یگانگت کی وجہ سے یہ شکایت کر رہا ہوں"

(یہ کہہ کر) میں نے پھر خانصاحب (مولانا رشید الدین خانصاحب) سے اسی بات کی شکایت کی اور عرض کیا "کہ میں جناب سے دوستی، اخلاص اور شناسائی کا تعلق رکھتا ہوں آپ مہر کنندگان کے اجتماع کے وقت مجھے بھی طلب فرما لیتے" خانصاحب نے فرمایا "اس موجودہ اجتماع سے غرض یہ ہے کہ عوام و خواص آپ کا کلام سن سکیں"

میں نے کہا کہ یہی بہتر تھا کہ میں خود اس وقت (اس سے پہلے کسی وقت) حاضر ہو جاتا

اور میرے مہر زدہ نوشتہ کو اس وقت اس مجمع میں پیش کر دیا جاتا اور یہ کہا جاتا کہ جس کسی کو اس مہر زدہ نوشتہ میں شک و شبہ ہو، یہ عبدالحی حاضر ہے اس سے تحقیق کر لی جاوے خانصاحب مولانا رشیدالدین صاحب نے فرمایا۔

"یہ بات منظور و مطلوب ہے کہ عمومی طور سے سب لوگ سنیں"

جب اس سلسلہ میں بحث و تکرار بڑھی تو بعض اکابر و معززین شہر نے فرمایا کہ مولوی صاحب یعنی اس بندہ ضعیف کا خانصاحب سے شکایت کرنا درست نہیں ہے اور عذر بھی معقول نہیں ہے۔ بات بڑھانے سے کیا فائدہ ہے؟

**۳**۔ اس تیسرے مضمون کی ترتیب یاد نہیں رہی کہ کس وقت مذکور ہوا البتہ اتنی بات یاد ہے کہ اس دوسرے مضمون کے بعد ہوا سوالات کے جوابات کے درمیان ہیں یا اس سے پہلے ہوا، یہ بھی یاد نہیں (وہ تیسرا مضمون) یہ ہے کہ خانصاحب نے باآواز بلند فرمایا کہ لوگ تمھاری طرف بہت سی غلط باتوں کی نسبت کرتے ہیں اور ہمیں ان لوگوں کی باتیں ناگوار گزرتی ہیں۔ لوگ آپ کا مقولہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی راہ (نعوذ باللہ) جہنم کی راہ تھی۔

میں نے کہا کہ میں نے یہ بات ہرگز نہیں کہی (اور اگر کہی ہو) تو اس بات پر ایک گواہ ہونا چاہیئے جس کسی نے یہ بات کہی ہو وہی اس کا مواخذہ دار ہوگا۔

خانصاحب نے فرمایا۔۔۔ وہی لوگ کہتے ہیں جو آپکے فدائی اور مخلص بنے رہتے ہیں۔

خانصاحب کا لفظ "فدائی" فرمانا مجھے خوب یاد ہے۔

میں نے کہا کہ تعجب ہے کہ جو لوگ سال ہا سال سے میرے ہم قوم، ہم وطن ہم مسکن ہیں اور نزدیک سفر و حضر رہتے ہیں وہ تو میرے فدائی اور مخلص نہیں ہیں اور بعض اشخاص جو چند دن سے جامع مسجد دہلی کی میری مجلس درس میں منجملہ اور شرکاء کے شریک ہو جاتے ہیں وہ میرے فدائی اور مخلص بن جائیں۔

خانصاحب نے ایک شخص کا نام لیکر پکارا کہ وہ کہاں ہے؟ اسے لاؤ، وہی کہتا ہے، اور شاید خانصاحب نے سخت غصہ آمیز الفاظ بھی اسکے متعلق فرمائے میں خاموش رہا۔

اسی اثناء میں میں نے کہا کہ میں مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کو امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مثل تو نہیں سمجھتا البتہ طحاویؒ و کرخیؒ کے مثل ضرور سمجھتا ہوں۔ میری زبان

اس قول کے شاہد کا ذکر بھی رہی تھی کہ خانصاحب نے فرمایا کہ میں آپ کے کلام کو سچ سمجھتا ہوں گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بارے میں جوبات کہی تھی کہ وہ حنفی طحاویؒ وکرخیؒ ہیں، مجھے یاد نہیں پڑتا کہ از خود کہی تھی یا خانصاحب کے (کسی سوال کے جواب میں کہی تھی۔

۴۔ چند حاضرین کی درخواست پر علیحدہ کاغذ پر میں نے چند جوابات لکھے تھے مگر مجھے خبر نہیں کہ اس کاغذ کو کس نے لے لیا تھا اتنا تو ضرور یاد ہے کہ خانصاحبؒ جس جگہ بیٹھے ہوئے تھے اُسی جانب وہ کاغذ گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خانصاحب بلند آواز سے سوال کرتے تھے میں جواب لکھ کر دیتا تھا اس جواب کو بھی خانصاحب بلند آواز سے پڑھکر سناتے تھے۔

ایک سوال و جواب میں اسی طرح عمل ہوا۔ پھر میں اپنے لکھے ہوئے جواب کو خود ہی بلند آواز سے پڑھتا تھا۔ خانصاحب پھر اسی جواب کو دوبارہ با آواز بلند پڑھتے تھے، یہ عمل بھی ایک دو جواب میں ہوا ہوگا۔ پھر مجھے یاد پڑتا ہے کہ میرے بلند آواز سے پڑھنے پر ہی اکتفا کیا گیا۔

سوال ۱:۔ قبر کو بوسہ دینے والا مشرک ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اُس اشراک کا مشرک نہیں ہے جس سے حبط عمل لازم آتا ہے۔

سوال ۲:۔ قبر کو بوسہ دینا مکروہ ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مکروہ ہے جیسا کہ کتاب عین العلم میں لکھا ہوا ہے۔ اور صاحب عین العلم کا اتباع اس باب (بوسۂ قبر کے سلسلہ) میں کرنا چاہیئے۔

سوال اول کے جواب کے الفاظ تو مجھے خوب یاد ہیں اور باقی جوابات کے الفاظ مجھے پوری طرح یاد نہیں لیکن مضمونِ جواب میں کوئی شبہ نہیں ہے وہی مضمون ہے جو میں نے پہلے لکھا ہے۔

سوال ۳:۔ ترجمہ الفاظ قرآن وحدیث کے علاوہ قرآن وحدیث میں عقل کا دخل ہے یا نہیں؟

جواب:۔ فلسفیات کے مطالعہ سے جو فہم انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے اسکا دخل قرآن وحدیث میں ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے علاوہ عقل کے دخل کی بہت سی صورتیں ہیں۔ پہلی صورت ۱ یہ کہ عرب کے محاورہ کو پہچاننا چاہیئے اور اس محاورہ کے مطابق قرآن و حدیث کو سمجھنا چاہیئے عقل کا یہ دخل تو ہونا ہی چاہیئے مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ولاتقل

جناحك الخ (ترجمہ آیت۔ وہ مومنین جنھوں نے آپ کا اتباع کیا ہے انکے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آیئے) محاورۂ عرب کا خیال نہ رکھکر اگر اس آیت کریمہ کے لفظی ترجمہ پر اکتفا کیا جائے تو اللہ کے اس حکم کی بجا آوری حضور اکرم صلے اللہ تعالے علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اور اگر محاورۂ عرب کو دخل دیں کہ اس سے مراد تواضع ہے تو حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے اسکی بجا آوری اس طرح ہوئی کہ کسی سے ممکن نہیں ہے۔

دوسری صورت[۲] یہ ہے کہ آیات متشابہات اور صفات میں عقل کو دخل دیں (یہ صحیح نہیں ہے) جیسے آیت "الرحمٰن علی العرش استوی" کے مفہوم میں۔

میرا عقیدہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں عقل کو دخل نہیں دینا چاہیئے۔ اور یہ بات معلوم ومسلم ہے کہ ائمۂ سلف کا بھی یہی اعتقاد تھا "الاستواء معلوم والکیف مجہول" (استواء تو معلوم ہے اور اسکی کیفیت مجہول ہے) اس باب استواء میں یہی ثابت ہے۔

شرح عقائد نسفی" میں مجھے یاد پڑتا ہے کہ متاخرین نے آیات متشابہات کی تاویل جاہلین اور فرق ضالہ باطلہ کے مطاعن کو رد کرنے کے لئے کی ہے۔

تیسری صورت[۳] یہ ہے کہ احکام فقہیہ توقیفیہ مثلاً عدد رکعات نماز اور وضو میں عقل کو دخل دیں، اور جب تک اپنی عقل سے معلوم نہ کرلیں قبول نہ کریں۔ یہ عقل کا دخل نہایت قبیح اور کفر تک پہونچانے والا ہے۔

اس کے بعد قیاس کے بارے میں (چوتھا) سوال ہوا۔

میں جواب دیا کہ میں قیاس کو مانتا ہوں اور قیاس میں مسلک حنفی کا مقلد ہوں۔ یہ چار جواب میں نے لکھے ہیں جو کوئی ان میں کمی بیشی، تبدیلی اور فرق کرے تو وہ میرے اسی کاغذ کو سامنے لائے۔

بعد ازاں جلدی کی وجہ سے لکھنے کا سلسلہ موقوف ہوگیا اور صرف زبانی بات چیت پر اکتفا ہوا۔ اور چونکہ لکھے ہوئے جوابات محفوظ ہوتے ہیں لہذا انھیں بعد کو علیحدہ لکھا گیا۔

**۵**۔ ایک سوال یہ ہوا کہ کل بدعۃ ضلالۃ (ہر بدعت گمراہی ہے) عام ہے یا خاص؟

جواب دیا گیا کہ خاص ہے۔

پھر سوال ہوا کہ اس کا مخصِّص (تخصیص کنندہ) کیا چیز ہے؟

جواب دیا گیا۔ اس کا مخصص حضرت عمرؓ کا تراویح کے مسئلہ میں یہ قول گرامی ہے۔

"نعمۃ البدعۃ"

خانصاحب نے فرمایا کہ اس کا مخصص یہ حدیث بھی ہوگی "من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا (جس شخص نے اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اسکو اس اچھے طریقے کی ایجاد کا اجر اور اسپر عمل کرنے والے اشخاص کا اجر ملے گا۔)

میں نے کہا یہ حدیث بھی مخصص ہوسکتی ہے۔

پھر خانصاحب نے کہا کہ ایک حدیث ان الفاظ میں ہے "من ابتدع بدعۃ ضلالۃ (باضافت بدعۃ بسوئے ضلالت) (ترجمہ: جس نے بدعت ضلالۃ کی ایجاد کی ہو) خانصاحب نے یہ بھی فرمایا کہ بدعت فرض، واجب اور مستحب بھی ہوتی ہے۔

میں نے کہا۔ ٹھیک ہے لیکن بدعت کی اصل بری ہے۔ میں اصل بدعت کو سیئہ کہتا ہوں تاکہ کل بدعۃ ضلالۃ کا کلیہ باقی رہے ـــ اس معنی کو حضرت امام نووی نے بیان فرمایا ہے ـــ اور بدعت سیئہ کی اصل یہ ہے کہ اس میں کوئی حسن اور کوئی قبح ظاہر نہ ہو۔

خانصاحب نے فرمایا ـــ بدعت مباحہ اور بدعت سیئہ میں کیا فرق ہے؟ یہی سوال حضرت مولوی مخصوص اللہ صاحب نے بھی کیا۔

میں نے کہا بدعت مباحہ کو میں نہیں جانتا ہوں ـــ خانصاحب نے ایک شخص کے ہاتھ سے ایک کتاب لی، اس کتاب کا نام بھی صحیح یاد نہیں خانصاحب نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

یہ حضرت امام نووی کے استاذ محترم کا قول ہے اور امام نووی وہ ہیں کہ جنکے قول سے مولوی صاحب (عبدالحئی بڈھانوی) نے بدعت کے معنی بیان کئے ہیں، امام نووی کے استاذ محترم کے حوالہ سے جو بات پیش کی گئی تھی اس میں سے مجھے اتنا یاد ہے کہ من البدع المباحۃ (بدعت کی ایک قسم بدعت مباحہ بھی ہے)

بدعت مباحہ کے ضمن میں مولود شریف کے اندر کھانوں کا پکانا، فقرا اور مساکین کو کھلانا اظہار بشاشت کرنا اور مسلمانوں میں خوشی کا ہونا اور مولود شریف پڑھنا، ان سب باتوں کا بھی تذکرہ ہوا جس وقت خانصاحب اس عبارت کو پڑھ رہے تھے، اس وقت مولوی مخصوص اللہ صاحب نے آہستہ سے فرمایا کہ یہی بدعت مباحہ عرسوں کی اصل ہے میں نے مولوی صاحب موصوف کی یہ بات اچھی طرح سنی اور شاید دوسروں نے بھی سنی ہو۔

اسکے بعد ان دونوں حضرات نے یہ سوال کیا کہ مولود شریف کے بارے میں آپ

کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا بلا تعین تاریخ و یوم بدعت نہیں ہے اور تعین کے ساتھ بدعت سیئہ ہے ۔ اگر یہ سمجھے کہ آگے پیچھے دوسرے دنوں میں ثواب یا تو ہوگا ہی نہیں اور اگر ہوگا تو کم ہوگا اگرچہ ان مقررہ دنوں میں کھانوں کی زیادتی کی وجہ سے مساکین طعام سے مستغنی ہوتے ہیں (اور کھانے کی ضرورت و رغبت نہیں ہوتی) اور دیگر ایام میں کھانے کے محتاج رہتے ہیں باوجود اس کے ان مقررہ دنوں میں ہی کھانے کا انتظام کرے، یہ بدعت سیئہ ہے۔ اور اگر نص شرعی سے کوئی بدعت مزاحم و متقابل ہو، جیسا کہ ماہ رمضان میں ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے اور مولود کرنیوالا یہ سمجھے کہ مولود کے زمانہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ثواب زیادہ پہونچتا ہے اور رمضان کی خصوصیت بھی جانتا ہو تو ایسے شخص کے متعلق شاید میں نے یہ کہا کہ یہ بات باعث خوف کفر ہے۔ اور میرا گمان غالب یہ ہے کہ اسی سوال پر روزہ کی گفتگو ہوئی اور بیان بدعت کے درمیان یہ حدیث بھی ذکر کی گئی من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو ردٌ (جو ہمارے اِس دین میں ایسی باتیں پیدا کرے جو اس میں نہیں ہیں تو وہ باتیں مردود ہیں) ۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدعت امور دین میں ہوا کرتی ہے غالباً یہ سوال بھی مذکور ہوا کہ حدیث "ما راٰہ المسلمون حسنًا فھو عند اللہ حسن" (جس بات کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ بات اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے) ۔ اس کا کیا جواب ہے؟ (میں نے کہا کہ) اس کا اجمالی جواب یہ ہے کہ جو عادات مسلمین کے ماوراء کے ساتھ متعلق ہے ۔ اور اثناء بیانِ بدعت میں یہ بات بھی میں نے کہی ہے کہ حضرت مجددؒ کے نزدیک "کل بدعۃ ضلالۃ" عام ہے۔

خانصاحب نے ایک دوسرے شخص کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ حضرت مجددؒ بدعت حسنہ کو داخل سیئہ کرتے ہیں اور بدعت سیئہ کو بھی بدعت قرار دیتے ہیں اس لحاظ سے مآل میں کوئی فرق نہیں۔

سوال ہوا کہ مردہ کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان پڑھنا کیسا ہے؟

جواب دیا گیا کہ بدعت سیئہ ہے۔

خانصاحب نے فرمایا کہ تلقین مردہ کی طرح یہ اذان بھی جائز ہے۔

میں نے کہا حنفیہ کے نزدیک تلقین مردہ کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اگر اس کا جواز ہے تو مسلک امام شافعیؒ میں ہے۔

خانصاحب نے فرمایا۔ بعض کتب حنفیہ میں تلقین کا جواز موجود ہے اور اذان علی قبر کو اسی پر قیاس کر لیا ہے۔

میں نے کہا وہ کتاب جس میں (حنفیہ کے نزدیک) تلقین کی اجازت ہے اسکو میں نہیں جانتا۔

خانصاحب نے فرمایا میں اس کا نام و نشان بتلاؤں گا لیکن خانصاحب نے کتاب کا نام نہیں بتایا۔

پھر سوال ہوا کہ عبادت کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں؟

میں نے جواب دیا عبادت مالیہ کے ثواب کا پہونچنا سب آئمہ کے نزدیک ثابت ہے۔ عبادت بدنیہ کا ثواب مردہ کو زندگی طرف سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو پہونچتا ہے امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں پہونچتا۔

خانصاحب نے فرمایا کہ کتاب "شرح الصدور" میں سب آئمہ کا اس بارہ میں اتفاق لکھا ہے۔ مجھے اپنا جواب دینا یاد نہیں کہ اس کا کیا جواب دیا۔

پھر سوال ہوا۔ اجماع حجت ہے یا نہیں؟

میں نے جواب دیا کہ حجت ہے۔

خانصاحب نے فرمایا کہ اگر ناقل اجماع ثقہ ہے تب اجماع حجت ہے۔

خانصاحب نے اول تو یہ بات فرمائی پھر میرے استفسار کے بعد مثال میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ جیسے علماء کے نام پیش کئے، اسکے جواب میں میں نے اسکی تصدیق و توثیق کی۔ اس سے زیادہ یاد نہیں۔

پھر سوال ہوا مردہ کو ادراک ہوتا ہے یا نہیں؟

میں نے جواب دیا۔ ہاں مردہ کو عالم (برزخ) کا ادراک خوب ہوتا ہے۔

پھر سوال ہوا کہ کیا اس دنیا کا کبھی ادراک ہوتا ہے؟

میں نے جواباً کہا کبھی کبھی ہو جاتا ہے۔

پھر سوال ہوا کہ کیا مردہ اس شخص کے کلام کو برابر سنتا ہے جو اسکی قبر پر پہونچکر کچھ کہتا ہے؟ یا کبھی سنتا ہے؟ یا کبھی نہیں سنتا؟

میں نے جواب میں صرف ہاں واللہ تعالے اعلم کہا۔

الغرض مضمون چہارم میں جو امور مذکور ہوئے ان کی تحریر کے بعد بدعت اور اذان علی القبر کا مسئلہ کر پیش ہوا اور باقی گفتگو جلدی کی وجہ سے مختصر ہوئی تھی۔

پھر خانصاحب نے ایک ایسی بات فرمائی جس سے تمام سوالات کے جوابات سے فراغت معلوم و مفہوم ہو گئی۔ پھر خانصاحب اور تمام حاضرین مجلس سے اٹھ گئے۔

۶۔ مجلس سے اٹھنے کے بعد ایک شخص نے تیجہ کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے کہا مردہ کو ایصال ثواب دُرست اور جائز ہے لیکن تیسرے روز کی قید بدعت سیئہ ہے۔ مضمون پنجم میں جو کچھ کلام مذکور ہوا اسی کے مطابق کہا گیا۔ اسکے بعد پھر اذان علی القبر کے بارے میں ایک شخص نے سوال کیا۔

میں نے کہا یہ بدعت سیئہ ہے اور حضور صلے اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالے عنہم اجمعین کے زمانہ میں نہیں تھی اور اب تک مکہ معظمہ میں نہیں ہے اور یہ سلسلہ (عدم اذان علی القبر) اُس زمانہ سے لیکر اس وقت تک تواتر و توارث کے ساتھ ہے — اور ہم اسی کو دیکھتے آئے ہیں میں اذان علی القبر کو حسَن نہیں کہوں گا۔ ایک شخص کی درخواست پر اولاً تیجہ کا جواب باآواز بلند پڑھا گیا اور اس سے متصل جو اذان علی القبر کے سوال کا جواب تھا وہ بھی زور سے پڑھا گیا۔ اور تمہید ہفتم میں جن اکابر مولوی مخصوص اللہ وغیرہ علماء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان کا ان جوابات کو سننا یا نہ سننا معلوم نہیں ہے۔

**خاتمہ:۔** میں تین مضامین ہیں:۔

اول یہ کہ لوگوں میں جب رنگ برنگ کے اغراض ہوں تو اسی کے مطابق مختلف باتیں اور مختلف حالات ہوتے ہیں۔ گلستان سعدیؒ پڑھنے والے کو اپنے مطلب کے مطابق مختلف حکایات و ابیات یاد رہ جاتی ہیں کسی کو تو باب پنجم کی حکایات عشق و جوانی اور کسی کو باب ششم کی ضعف و ناتوانی کی حکایتیں یاد رہ جاتی ہیں۔ (توحید پرست کو یہ حکایت یاد رہتی ہے۔)

یکے پرسید زاں گم کردہ فرزند
کہ اے روشن گہر پیر خردمند

(ترجمہ شعر) کسی نے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ اے روشن خاندان والے اور اے عقلمند بزرگ[۱]

---

[۱] معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا عبد الحیؒ نے یہ روداد لکھتے وقت علامت و اشارہ کے طور پر صرف یہ ایک شعر ہی لکھنا کافی سمجھا۔ آگے اس سلسلہ کے یہ اشعار اور ہیں۔

ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی چرا در چاہ کنعانش ندیدی (باقی اگلے صفحہ پر)

اصحاب خوارق وکرامات کے احوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مقبولان بارگاہِ الٰہی ہیں وہ اپنی عاجزی اور بندگی کا اعتراف و اقرار کرتے ہیں کسی وقت تو ان مقبولان بارگاہ الٰہی سے اللہ کی مشیت و قدرت کے ذریعہ ایک امر عجیب صادر ہوتا ہے اور کبھی ان کی عاجزی ولاچاری صاف ظاہر ہو جاتی ہے۔ پس ہمیشہ توحید پرست مقبولانِ بارگاہ الٰہی کا معتقد رہتا ہے، اور کسی کو گلستان کی یہ حکایت یاد رہتی ہے۔

پیر مردے لطیف در بغداد
دختر ک را بکفش دوزے داد

(ترجمہ) بغداد میں ایک خوش مزاج بوڑھے نے اپنی لڑکی ایک کفش دوز (موچی) کے نکاح میں دیدی (اس طرح کا مزاج رکھنے والا) ہمیشہ اوہام اور شہوت کے وساوس میں بے خوف ہو کر مبتلا رہتا ہے۔

یہ سب اختلافاتِ احوال کی مثالیں تھیں جامع مسجد کے واقعہ مذکورہ میں بھی یہ بات بعید نہیں کہ وہاں کی باتوں کو سننا اور یاد رکھنا اغراض و حالات کے اعتبار سے مختلف و متفاوت ہوا ہوگا۔
دوسرا مضمون یہ کہ متکلم کے کلام کا لہجہ سامعین کی عقلوں کے تفاوت و فرق کی وجہ سے بدل جاتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مفہوم ایک شخص کی عقل کے مطابق ایک دو بات میں پورا ہو جاتا ہے اور دوسرے شخص کی فہم کے مطابق ایک طویل کلام کرنا پڑتا ہے، تاکہ وہ بات سمجھ جائے۔ یہ بات بلاشک و شبہ ہے کہ روز مذکور میں جو نبوی کلام انتا مختصر تھا کہ ہر شخص

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ) بگفت احوالِ ما برق جہاں ست
دمے پیدا و دیگر دم نہان است
گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینیم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

مطلب یہ ہے کہ کسی نے یعقوب علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ دور دراز کے ملک مصر سے آپ کے فرزند یوسف علیہ السلام کا کرتہ لے کر جب قافلہ روانہ ہوا تو آپ نے اسکی خوشبو یہاں محسوس کر لی لیکن جب وہی یوسف آپ کی بستی کنعان کے قریب ایک کنوئیں میں ڈال دیئے گئے تو آپ ان کو نہ دیکھ سکے ـــــ تو انھوں نے جواب دیا ہمارے حالات بجلی کی طرح ہیں کہ بجلی روشن ہوتی ہے۔ تو سب کچھ دیکھ لیا جاتا ہے اور جب بجلی غائب ہو جاتی ہے تو کچھ نظر نہیں آتا ـــــ کبھی ہم بلند ترین عمارت کے اوپر ہوتے ہیں اور بہت نیچے تک دیکھ لیتے ہیں اور کبھی ہمارا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے پاؤں کی پشت بھی نہیں دیکھ پاتے۔ حاصل یہ ہے کہ ہمارے اپنے اختیار میں کچھ نہیں اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے ہزاروں میل دور کی چیز معلوم اور محسوس کرا دیتا ہے جب نہیں چاہتا تو نہیں قریب ترین چیز کا بھی علم نہیں ہوتا اور نظر نہیں آتی۔

کی سمجھ میں نہیں آسکتا تھا، مگر چند امور ظاہرہ ایسے تھے جو سمجھ میں آسکتے تھے چنانچہ چار جواب جو تحریر کئے گئے ہیں، امور ظاہرہ میں سے تھے۔ اور ان مضمونوں میں مقصد بالکل ظاہر ہے۔
کلام کے کچھ حصہ کا سمجھنا اور کچھ کا نہ سمجھنا ایسی بلائے عظیم ہے کہ کلام کرنے والے عالم کے حال کو بدل دیتی ہے۔
تیسرا مضمون یہ ہے کہ اس طرح کے واقعات پیش آنے کے وقت ایسا حال رونما ہوتا ہے کہ جس کسی کو فکر آخرت ہوتی ہے تو وہ اہم مقصود کو پیش نظر رکھتا ہے اور اس مقصود سے ہرگز غافل نہیں ہوتا ہے اور اپنے عقیدہ و عمل کو شرع شریف کے مطابق صحیح و درست رکھتا ہے۔ مناظرہ میں غالب و مغلوب کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔
اور اگر کوئی شخص یہ جانے کہ عقیدہ و عمل غالب و مغلوب کی دانست پر موقوف ہے تاکہ غالب کا اتباع کیا جائے اور مغلوب کا اتباع نہ کیا جائے تو ایسے شخص کو یہ جان لینا چاہئے کہ دین متین کے ارکان مناظروں پر موقوف نہیں رہتے۔ یہ بحث کہ تیجہ یا چالیسواں اور اس طرح کی دوسری رسمیں کرنی چاہئیں یا نہیں کرنی چاہئیں اور قبر کو پختہ بنانا جائز ہے یا نہیں — ہرگز ہرگز یہ باتیں ارکان دین میں داخل نہیں ہیں۔
اگر سیکڑوں عاقل و بالغ مسلمان مردہ کو دفن کرکے اپنے اپنے گھر واپس آجائیں اور پھر اس مردہ کا کوئی ذکر نہ کریں تو ہرگز ہرگز ارکان دین میں سے کوئی رکن متروک نہیں ہوا، برخلاف نماز جیسے رکن کے، کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کے بارہ میں سوال ہوگا اور نماز کو چھوڑنے والا فرعون و ہامان کے ساتھ محشور ہونے کے قابل ہے۔
ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان ایسے اہم ارکانِ اسلام چھوڑتے ہیں اور دو آدمیوں کو بھی اس پر ایسا قلق نہیں ہوتا جیسا کہ رسوم زائد کے چھوڑنے پر ہوتا ہے (جبکہ) بدعت کے چھوڑنے پر بہت کچھ سوچ بچار کرتے ہیں سبحان اللہ! یہ تو ایک عظیم انقلاب ہے۔

واللہ غالبٌ علیٰ امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

تمت بالخیر

غلام محمد علی عفی عنہ[1]

---

[1] یہ صاحب حضرت مولانا عبدالحیؒ کی تحریر فرمائی ہوئی روداد کے ناقل و کاتب ہیں۔

از ـــــ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم

مولانا نسیم احمد فریدی علیہ الرحمہ کے مضمون میں مولانا ابوالحسن زید دہلوی کی تصنیف "مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان" کے متعلق بیشتر ضروری باتیں آگئی ہیں، جو لوگ اس موضوع سے پہلے سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں انھیں مولانا فریدی کے اس مضمون کی خاص قدر ہوگی ــــ نئی نسل کے جو لوگ مسئلا اور اسکے تفصیلی پس منظر سے واقف نہیں ہیں انھیں اس عاجز کا مشورہ یہ ہے کہ وہ یہ چند کتابیں پڑھ لیں (۱) شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات (۲) الجنۃ لاھل السنۃ (۳) اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان ۔

جیسا کہ پیش لفظ میں عرض کیا جا چکا ہے یہ عاجز بندہ ایسے حال میں ہے کہ مختصر سا خط لکھوانا بھی طبیعت پر بہت بوجھ ڈالتا ہے لیکن پچھلے دنوں جب مولانا فریدی کے اس مضمون کی بدولت اس مسئلہ پر غور و فکر کرتا رہا تو ذہن میں بہت سی اصولی باتیں آتی گئیں، جو شاید اس ترتیب کے ساتھ پہلے کبھی نہیں آئی تھیں، اور دل میں سخت داعیہ پیدا ہوا کہ وہ بھی الفرقان کے صفحات میں محفوظ ہو جائیں شاید اللہ کے کسی بندے کے کام آجائیں ــــ پیش نظر تکملہ میں وہی باتیں عرض کی جا رہی ہیں ۔
إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ ــــ

۱۔ اپنے مطالعہ و تجربہ کی روشنی میں میرا یہ احساس ہے کہ بعض ان لوگوں کو جنھیں کسی وجہ سے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے ذوق و مشرب سے ذہنی مناسبت نہیں ہے بلکہ کچھ بُعد ہے وہ جب اپنی اس طبعی کیفیت کی علمی توجیہ کرنا چاہتے ہیں تو انکی کتاب "تقویۃ الایمان" کی بعض وہ عبارتیں پیش کرتے ہیں، جن میں اُن مشرکانہ رسوم و عادات کی بیخ کنی کیلئے قدرے سخت اور عام فہم انداز اختیار کیا گیا ہے جو اُس دور کے عام مسلمانوں میں بری طرح رائج تھیں ــــ اور ناواقف عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں تو حضرت شاہ شہیدؒ سے جو بُعد اور تنفر ہے وہ دراصل انکے سوءِ ادب اور بارگاہ نبوت کی تعظیم و احترام میں تقصیر

کی وجہ سے ہے......

جہاں تک حضرت شاہ اسماعیل شہید یا ان جیسے دوسرے خادمان اسلام اور محسنین امت سے مناسبت یا عدم مناسبت کا سوال ہے تو وہ کوئی بحث و نظر اور استدلال کا مسئلہ نہیں، اسکے مختلف اسباب ہوتے ہیں؛ اور یہ کوئی ضروری بھی نہیں کہ ہر ایک کو تمام اہل علم سے یکساں محبت اور قلبی لگاؤ ہو ــــــ البتہ جہاں تک اس عاجز نے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی شخصیت، مزاج، خدمات اور خاص کر ان کی زیر بحث کتاب تقویۃ الایمان کا مطالعہ کیا ہے اسکی روشنی میں مجھے ان لوگوں کی طرف سے جنھیں ان سے مناسبت نہیں، اپنی عدم مناسبت کی یہ مذکورہ بالا توجیہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہی نہیں ایسی افسوسناک جسارت نظر آتی ہے جسکے لئے عذر تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔

"تقویۃ الایمان" میں جو صاف انداز اور صریح لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہے، اسکے بارے میں رائے قائم کرنے کے لئے ایک بات تو یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو لوگ اس کے اصل مخاطب تھے، اور جس ماحول میں اور جن لوگوں کی اصلاح کیلئے یہ کتاب لکھی گئی تھی، وہ کون تھے؟ کتنی بری طرح وہ مشرکانہ جاہلیت کے نرغے میں تھے، اور کیسی شدید ضرب اور دو انگشاف دعوت توحید ان کو اس جاہلیت سے نکلنے کے لئے درکار تھی؟

تقویۃ الایمان میں کہیں کہیں اس کے حساس مصنف نے اپنے زمانہ کے مسلمانوں پر مشرکانہ جاہلیت کے اثرات کا ذکر کیا ہے۔ اس سے اُسوقت کی صورتحال کا زیادہ صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر "فصل رابع فی ذکر رد الاشراک فی العادات" میں ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے :-

"اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخر زمانہ میں قدیم شرک بھی رائج ہوگا۔ سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے مطابق ہوا یعنی جیسا مسلمان لوگ اپنے نبی اور ولی کے ساتھ معاملہ شرک کا کرتے ہیں اسی طرح قدیم شرک بھی پھیل رہا ہے۔ اور کافروں کے بتوں کو بھی مانتے ہیں انکی رسموں پر چلتے ہیں، برہمن پوچھنا، شگون لینا، ساعت ماننا، سیتلا، مسانی پوجنا، ہنومان، لونا چماری، کلوا بیر کی دہائی دینی، دیوالی کا تہوار کرنا، نوروز مہرجان کی خوشی کرنا، قمر در عقرب تحت الشعاع کا اعتبار کرنا کہ یہ سب رسمیں ہنود و مجوسی کی ہیں مسلمانوں میں رواج پا گئی ہیں" ص ۵۷، ۵۸

آگے فصل خامس میں سورۂ اعراف کی ایک آیت کا ترجمہ کرنے کے بعد "فائدہ" میں لکھتے ہیں

"اور جب اولاد کی امید ہوتی ہے تو اسی کو (یعنی اللہ ہی کو) پکارتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اولاد اچھی بھلی ہوئے تو اللہ کا بہت حق مانیں پھر جب وہ اولاد بخشتا ہے تو اوروں کو ماننے لگتے ہیں اور ان کی نذرونیازیں کرتے ہیں۔ کوئی کسی کی قبر پر لے جاتا ہے کوئی کسی کے تھان پر کوئی کسی کی چوٹی رکھتا ہے۔ کوئی کسی کی بدھی پہناتا ہے، کوئی کسی کی بیڑی ڈالتا ہے کوئی کسی کا فقیر بناتا ہے۔" ص۶۴

اسی فصل میں سورۂ نحل کی ایک آیت کا ترجمہ کرنے کے بعد "فائدہ" میں لکھا ہے :-

"اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ محرم کے مہینے میں پان نہ کھانا چاہئے لال کپڑا نہ پہنیں حضرت بی بی کی صحنک مرد نہ کھائیں اور جب ان کی نیاز کیجئے تو اس میں بالضرور فلانی فلانی ترکاریاں ہوں اور مسّی پیسی مہندی ہو اور اس کو لونڈے نہ کھاویں اور جس عورت نے دوسرا خاوند کیا ہو وہ بھی نہ کھاوے اور جو نیچ قوم سے ہو یا بدکار وہ بھی نہ کھاوے۔ اور شاہ عبدالحق کا توشہ حلوا ہی ہوتا ہے۔ اور اس کو اس احتیاط سے بنائے اور حقہ پینے والے کو نہ دیکھئے اور شاہ مدار کی نیاز ملیدہ ہی چڑھتا ہے۔ اور بوعلی قلندر کی سہمنی اور اصحاب کہف کی گوشت روٹی اور بیاہ میں فلانی فلانی رسمیں ضرور ہیں اور موت میں فلانی فلانی، اور موت کے بعد نہ آپ شادی کیجئے نہ شادی میں بیٹھئے، نہ اچار ڈالئے اور فلانے لوگ نیا کپڑا نہ پہنیں۔ اور فلانے لال ٹوپی نہ پہنیں سو سب جھوٹے اور شرک میں گرفتار، اللہ کی حکومت کی شان میں دخل کرتے ہیں اور ایک شرع اپنی جدی قائم کرتے ہیں۔" ص۶۵

تقویۃ الایمان کے ان اقتباسات سے نہایت واضح اور قطعی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ جن مسلمانوں کی اصلاح کے لئے وہ لکھی گئی تھی وہ کیسی کیسی گمراہیوں اور کن مشرکانہ رسوم و بدعات میں مبتلا تھے۔ اور توحید و سنت سے وہ کتنے دور جا پڑے تھے۔ کم سے کم اس عاجز کو تو اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ ان جہالتوں اور ان گمراہیوں کی بیخ کنی کیلئے اسی طرز و لہجہ اور اسی دو ٹوک انداز بیان کی ضرورت تھی جسے اللہ کی

توفیق سے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے تقویۃ الایمان میں اختیار فرمایا۔ اس عاجز کے
اس یقین کی وجہ یہ ہے کہ وہ جہاں پیدا ہوا اور جہاں پلا بڑھا وہاں وہ ٹھیٹھ ہندوانہ رسوم
تو نہیں تھیں جن کا تقویۃ الایمان کے منقولہ بالا اقتباسات میں ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ قبر پرستی
اور تعزیہ پرستی جیسے مشرکانہ اعمال میں وہاں کے مسلمان کہلانے والے لوگوں کی اکثریت
بری طرح مبتلا تھی۔ ضلع مراد آباد کے مشہور قصبہ سنبھل کے جس محلہ میں ہمارا خاندان بسا ہوا
تھا اس میں سو فیصد سنی آبادی تھی۔ ایک گھرانہ بھی شیعوں کا نہیں تھا لیکن تعزیہ داری
کا جو حال وہاں تھا، شاید ہی وہ کسی شیعہ آبادی میں ہو، بیسیوں گھروں میں تعزیے رکھے
جاتے، ان پر نذریں اور چڑھاوے چڑھتے، امام حسین سے حاجتیں اور مرادیں مانگی جاتیں،
اور یہ نذریں اور چڑھاوے چڑھانے والے لوگ بھی سیدھا سادہ یقین رکھتے تھے کہ امام حسین
انکی مرادیں پوری کر دیں گے۔ بچوں کو اس امید پر امام حسین کا فقیر بنایا جاتا تھا کہ امام حسین ان کی
زندگی کے ضامن ہوں گے ـــــ قبروں پر بھی خوب چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ ہمارے محلہ ہی
میں ایک اونچی سی قبر تھی جس کو "دادا الٰہی بخش کی قبر" کہا جاتا تھا اس پر خاص طور سے جمعرات کے
دن مرادیں اور حاجتیں مانگنے والے طرح طرح کے چڑھاوے چڑھاتے ان میں زیادہ تر تھالیاں
ہوتیں یا شکر اٹے کے طباق ـــ ایک مجاور صاحب بیٹھے رہتے تھے انکے ساتھ ایک بوڑھی بدشکل
طوائف بھی رہتی تھی۔ دونوں کے پاس اپنے اپنے برتن ہوتے ـــ چڑھاوے میں ایک حصہ
مجاور صاحب کا ہوتا تھا اور ایک اس طوائف کا ـــ اور ایک حصہ ان بچوں کو تقسیم کیا جاتا جو
اسی مقصد سے وہاں جمع ہو جاتے تھے ـــ ہر چڑھاوے کیلئے وہ طوائف ناچتی تھی، شاید
اس لئے کہ دادا الٰہی بخش کے راضی کرنے کیلئے چڑھاوے کے علاوہ طوائف کے ناچ کی بھی
ضرورت تھی ـــــ سنبھل ہی کے ایک اور محلہ میں شاہ مدار کے نام سے ایک اور اونچی سی
قبر تھی۔ اس پر کسی خاص تاریخ کو میلہ لگتا تھا۔ وہاں آنے والے "حاجی" زیادہ تر دیہات سے
آتے تھے جن کے جسم پر کوئی سلا ہوا کپڑا نہیں ہوتا تھا، "احرام" کی طرح ایک چادر بطور
تہبند وہ پہنے ہوتے تھے اور ایک چادر اوپر کے جسم پر پڑی ہوتی، یہ حاجی اپنے ساتھ شاہ
مدار کی قربانی کے لئے مرغا یا بکرا بھی اپنے ساتھ لاتے اور وہیں ان کی قربانی کرتے اور پھر وہ

---

لہ یہ اس علاقہ کا ایک خاص تحفہ ہوا کرتا تھا جس میں چاولوں کے اوپر شکر کی ایک تہہ ہوتی اور اسکے
اوپر گھی کی ایک تہہ ہوتی۔

لوگ شاہ مدار سے اپنی مرادیں مانگتے ـــــ یہ میلہ میں نے خود بچپن میں کم از کم ایک دو دفعہ ضرور دیکھا تھا۔

اس عاجز نے اپنے وطن اور اپنے محلہ میں قبر پرستی اور تعزیہ پرستی کا یہ حال دراصل یہ عرض کرنے کیلئے بیان کیا ہے کہ میری طرح جن لوگوں نے ایسے حالات دیکھے ہیں انھیں شرک کی بیخ کنی اور دعوتِ توحید میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مخصوص اور دو ٹوک اندازِ بیان میں کوئی بات قابلِ اعتراض نہیں معلوم ہوگی۔ البتہ جن خوش نصیبوں نے ایسے خانوادوں میں پرورش پائی جہاں یہ صورتحال نہیں تھی (اور میرا اندازہ ہے کہ ہمارے محترم مولانا ابوالحسن زید فاروقی مجددی کا خانوادہ ان میں سرفہرست ہوگا اس لئے کہ وہ مجددی اصلاحات و تعلیمات کا وارث گھرانہ تھا) انھیں اگر حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے اندازِ بیان میں ضرورت کے حدود سے تجاوز نظر آئے تو یہ بات بہت زیادہ باعث تعجب اور محل شکایت نہیں ہونی چاہیئے ـــــ ہاں ان حضرات کو یہ احتیاط ضرور ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ یہ کتاب ہندوستان کے چند ایسے مخصوص خاندانوں کیلئے نہیں بلکہ اس ملک میں بسنے والے ان عام مسلمانوں کیلئے لکھی گئی تھی، جو گلے گلے شرک و خرافات کے دلدل میں دھنسے ہوئے تھے۔

۲۔ تقویۃ الایمان کے مسئلہ پر غور کرتے وقت ایک اصولی حقیقت یہ بھی پیش نظر رہنی چاہیئے (جو قرآن مجید، اسوۂ نبوی اور صحابہ کرامؓ کے طرز عمل سے معلوم ہوتی ہے) کہ جب کسی ایسے گروہ کی اصلاح مقصود ہو جو کسی نبی یا ولی کے بارے میں ایسے غلو میں مبتلا ہو جس میں شرک کا شائبہ بھی ہو تو حکمت اصلاح کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس شخصیت کی بندگی اور بیچارگی کے پہلو کو . . . پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ بیان کیا جائے ـــــ سورۂ مائدہ آیت ۱۷ میں اُن عیسائیوں کے مشرکانہ غلو کی اصلاح کیلئے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدائی کے عرش پر بٹھائے ہوئے تھے فرمایا گیا ہے۔

"لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا"

مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ قطعی کافر ہو گئے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح بن مریم ہی خدا ہیں۔ اے ہمارے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیجئے، بتلاؤ اگر خدا مسیح بن مریم، ان کی ماں اور

دنیا کے سارے انسانوں کو ہلاک اور فنا کر دینے کا ارادہ کرلے تو کس کے اختیار میں ہے کہ ان کو بچا سکے؟
——— یاد رہے کہ یہ وہی مسیح بن مریم ہیں جن کو قرآن مجید ہی میں بعض دوسرے مقامات پر "کَلِمَۃُ اللّٰہِ وَرُوْحٌ مِّنْہُ" اور "وَجِیْھًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ" فرمایا گیا ہے، اور ان کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے "اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ" ——— لیکن سورۂ مائدہ کی اس آیت میں جس میں عیسائیوں کے غلو کی اصلاح مقصود ہے ایک بھی لفظ ایسا نہیں فرمایا جس سے ان کی عظمت اور علو شان ظاہر ہو، بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ بتلاؤ! اگر اللہ ان کو ہلاک اور فنا کر دینے کا ارادہ فرمالے تو ہے کوئی جو انہیں بچا سکے....؟؟

اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ مکہ کے مشرکوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا ——— "لن نومن لک حتیٰ تفجر لنا من الارض ینبوعًا.... الآیات" ——— مطلب یہ ہے کہ ہم تم کو اس وقت تک خدا کا نبی و رسول نہیں مانیں گے جب تک تم یہ کر کے نہ دکھا دو کہ مکہ کی خشک زمین سے ہمارے لئے پانی کا چشمہ جاری کر دو! یا یہ کہ تمہارا خود ایک ایسا سرسبز کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں جاری ہوں یا تم یہ کر کے دکھا دو کہ آسمان کے ٹکڑے ہم پر گرا دو۔ یا اللہ اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لاکر کھڑا کر دو، یا تمہارا چاندی اور سونے کا گھر ہو، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں سے لکھی لکھائی کتاب لے کر آؤ جسے ہم پڑھ لیں..... ان کرشموں کے بغیر ہم تمہیں نبی اور رسول نہیں مانیں گے۔!!

چونکہ مشرکوں کی ان جاہلانہ باتوں کا سبب اُن کا یہ خیال تھا کہ نبی اور رسول وہی ہو سکتا ہے جو ما فوق البشر طاقت رکھتا ہو اور وہ کر کے دکھا دے جو کوئی بشر نہیں کر سکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا "قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا" (یعنی یہ کہ آپ ان لوگوں سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ ہر کمزوری سے پاک صاف میرا پروردگار ہے صرف وہی سب کچھ کر سکتا ہے میں تو بس ایک بشر ہوں اور ایک پیامبر۔)

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ دوسرے مقامات پر قرآن مجید میں ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان ظاہر کرنے کے لئے مختلف القاب اور ثنا کے ساتھ آپ کا

تذکرہ کیا گیا ہے، کہیں فرمایا گیا "وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ"، کہیں فرمایا گیا "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" اور کہیں ارشاد ہوا "وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا"، لیکن سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ بالا آیت کا مقصد چونکہ نبوت و رسالت کے بارے میں مشرکوں کے غالیانہ خیالات کی اصلاح تھا اس لئے آپؐ کی زبان مبارک سے صرف اتنا کہلوایا گیا "هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا" (میں تو ایک بشر ہوں اور اللہ کا پیام پہونچانیوالا پیغمبر اسکے سوا کچھ نہیں۔)

ایک موقعہ پر بعض صحابہ سے اظہارِ عقیدت و عظمت میں کچھ بے اعتدالی اور لغزش ہو گئی تو آپ نے سخت تنبیہہ فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

لَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ، اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ۔ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ، مَا اُحِبُّ اَنْ تَرْفَعُوْنِيْ فَوْقَ مَنْزِلَتِيَ الَّتِيْ اَنْزَلَنِيَ اللّٰهُ ــــ (رواہ احمد وعبد بن حمید وسعید بن منصور و البیھقی فی شعب الایمان) کنز العمال ج ۲ ص ۱۳۲

لوگو! تمھیں شیطان گمراہ نہ کردے، میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ تم مجھے میرے اُس مرتبہ سے اوپر اُٹھاؤ جہاں اللہ نے مجھے رکھا ہے۔

ایک دفعہ کسی صحابی کی زبان سے سلسلۂ کلام میں نکل گیا "مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ"۔ (یعنی وہ ہوگا جو اللہ چاہے اور جو آپؐ چاہیں) آپؐ اس پر سخت برہم ہوئے اور فرمایا:۔

"جَعَلْتَنِيْ لِلّٰهِ نِدًّا بَلْ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ" ـــــــــ

(رواہ الطبرانی فی الکبیر۔ کنز العمال ج ۲ ص ۱۳۲)

تم نے مجھ کو خدا کے برابر کر دیا (یوں نہیں) بلکہ یوں کہو کہ جو تنہا خدا چاہے وہ ہوگا۔

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا:۔

لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ، اِنَّمَا اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ۔

مطلب یہ ہے کہ میرے بارے میں اس طرح غلو مت کرو جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کیا، میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں اور اسکا رسول یعنی پیامبر ہوں۔

حالانکہ خود آنحضرتؐ نے دوسرے موقعہ پر اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:- "أنا اول شافِعٍ وَّ اَوَّل مُشفَّعٍ" اور "انا حبیب اللہ ولا فخر وأنا حامل لواء الحمد یوم القیامۃ وادم فمن دونہ تحت لوائی ولا فخر.... وانا اکرم الاولین والآخرین علی اللہ ولا فخر"

لیکن جب غلو کی اصلاح کیلئے آپ نے مذکورہ بالا ارشادات فرمائے تو اُس میں صرف اتنا ارشاد فرمایا "انا محمد بن عبد اللہ، عبد اللہ ورسولہ" (میں تو بس اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں)۔

اس اصولی حقیقت اور حکمتِ اصلاح کا واضح ترین اور انتہائی سبق آموز نمونہ صدیق اکبرؓ کا وہ خطبہ ہے جو انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقعہ پر تمام صحابہ کرام کے مجمع میں دیا تھا ____ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو باہر کے لوگوں میں سے سب سے پہلے حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اجازت لے کر حجرۂ مقدسہ میں داخل ہوئے حضرت صدیقہؓ نے پردہ فرمایا، حضورؐ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر حضرت مغیرہؓ نے کہا، آپ وفات پاچکے (انا للہ وانا الیہ راجعون) حضرت عمرؓ نے انکو ڈانٹا اور کہا کہ ہرگز آپ کی وفات نہیں ہوئی جب تک کہ فلاں فلاں کام انجام نہ پاجائیں گے آپ اس دنیا میں رہیں گے، مطلب یہ ہے کہ یہ سکتہ کی سی کیفیت ہے جس کو تم غلطی سے موت سمجھ رہے ہو پھر باہر آئے ____ خبر سن کر کچھ اور لوگ بھی آچکے تھے حضرت عمرؓ نے پوری شدت کے ساتھ اپنے اس یقین کا لوگوں کے سامنے اظہار فرمایا بعض روایات میں یہاں تک ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اگر کوئی کہے گا کہ حضورؐ کی وفات ہوچکی تو اسکا سر قلم کردیا جائیگا ____ ظاہر ہے کہ یہ اُن پر ایک غلبۂ حال کی کیفیت تھی۔ غالب گمان ہے کہ حضورؐ کے ساتھ عام صحابہ کرام کو جو محبت تھی اسکی بنا پر انکو حضرت عمرؓ کی یہ بات اچھی لگتی ہوگی۔ اس دوران مجمع بڑھتا گیا۔ آنحضرت کے چچا حضرت عباسؓ نے بھی حضرت عمرؓ کو سمجھانا چاہا لیکن انھوں نے انکی بھی نہیں سنی۔ اور زور شور سے اپنی بات فرماتے رہے ____ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جس دن حضورؐ نے وفات پائی اس دن کی صبح کو آپ کی حالت بہت اچھی تھی حضرت علی مرتضیٰؓ جو گویا مستقل تیماردار تھے صبح کو

جب وہ گھر سے باہر آئے اور لوگوں نے پوچھا کہ حضورؐ کا کیا حال ہے تو انھوں نے کہا کہ الحمدللہ
حضورؐ کی حالت آج بہت ہی اچھی ہے۔ صدیق اکبرؓ یہ معلوم ہونے کے بعد اپنے گھر تشریف
لے گئے جو کسی قدر فاصلہ پر تھا۔ انکو جب خبر پہنچی تو گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی سے پہنچے دیکھا کہ
اچھا خاصا مجمع ہے اور حضرت عمرؓ بار بار لوگوں کے سامنے اپنی بات دہرا رہے ہیں صدیق اکبرؓ
گھوڑے سے اتر کر سیدھے اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہوئے حضورؐ کے
جسد مبارک پر چادر ڈال دی گئی تھی۔ صدیق اکبرؓ نے اندر پہنچ کر چہرۂ مبارک سے چادر
ہٹائی اور پیشانی مبارک کو بوسہ دے کر کہا طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا (آپ زندگی میں بھی پاک اور
پاکیزہ تھے اور موت کے بعد بھی پاک اور پاکیزہ ہیں) اسکے بعد حجرہ مبارک سے باہر تشریف
لائے۔ حضرت عمرؓ کو خاموش کرنا چاہا مگر انکا حال یہ تھا کہ انھوں نے انکی بھی نہیں سنی،
صدیق اکبرؓ مسجد تشریف لائے سیدھے منبر پر پہنچے، عام صحابہ کرام جو جانتے تھے کہ ابوبکرؓ
حضورؐ کے تمام صحابہ کرام میں افضل اور بلند مرتبہ ہیں خود حضورؐ نے آخری دنوں میں ان کو
امام نماز بنا کر سب پر اس حقیقت کو ظاہر بھی کر دیا تھا۔ وہ سب حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر
مسجد میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس آگئے حضرت عمرؓ بھی آگئے، اس موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ
نے یہ محسوس کر کے کہ عمرؓ کی بات غلط اور ایک قسم کے غلبۂ حال کا نتیجہ ہے اور اس سے لوگوں
کے عقیدوں میں فساد آسکتا ہے حاضرین سے خطاب فرمایا جس میں صحیح بخاری وغیرہ کی
روایت کے مطابق اللہ کی حمد و ثنا کے بعد واشگاف طور پر فرمایا "من کان منکم یعبد
محمداً فان محمداً قد مات ومن کان منکم یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت
قال اللہ تعالیٰ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ
اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ
شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۔

جس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ اے لوگو! تم میں سے جو کوئی محمد کی بندگی اور عبادت کرتا
تھا تو اسکو معلوم ہونا چاہیے کہ محمد تو وفات پا گئے (ٹھیٹھ لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ محمد تو
مر چکے) اور جو تم میں سے اللہ کی عبادت اور بندگی کرتے تھے انکو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ ہمیشہ
زندہ رہنے والا ہے اسکو کبھی فنا نہیں۔ آگے صدیق اکبرؓ نے قرآن مجید کی اس آیت کا حوالہ
بھی دیا جس میں فرمایا گیا ہے کہ محمد اسکے سوا کچھ نہیں کہ بس اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے

رسول گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم (دین سے) اُلٹے
پاؤں لوٹ جاؤگے اور جو ایسا کریگا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور اللہ تعالیٰ شکر گذار
(یعنی دین پر قائم رہنے والے) بندوں کو اس استقامت کا صلہ عطا فرمائیگا۔

غور فرمایا جائے صحابۂ کرام میں بلکہ پوری امت میں صدیق اکبرؓ کی برابر حضورؐ کا مرتبہ
شناس اور آپؐ کے ساتھ محبت اور فدائیت کا تعلق رکھنے والا کوئی بھی نہ تھا۔ آنحضرتؐ
نے (صحیح بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق) وفات سے صرف پانچ دن پہلے مسجد شریف
کے اپنے آخری خطاب میں اپنے ساتھ حضرت صدیقؓ کے امتیازی تعلق کو ظاہر کرتے ہوئے
فرمایا تھا کہ ہمارے ساتھ جس نے بھی جو احسان کیا تھا ہم نے اسکا بدلہ چکا دیا، سوائے ابوبکرؓ
کے انھوں نے جو احسانات کیئے اسکا بدلہ انکو اللہ تعالیٰ ہی آخرت میں عطا فرمائیگا۔ الغرض
حضورؐ کے ارشاد پاک اور اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق صحابہ کرام کے طبقہ اور پوری امت
میں ابوبکر صدیقؓ کو ہی حضورؐ سے سب سے زیادہ محبت اور فدائیت کا تعلق تھا اور وہی سب سے
زیادہ حضورؐ کے مقام عظمت کے شناسا تھے اسکے باوجود انھوں نے اس خطبہ میں جو حضورؐ
کے بارے میں غلو کے سدباب کیلئے دیا آپ کے نام کے ساتھ نبی یا رسول یا عظمت کو ظاہر
کرنے والا کوئی کلمہ حتیٰ کہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی نہیں فرمایا۔

اب رافضی جو حضرت صدیق اکبرؓ کو (معاذ اللہ) منافق کہتے ہیں اور ان سے بغض
وعداوت رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دیکھو حضور کے دنیا سے پردہ فرمانے کے فوراً بعد ابوبکرؓ کا
باطن ظاہر ہو گیا اور اس خطبہ میں انھوں نے حضورؐ کا جس طرح ذکر کیا وہ کھلی ہوئی بے ادبی
ہے ـــــ لیکن تمام صحابہ کرام اور انھیں کی طرح انکی پیروی کرنے والے ہم اہلسنت نے بھی
یہی سمجھا کہ حکمت اصلاح کا یہی تقاضا تھا، ہمارے نزدیک صدیق اکبرؓ کے اس خطبہ نے
امت کو عقیدہ کے فساد سے بچا لیا اور قیامت تک کیلئے رہنمائی دے دی۔ اسی طرح فاروق اعظمؓ
کے دور خلافت میں جبکہ دور دراز کے بہت سے علاقے بھی اسلامی اقتدار کے دائرے میں آگئے
تھے، اور وہاں کے رہنے والوں نے اسلام قبول کرلیا، تو حج کے موقع پر اللہ نے حضرت عمرؓ
کے قلب میں یہ بات ڈالی کہ مختلف علاقوں کے جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور وہ
اب تک بت پرستی جیسی گمراہیوں میں مبتلا تھے وہ یہ دیکھ کر کہ حج کے ہر طواف میں حجر اسود
کو بوسہ دیا جاتا ہے یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ بھی کوئی دیوی دیوتا ہے جس کی پوجا کی جاتی ہے۔

باآوازِ بلند فاروقی انداز میں اعلان فرمایا کہ "اما واللہ لقد علمت انک حجر لا تنفع ولا تضر ولولا انی رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبلک ما قبلتک" مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حجرِ اسود کی طرف خطاب فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں خدا کی قسم کھا کر اعلان کرتا ہوں کہ تو محض ایک پتھر ہے تو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اگر میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھ کو ہرگز بوسہ نہ دیتا ۔۔۔۔۔ اب ایک رافضی جو حضرت عمرؓ کے متعلق رافضیانہ عقائد رکھتا ہے وہ تو کہے گا کہ (معاذ اللہ) عمر بن الخطاب نے اس مقدس حجرِ اسود کی توہین کی جس کو حدیث میں یمین اللہ (یعنی اللہ تعالےٰ کے دستِ راست کے قائم مقام) کہا گیا ہے جس کو چومنا حج وعمرہ کے اعمال میں بڑا اونچا عمل ہے اور جسے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عظمت ومحبت کے جذبے کے ساتھ چومتے تھے ۔۔۔۔۔ لیکن ہم اہلسنت حضرت فاروقِ اعظمؓ کے اس عمل اور انکے اس اعلان کو عقیدۂ توحید کی حفاظت اور امت کو شرک کے خطرہ سے بچانے کی کوشش کے سلسلہ میں نشانِ راہ سمجھتے ہیں۔

امت کے مصلحین مجددین اور دینِ حق کے محافظین کے ملفوظات ومکتوبات تقاریر ومواعظ اور تصنیفات سے بے شمار نمونے اس حکمتِ اصلاح کے پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن نہ اتنی گنجائش ہے اور نہ عقلِ سلیم رکھنے والوں کے لئے اتنی طوالت کی ضرورت تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے محترم مولانا ابوالحسن زید صاحب کی خدمت میں ایک دو مثالیں حضرت مجدد الف ثانیؒ قدس سرہٗ کے مکتوبات سے بھی پیش کردی جائیں۔

مکتوبات کے دفتر اول کے مکتوب ۱۷۲ میں فرماتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| اے برادر! محمد رسول اللہؐ باآں علو شان البشر بود وبداغ حدوث وامکان متسم ۔ | اے بھائی! محمد رسول اللہؐ بھی باوجود اسقدر بلندیٔ مرتبہ کے بشر تھے اور حدوث وامکان کے داغ سے داغدار۔ |

اب جو شخص حضرت امام ربانیؒ سے بغض وعداوت رکھتا ہے وہ شور مچائے گا کہ حضرت مجددؒ نے حضورؐ کو حدوث وامکان کے داغ سے داغدار لکھ دیا۔ یہ حضورؐ کی شان میں بے ادبی ہے۔

نیز دفترِ سوم کے آخری مکتوب میں جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حزن وغم سے متعلق ملّا حسن کشمیری کے ایک سوال کے جواب میں ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| ہر قدر کہ از وجود بشریت باقیست | پس جسقدر بشریت باقی ہے اسی قدر اسکے |

حجابِ راہ ہما قدر است وارتفاع
بشریت بالکل درکل ممکن نیست
چہ در خواص وچہ در اخص الخواص
شیخ عطار فرماید ؎
نمی بینی کہ شاہے چوں پیمبر
نیابد فقر کل تو رنج کم بر

حجاب بھی موجود ہیں اور صفات بشریہ کا
کسی سے بھی بالکلیہ دور ہو جانا ممکن ہی نہیں
نہ خواص میں نہ اخص الخواص میں۔
شیخ عطار فرماتے ہیں۔
کیا تم نہیں دیکھتے کہ کامل فقر تو رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم بھی حاصل نہ کر سکے
اس لئے تم اسکی حسرت نہ کرو۔

اب جسکے دل میں حضرت امام ربّانی کے بارے میں بدگمانی اور بغض وعداوت ہو گی، وہ کہے گا کہ انھوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں بے ادبی اور آپ کی تنقیص کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام ربانی اور شیخ عطار نے جو فرمایا وہ عین حقیقت ہے۔ مگر ——— ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است۔

اس عاجز کے نزدیک شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان کے بارے میں مولوی فضل رسول بدایونی اور مولوی احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے پیروکاروں کے معاملہ کی حقیقت یہی ہے۔

۴۔ محترم مولانا ابوالحسن زید صاحب نے اپنی کتاب کے ابتدائیہ میں صـ۱۳ پر لکھا ہے۔

"سردار دو عالم رحمت عالمیان صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس کو ائمۂ حدیث نے روایت کرکے امت مرحومہ کے واسطے اپنی کتابوں میں محفوظ کر دیا ہے کہ "یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا" آسان کرو، مشکل نہ بناؤ، بشارت دو، نفرت نہ دلاؤ، ——— کیا مکروہ تنزیہی کو مکروہ تحریمی اور مکروہ تحریمی کو حرام قطعی قرار دینا اور شرک اصغر کو جس سے بچنا کوئی امر سہل نہیں ہے، ذرا سی ریا اور دکھاوٹ شرک اصغر اور شرک خفی ہے، شرک اکبر اور شرک جلی قرار دینا، آسان کرنا ہے یا مشکل بنانا، اور جو شخص ایسا فعل کرے وہ ارشاد نبوی پر عمل کر رہا ہے یا اپنی من مانی کر رہا ہے"

مولانا زید صاحب کی اس عبارت کا صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں جگہ جگہ مکروہ تنزیہی کو مکروہ تحریمی، مکروہ تحریمی کو حرام قطعی اور شرکِ اصغر اور شرکِ خفی کو شرکِ اکبر اور شرکِ جلی قرار دیا ہے ———

میں بہت صفائی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ مجھے "تقویۃ الایمان" میں بہت تلاش کے باوجود ایک جگہ بھی ایسی نہیں مل سکی جس میں شرکِ اصغر کو شرکِ اکبر یا شرکِ خفی کو شرکِ جلی قرار دیا گیا ہو۔ دانستہ طور پر شرکِ اصغر کو شرکِ اکبر یا شرکِ خفی کو شرکِ جلی قرار دے دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی جسارت ہے ــــــ اور اگر نادانستہ طور پر ہو تو بہت سنگین غلطی ہے ــــــ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ شاہ شہیدؒ کی تقویۃ الایمان میں تلاش کے باوجود کسی مقام پر بھی ایسی عبارت نہیں ملی جس میں شرکِ خفی کو شرکِ جلی لکھا گیا ہو ــــــ میرے پاس ۱۲۷۰ھ کا مطبوعہ وہ نسخہ ہے جس پر مولانا محبوب علی مرحوم کا حاشیہ ہے۔

اس صاف وضاحت کے بعد اب میں عرض کرتا ہوں کہ تقویۃ الایمان میں متعدد مقامات پر ان اعمال کو "شرک" (خفی یا جلی، اور اصغر یا اکبر کی صفت کے بغیر) قرار دیا گیا ہے جن کا مرتکب جمہور علمائے اہلسنت (بشمول مصنف تقویۃ الایمان) کے نزدیک نہ دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے اور نہ ابدی عذاب اخروی کا مستحق قرار دیا جاتا ہے، بلکہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور یہ طرزِ بیان ــــــ ان اعمال کو "شرک" یا "کفر" قرار دینا، جو شرک یا کفر کے شعبوں میں سے ایک شعبہ تو ہیں، لیکن ان کا کرنے والا قانونی و فقہی طور پر مشرک، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہے۔ علماء کرام کی اصطلاح میں اس قسم کے اعمال کو شرکٌ دونَ شرکٍ، کفرٌ دونَ کفرٍ کہا جاتا ہے۔

اس عاجز کے محدود مطالعہ میں اس موضوع پر سب سے زیادہ تشفی بخش، مدلل اور سیر حاصل بحث علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب "الصلوٰۃ و احکام تارکہا" میں کی ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں حدیث نبوی إن بین الرجل وبین الشرك والكفر ترك الصلاة "کی تشریح میں علامہ ابن قیم کی وہ پوری بحث قدرے تلخیص کے ساتھ نقل کر دی ہے، اس بحث میں علامہ ابن قیمؒ نے یہ بیان کرنے کے بعد کہ جس طرح ایمان کے بہت سے شعبے ہوتے ہیں، اور ان سب ایمانی شعبوں کا درجہ اور حکم یکساں نہیں ہوا کرتا، بلکہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کی عدم موجودگی کی بنا پر اصل ایمان کا فقدان لازم ہوتا ہے، اور بعض ایسے ہیں جن کے نہ ہونے کی صورت میں ایمان میں کمی اور کمزوری تو آتی ہے، البتہ بالکلیہ اسکے زوال کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، اسی طرح کفر

کے بھی بہت سے شعبے ہوتے ہیں، اور کفر کے ان شعبوں کا بھی درجہ اور حکم یکساں نہیں ——— پھر یہ بیان کرنے کے بعد کہ کفر کی دو قسمیں ہوتی ہیں. کفر اعتقادی اور کفر عملی، دونوں کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن قیم نے لکھا ہے

فکفر الجحود ان یکفر بما علم ان الرسول جاء به من عند الله جحودًا وعنادًا من اسماء الرب وصفاته وأفعاله واحکامه وهذا الکفر یضاد الایمان من کل وجه ——— وأما کفر العمل فینقسم إلی ما یضاد الایمان وإلی ما لا یضاده فالسجود للصنم والاستهانة بالمصحف وقتل النبی وسبّه یضاد الایمان، وأما الحکم بغیر ما أنزل الله وترک الصلاة فهو من الکفر العملی قطعًا ولا یمکن ان ینفی عنه اسم الکفر بعد أن اطلقه الله ورسوله علیه، فالحاکم بغیر ما انزل الله کافر وتارک الصلاة کافر بنص رسول الله صلی الله علیه وسلم ولکن هو کفر عمل لا کفر اعتقاد..... وقد نفی رسول الله صلی الله علیه وسلم الایمان عن الزانی والسارق وشارب الخمر وعن لا یأمن جاره بوائقه فاذا نفی عنه اسم الایمان فهو کافر من جهة العمل وانتفی عنه کفر الجحود

کفر انکاری (اعتقادی) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اسماء وصفات اور اسکے افعال اور احکام کی قسم سے جس چیز کے بارے میں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو کہ اسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، اس کا انکار، صرف نہ ماننے اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کیا جائے۔ کفر کی یہ قسم ایمان کے سو فیصد منافی ہے ——— جہاں تک کفر عملی کا تعلق ہے تو وہ دو طرح کا ہوا کرتا ہے، ایک تو وہ جو ایمان کے منافی ہے، اور دوسرا وہ جو ایمان کے منافی نہیں ہے۔ پس بت کو سجدہ کرنا، قرآن مجید کی توہین، پیغمبر کو قتل کرنا یا گالیاں دینا، ایمان کے منافی ہے. لیکن اللہ تعالیٰ کے بنائے قوانین کے علاوہ کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنا، نماز چھوڑنا، یہ بلاشبہ کفر عملی ہے. اس طرح کے اعمال کو کفر ضرور کہا جائے گا کیونکہ اللہ اور اللہ کے رسول نے انھیں "کفر" کہا ہے. لہذا اللہ کے نازل کردہ قوانین کے بجائے کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنیوالا، اور نماز کا تارک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صاف فرمان کے بموجب کافر تو کہا جائے گا تاہم یہ کفر عملی ہوگا نہ کہ کفر اعتقادی ...... اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زنا کرنیوالے، چوری کرنیوالے، شرابی اور جس کی شرارتوں سے پڑوسی محفوظ و مامون

والاعتقاد۔ نہ لینے اس سے ایمان کی نفی فرمائی ہے لہذا وہ کفر عملی کا مرتکب قرار دیا جائے گا لیکن کفر اعتقادی اس پر نہیں ثابت کیا جائے گا۔

آگے چل کر اسی بات کی تائید میں علامہ ابن قیمؒ نے کئی اور مضبوط دلائل و شواہد قرآن مجید اور اکابر صحابہ و تابعین کے بیانات سے نقل فرمائے ہیں۔ پھر "کفر دون کفر" کے بارے میں بحث مکمل کرنے کے بعد شرک دون شرک کے بارے میں لکھا ہے۔

كذلك الشرك شركان، شرك ينقل عن الملة وهو الشرك الأكبر وشرك لا ينقل عن الملة وهو الشرك الاصغر وهو شرك العمل كالرياء، وقال تعالى في الشرك الأكبر "إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰىهُ النَّارُ، وقال وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ"... الآية وفي شرك الرياء "فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ أَحَدًا، ومن هذا الشرك الأصغر قوله صلى الله عليه وسلم ومن حلف بغير الله فقد أشرك رواه ابوداؤد وغيره ومعلوم أن حلفه بغير الله لا يخرجه عن الملة ولا يوجب له حكم الكفار، ومن هذا قوله صلى الله عليه وسلم الشرك في هذه الأمة أخفى من دبيب النمل..

اسی طرح شرک بھی دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو وہ جس کا مرتکب ملت سے خارج ہو جاتا ہے اسے شرک اکبر کہتے ہیں اور دوسرا وہ شرک جس سے آدمی ملت سے خارج نہیں ہوتا، اسے شرک اصغر کہتے ہیں جیسے ریاکاری، شرک اکبر کے بارے میں قرآنی آیات کا نمونہ ارشاد خداوندی (انه من يشرك بالله فقد حرم الله عليه الجنة وماوٰه النار) اور (ومن يشرك بالله فكانما خرّ من السماء) وغیرہ ہیں اور ریاکاری والے شرک کے بارے میں (مثلاً) فرمایا گیا ہے (فمن كان يرجو لقاء ربه فليعمل عملا صالحا ولا يشرك بعبادة ربه احدا) شرک کی دوسری قسم شرک اصغر ہی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم جس نے کھائی وہ شرک کا مرتکب ہوا ___ یہ بات معلوم ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانیوالا ملت سے خارج نہیں ہوتا اور نہ اس پر کفار کے احکام لاگو کئے جاتے ہیں شرک کی اسی قسم سے متعلق ہے آپ کا یہ ارشاد کہ اس امت میں

شرک کا چیونٹیوں کی دھیمی چال سے بھی زیادہ غیر محسوس:

یہ عاجز اپنے علم و مطالعہ کی حد تک پورے اطمینان کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ تقویۃ الایمان" میں حضرت شاہ شہیدؒ نے ان مشرکانہ اعمال کو "شرک" قرار دینے میں ٹھیک اسی قرآنی و نبوی انداز کی پیروی کی ہے جس کی وضاحت علامہ ابن قیمؒ کی منقولہ بالا بحث میں کی گئی ہے ___ بلکہ خود حضرت شاہ شہیدؒ نے تقویۃ الایمان کے شروع ہی میں فصل اول کے تحت پہلی آیت کا ترجمہ لکھنے کے بعد اسکے فائدہ میں یہ بات صاف کر دی ہے کہ "شرک کی ایک قسم وہ ہے جس سے آدمی کافر اور دوزخ کے ابدی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جو اس سے کم درجہ کے شرک ہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی جو سزا مقرر ہے اس کا مرتکب بس وہ سزا پائے گا۔"

اگر اس عاجز کا یہ احساس نہ ہوتا کہ شرک وغیرہ دوسری عمومی گمراہیوں سے اُمت کی حفاظت کی جدوجہد کی راہ میں اس حکمت عملی کے مناسب اور بعض حالات میں ضروری ہونیکے بارے میں جو اطمینان، دین کی حفاظت اور امت کی اصلاح کی عمومی جدوجہد کے براہ راست تجربہ اور اسکی بدولت حاصل ہونے والے مخصوص ذوق و مزاج سے حاصل ہو سکتا ہے وہ صرف نظری دلائل سے نہیں ہو سکتا، تو یہ عاجز ابھی اس سلسلہ میں اور بھی کچھ عرض کرتا ___ بس اب یہ کہتے ہوئے یہ گفتگو مکمل کرتا ہے کہ جس مبارک زبان سے "یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا" کی زریں ہدایت نکلی تھی، اسی زبان سے خود "من ترك الصلاة فقد كفر ومن حلف بغير الله فقد أشرك" وغیرہ متعدد سخت جملے بھی صادر ہوئے تھے ___ اس پر غور کیا جائے، اور یہ دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر ہدایت کو اپنے صحیح محل پر رکھنے اور آپ کی اصل منشاء کو ٹھیک سمجھنے کی استعداد ہم سب کو عطا فرمادے۔

بات یہ شروع ہوئی تھی کہ مولانا زید صاحب نے شاہ شہیدؒ پر الزام لگایا ہے کہ انھوں نے تقویۃ الایمان میں شرک اصغر کو اکبر اور شرک خفی کو جلی لکھا ہے ___

اس کے جواب میں عرض کیا گیا تھا کہ تلاش کے باوجود تقویۃ الایمان میں کوئی عبارت ایسی نہیں ملی جس میں شرک اصغر کو اکبر اور شرک خفی کو جلی لکھا گیا ہو ___ ہاں ایسا بیسوں جگہ ہے کہ ایسے اعمال و رسوم کو جو شرک اکبر اور شرک جلی نہیں ہیں لیکن ان میں شرک کا شائبہ ہے، اُن کو (اصغر یا اکبر اور خفی یا جلی کی قید کے بغیر) شرک لکھا گیا ہے،

اور یہ کتاب اللہ اور ارشادات نبوی کے عین مطابق ہے ــــــــ اس سلسلہ میں کُفْرٌ دُونَ کُفْرٍ اور شِرْکٌ دُونَ شِرْکٍ سے متعلق شیخ ابن قیم کا کلام بھی نقل کیا گیا ہے۔

اب یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ فی الحقیقت مولانا زید صاحب کے الزام کی بنیاد امیر شاہ خاں صاحب مرحوم کی نقل کی ہوئی ایک حکایت پر ہے[1] جو امیر الروایات میں درج ہے، جس میں تقویۃ الایمان کے بارے میں خود شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ "اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے، مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے"۔

یہ تو عرض کیا جا چکا ہے کہ تقویۃ الایمان میں کہیں بھی تلاش کے باوجود ایسی کوئی عبارت نظر نہیں پڑی جس میں شرک خفی کو شرک جلی لکھا گیا ہو ــــ اس کے بعد یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ حکایت میں شرک خفی کو شرک جلی قرار دینے کی جو بات لکھی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے، اس واقعہ کے روایت کرنے والے کسی راوی کی غالباً غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔

---

[1] حکایت کے نقل کرنیوالے امیر شاہ خاں صاحب مرحوم خورجہ (ضلع بلند شہر) کے رہنے والے ایک مرد صالح تھے اُن کو ہمارے اکابر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے ساتھ عقیدت و محبت کا غیر معمولی تعلق تھا، اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں بزرگوں کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کا انکو بہت موقع عطا فرمایا تھا، انکی ایک خصوصیت یہ تھی کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے سلسلے سے تعلق رکھنے والے اکابر و مشائخ اور خاص مسترشدین و متوسلین کے سیکڑوں واقعات اور ملفوظات انکو محفوظ تھے، اور وہ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ ان واقعات و ملفوظات کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے، جن میں دینی افادیت کا بلا شبہ بڑا سامان ہے ــ ہمارے بعض اکابر خاص کر حکیم الامت حضرت تھانویؒ کو خیال پیدا ہوا کہ امیر شاہ خاں صاحب بزرگوں کے جو واقعات، حالات اور ملفوظات بیان کرتے ہیں اُن کو قلمبند کرا کے کتابی شکل میں محفوظ کر دیا جائے، خود امیر شاہ خاں صاحب نہ صاحب علم تھے نہ صاحب قلم، ان کا علم بس وہی تھا جو انھوں نے بزرگوں سے سنا تھا، اس لئے یہ کام وہ خود نہیں کر سکتے تھے، حضرت حکیم الامت کے ایما پر مولانا حبیب احمد کیرانوی مرحوم نے خانصاحب سے سُن سُن کر حکایات کے عنوان سے قلمبند کیا اور ان حکایات کا مجموعہ "امیر الروایات" کے نام سے شائع بھی ہو گیا۔

امیر شاہ خاں صاحب مرحوم نے شاہ شہیدؒ کا زمانہ نہیں پایا، قریبًا سو سال کا فرق ہے
امیر شاہ خاں مرحوم نے یہ بھی بیان نہیں کیا کہ یہ بات اُن سے کن حضرات نے بیان کی، بظاہر اسکی
روایت میں دو تین واسطے ضرور ہوں گے، غالب گمان یہی ہے کہ ان میں سے کسی راوی کی
غلط فہمی سے یہ غلطی ہوئی ہو، اور یہ بھی ناممکن نہیں ہے کہ خود امیر شاہ خاں صاحب مرحوم
سے یہ مسامحت ہو گئی ہو، وہ عالم نہیں تھے، ان کا علم بس وہی تھا جو انھوں نے اپنے
اُن بزرگوں سے جن کو انھوں نے پایا براہ راست سُنا تھا، اور جن بزرگوں کو نہیں پایا
ان کے وہ واقعات و ملفوظات دوسرے بیان کرنے والوں سے سُنے تھے ———

اس عاجز کا یہ بھی خیال ہے کہ شاہ شہیدؒ نے غالبًا یہ فرمایا ہو گا کہ "اُن امور کو جو شرک
خفی تھے، شرک لکھ دیا گیا ہے" ——— چونکہ علماء کرام کے علاوہ عوام "شرک"
اسی کو سمجھتے اور کہتے ہیں جو شرک اکبر اور شرک جلی ہو، اس لئے نقل کرنے والے صاحب نے
جو خود صاحبِ علم نہ ہوں گے شرک کے ساتھ "جلی" کا لفظ بڑھا دیا ———
یہ بات کچھ بھی مستبعد نہیں ——— واللہ اعلم۔

---

۴۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ
گرامی کے بارے میں حضرت شاہ اسماعیل شہید کے دل میں کیا جذبات تھے؟ تو اس کا
صحیح علم تو اللہ تعالےٰ ہی کو ہے ——— وہی دلوں کا حال جاننے والا ہے، ہم کمزور و ناتواں
بندے تو شواہد و قرائن سے اندازے ہی لگا سکتے ہیں، ہم نے اُن کی زندگی بھر کے جو حالات
پڑھے ہیں، اور جس قسم کے لوگوں کو ان کی تعریف میں رطب اللسان پایا ہے اسکی روشنی
میں ہمارا گمان یہی ہے کہ وہ ان باتوفیق بندگانِ خدا میں سے ایک تھے، جنھیں رسول اکرم
صلے اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ سے سچی محبت ہوتی ہے، بلکہ جن کا رُواں رُواں اُنکی محبت
سے معمور ہوتا ہے ——— انھوں نے جہاں توحید کی حفاظت کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم اور صالحین امت کی شان بندگی کو صاف لفظوں میں بیان کیا ہے، وہاں کے لئے
انہی محبوبان بارگاہ الٰہی کا اسوہ یہی تھا، اور جہاں اس طرح کا کوئی تقاضا نہیں تھا
وہاں انھوں نے اپنے دلی جذبات کا اظہار اسی انداز میں کیا ہے۔ جو سچی محبت والوں
کے شایانِ شان ہے، خود تقویۃ الایمان کی ابتدا جن سطروں سے کی گئی ہے ذرا انھیں

ملاحظہ فرمایئے :-

"الٰہی ہزار ہزار شکر تیری ذات پاک کو کہ ہم کو تو نے ہزاروں نعمتیں دیں اور اپنا سچا دین بتایا اور سیدھی راہ چلایا اور اصل توحید سکھائی، اور اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں بنایا اور ان کی راہ سیکھنے کا شوق دیا، اور انکے نائبوں کی کہ جو ان کی راہ بتاتے ہیں اور انکے طریقے پر چلاتے ہیں، انکی محبت دی، سو اے پروردگار ہمارے! تو اپنے حبیب پر اور اسکے آل و اصحاب پر اور اسکے سب نائبوں پر ہزار ہزار درود اور سلام بھیج اور اُس کی پیروی کرنے والوں کو رحمت کر اور ہم کو ان میں شریک کر۔"

اسی طرح تقویۃ الایمان کے آخری صفحہ پر خاتمہ میں تحریر فرمایا ہے :-

"سو اے مالک ہمارے! اپنے ایسے پیغمبر رحیم و کریم پر ہزاروں درود و سلام بھیج، اور انھوں نے جیسا ہم سے جاہلوں کو دین کے سکھانے میں حد سے زیادہ کوشش کی سو تو بھی اس کوشش کی قدردانی کر۔"

اسی طرح حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنی ایک دوسری تصنیف "منصب امامت" میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی عظمتِ شان اور بارگاہ خداوندی میں انکی محبوبیت، مقبولیت کا جو وجد آفریں بیان فرمایا ہے اسکی چند سطریں ذیل میں ملاحظہ فرمایئے، اور ___ اگر اللہ تعالےٰ نے ذوقِ نظر عطا فرمایا ہے تو اِن سطور کے آئینہ میں، حضرت شاہ شہیدؒ کی قلبی کیفیت کو بچشم خود دیکھئے!

"باید دانست کہ انبیاء علیہم السلام را بحضور حضرت رحمان بہ نسبت جمیع افراد انسان نوعے از امتیاز ثابت است کہ بہ نگاہ مہربانی منظور اند و بہ لطفِ ربانی مسرور، بہ مزیتِ انعام سرفراز اند و بہ مزید اکرام ممتاز، یا سمین چمنِ محبوبیت اند و اورنگ نشیں انجمن مقبولیت اختران افلاک انس اند، افسران املاک قدس اند، و بتفویض مناصب عظیمہ لائق اند، و در سرانجام مہمات فخیمہ فائق، امرائے محافلِ کروبیاں اند، و سرانِ عساکر قدوسیاں، ہمت ایشاں مفتاح اغلاقِ ابواب است، دعائے ایشاں بلا ریب مستجاب، محب ایشاں محبوب حضرت رب الارباب است، و مبغض ایشاں مغضوب آنجناب، محبتِ ایشاں باعثِ رفع

درجات است وتوسل ایشاں وسیلۂ نجات"۔ (منصب امامت ص۹۴)

"معلوم ہونا چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام کو دیگر افرادِ انسانی کے مقابلہ میں خاص امتیاز حاصل ہے، ان پر خداوند کریم کی نظرِ رحمت ہے اور ان کو عنایات الٰہیہ سے خاص مسرت ہے، وہ فراوانی انعامات سے سرفراز اور فضل وکرم کی بارشوں سے ممتاز ہیں، چمنِ محبوبیت کے گلِ یاسمین اور انجمنِ مقبولیت کے اورنگ نشین ہیں، آسمانِ انس کے درخشاں اختر اور عالم قدس کے افسر ہیں، مناصب جلیلہ کی تفویض کے لائق اور مہتم بالشان امورِ عظام کی انجام دہی میں فائق ہیں، کروبیوں کی محفلوں کے سردار اور قدوسی لشکروں کے سپہ سالار ہیں، ان کی خاص توجہ بند دروازوں کی کنجی ہے اور ان کی دعا لا ریب مقبول ہوتی ہے، ان سے محبت کرنے والا حضرت رب العزت کا محبوب اور ان سے عداوت رکھنے والا اس بارگاہ میں مبغوض ومغضوب ہے، ان کی محبت ترقیٔ درجات کا ذریعہ اور ان کا توسل نجات کا وسیلہ ہے"۔

اور انہیں حضرت شہیدؒ کی ایک طویل معروف نظم ہے جس کا عنوان ہے "سلک نور" اس کے شروع میں جیسا کہ چاہیئے تھا اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا کے چند اشعار ہیں، اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں رقمطراز ہیں:۔

خصوصاً کہ جو اکمل انسان ہے — وہ سارے صحیفوں کا عنوان ہے
وہ انسانِ اکمل ہے سنتے ہو کون! — ہوئے مفتخر جس سے یہ دونوں کون
نبی البرایا رسول کریم — نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم
حبیبِ خدا سید المرسلین — شفیع الوریٰ ہادیٔ راہِ دیں
محمد ہے نام اس کا احمد لقب — بیاں ہو سکے منقبت اسکی کب
دل اس کا جو ہے مخزنِ سرِّ غیب — مبرا خطا سے ہے بے شک وریب
بظاہر جو ہے مقطعِ انبیاء — حقیقت میں ہے مطلعِ اصفیاء

(کلام شاہ اسمٰعیل شہیدؒ مرتبہ جناب خالد سیف اللہ ص۲۱ بحوالہ ماہنامہ برہان دہلی)

۵۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے بارے میں معمولی سی واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ انہیں اللہ ورسول سے سچی محبت کی دولت نصیب تھی انہیں ہم نے حضرت شاہ اسمٰعیل شہید"

اور خاص کر انکی کتاب تقویۃ الایمان کی تعریف میں رطب اللسان ہی پایا ہے [illegible]
علیہ الرحمۃ نے اپنے مضمون میں حضرت سائیں توکل شاہ وغیرہ بعض اکابر و مشائخ کا تذکرہ فرمایا
ہے جنھوں نے مولانا اسمٰعیلؒ کے حق میں کلمات خیر کہے تھے ـــــ یہ عاجز چند اور اکابر کی طرف
عام قارئین خصوصاً محترم مولانا زید صاحب کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے جو نام قابل ذکر ہے وہ ہے حضرت مولانا شاہ عبدالغنی
مہاجر مدنیؒ کا جو مولانا زید صاحب کے والد بزرگوار حضرت مولانا شاہ ابوالخیر صاحب مجددی فاروقیؒ
کے استاذ مکرم اور انکے دادا کے حقیقی بھائی تھے، انکی عبارت خود مولانا زید صاحب نے تتمہ مقامات
مظہری کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے جس میں حضرت ممدوح نے حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور
انکے مرشد حضرت سید احمد شہیدؒ کا ذکر پورے احترام کے ساتھ کیا ہے اور ان کیلئے شہیدؒ کا
لفظ استعمال کیا ہے[لہ]۔ (ناظرین کرام یہ عبارت مولانا فریدی مرحوم کے مضمون میں اسی
مقام پر دیکھ چکے ہیں جہاں مولانا زید صاحب کا مکتوب نقل کیا گیا ہے بہتر ہو کہ اس موقع پر اس
عبارت پر ایک بار پھر نگاہ ڈال لی جائے۔)

پھر حضرت مولانا شاہ عبدالغنی کے تلامذہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت
مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور پھر انکے تلامذہ میں شیخ الہند
حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور حضرت مولانا عبدالعلی فریدیؒ صدر المدرسین
و شیخ الحدیث مدرسہ عبدالرب دہلی (جو خود محترم مولانا زید صاحب کے استاذ بھی ہیں)۔
اور ـــ انکے بعد کے طبقہ میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ ـــــ
اور ـــ انکے بعد کی نسل میں مولانا نسیم احمد فریدیؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی وغیرہ
بے شمار اہل علم و ذکر ـــــ اور ـــــ کون نہیں جانتا کہ یہ سب کے سب حضرت شاہ
اسماعیل شہیدؒ کی عقیدت و محبت اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان کی مدح و تحسین میں
یک زبان اور رطب اللسان ہیں۔

مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا یہ بیان جو ایک
فتوے کے ضمن میں انھوں نے لکھا تھا:۔

"مولوی محمد اسمٰعیل صاحب عالم متقی، بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنت کے

---

لہ یاد رہے کہ مولانا زید صاحب نے اپنی کتاب میں اور خط میں بھی ان کیلئے شہید کا لفظ لکھنے سے پرہیز کیا ہے۔

جاری کرنے والے اور قرآن و حدیث پر پورا عمل کرنے والے اور خلق اللہ کو ہدایت کرنے والے تھے، اور تمام عمر اسی حال میں رہے اور آخر کار فی سبیل اللہ جہاد میں کفار کے ہاتھ سے شہید ہوئے ...... اور کتاب "تقویۃ الایمان" نہایت عمدہ کتاب ہے اور رد شرک و بدعت میں لاجواب ہے استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں ...... (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱ ص ۱۱۵)

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے ایک سائل کے سوال کے جواب میں لکھا تھا :۔

"احقر مولوی اسماعیل صاحب شہیدؒ کو اور اس خاندان کو اپنا پیشوا سمجھتا ہے، اور بے تعصب ان کی باتیں موافق قرآن اور حدیث کے پاتا ہے، اور ان کے مخالفین کو حق سے دور اور ہٹ دھرمیاں کرتے دیکھتا ہے"۔

(مکتوبات یعقوبیہ ص ۲۴)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی کتاب "الجہد المقل" میں لکھا ہے :۔

"عالم نبیل فاضل جلیل نمونۂ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" مولانا الحافظ الحاج مولوی اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ و علی آبائہ الکرام نے ...... جب اپنے زمانہ میں امور شرک و بدعت کا رواج زیادہ دیکھا تو مولانا ممدوح نے بمقتضائے تائید دین جہاں تک ہو سکا زبان سے نصیحت فرمائی، تحریروں کی بھی نوبت آئی چنانچہ رسالہ تقویۃ الایمان بھی جب ہی لکھا جس میں نصوص صریحہ سے نہایت سلاست کے ساتھ توحید کو بیان فرمایا ...... اسکی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت و صحت عقائد نصیب ہوئی۔

(الجہد المقل ص ۲)

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی علیہ الرحمہ ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے انھوں نے خود نو عمری میں اسلام قبول کرنے کا واقعہ اس طرح تحریر فرمایا ہے :۔

سب سے پہلے جس کتاب نے مجھے اسلام کے متعلق صحیح واقفیت دی اور ہندو سوسائٹی میں رہ کر میں سولہ برس کی عمر سے پہلے ہی مسلمان ہو گیا وہ "تحفۃ الہند" ہے "تحفۃ الہند" کے (میرے ہم نام) مؤلف نے ہندو مذہب کی مشرکانہ

عقائد و رسوم کو نقل کرنے کے بعد ہندوؤں کی طرف سے ایک اعتراض نقل کیا ہے
کہ مسلمانوں میں بھی مشرکانہ اعمال و رسوم پائے جاتے ہیں، اس کا جواب مؤلف
نے یہ دیا ہے کہ ہم نے ہندو مذہب کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ انکی مستند مذہبی کتابوں
سے ماخوذ ہے لیکن اسکے جواب میں جو کچھ پیش کیا جاتا ہے وہ اسلام کی مستند
کتابوں سے ماخوذ نہیں بلکہ مسلمانوں کے اعمال و رسوم ہیں جنکا اسلام ذمہ دار
نہیں۔ اور قرآن و حدیث سے اسکی کوئی سند پیش نہیں کی جا سکتی اس موقع
پر میرے ساتھی جو میری طرح نو مسلم تھے انکو توجہ ہوئی کہ وہ اس بات کی
تحقیق کریں کیا واقعی اسلام کی مستند کتابیں اس مسئلہ میں بالکل بے داغ ہیں
اور ان میں ان اعمال و رسوم کا کہیں ثبوت نہیں اس موقعہ پر ایک ایسی
کتاب کی ضرورت تھی جس میں صرف قرآن اور حدیث کے حوالہ سے اسلام
کی توحید پیش کی گئی ہو خوش قسمتی سے تحفۃ الہند کے بعد جو دوسری کتاب
میرے ہاتھ میں آئی وہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی تقویۃ الایمان تھی جو اس
سوال کا جواب شافی تھی اور جس سے معلوم ہو گیا کہ اسلام کی توحید بالکل
خالص ہے، اور قرآن اور حدیث مسلمانوں کے ان اعمال و رسوم سے
بالکل بری ہیں۔

ان دونوں کتابوں سے میں اسلام کے متعلق ایسا صحیح عقیدہ پیدا
کر سکا کہ آج تک شاید اس میں ایک حرف کا بھی اضافہ نہیں کر سکا۔"
(مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص ۲۹)

نیز انہی مولانا سندھی کا بیان ہے:۔

"اسلام کے اظہار سے پہلے میں نے شاہ صاحب کی تقویۃ الایمان پڑھی
چنانچہ رد شرک کے متعلق مجھے اس سے بڑا فائدہ پہنچا بلکہ ایک لحاظ سے
یہ کتاب مجھے اسلام میں لانے کا ذریعہ بنی غرضیکہ امام محمد اسماعیل میرے
استاذ اور امام ہیں اور مجھے ان سے بہت محبت ہے جس طرح لوگ اپنے
مذاہب کے ائمہ سے کرتے ہیں۔" (شاہ ولی اللہ اور انکی سیاسی تحریک ص ۱۰۸)
تقویۃ الایمان کے بارے میں علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنا تاثر ان لفظوں میں بیان

کیا ہے :-

"میرے بڑے بھائی مولوی حکیم سید ابو حبیب مختار رضوی مجددی ......
توحید و سنت کے شیفتہ اور دلدادہ تھے۔ اور تمام عمر کامل اتباع سنت اور
زہد و تقویٰ میں گذاری ..... مسلمانوں میں بدعت کا رواج زیادہ تر عورتوں
کے سبب سے ہے، اس لئے اُن کو اپنے رشتہ کی بیبیوں اور گاؤں کی دوسری بیبیوں
کو سمجھانے اور اسلام کی صحیح تعلیم سے آشنا کرنے کی دُھن تھی۔ انھوں نے ہفتہ میں
ایک دن بیبیوں میں وعظ و تلقین کیلئے مخصوص فرمایا، چونکہ میں بچہ تھا فارسی
ختم ہو کر میزان و منشعب شروع کی تھی۔ قرآن پاک کے بعد مولانا شاہ اسمٰعیل
شہیدؒ کی تقویۃ الایمان دین کی پہلی کتاب میرے ہاتھ میں دی گئی میں ان
بیبیوں کے بیچ بیٹھ کر تقویۃ الایمان کی ایک ایک بات پڑھتا تھا اور بھائی
صاحب مرحوم پردہ کے پیچھے سے ایک ایک مسئلہ کی تشریح و تفسیر فرماتے اور جو وہ
فرماتے وہ میرے دل میں بیٹھتا جاتا۔
یہ پہلی کتاب تھی جس نے مجھے دین حق کی باتیں سکھائیں اور ایسی سکھائیں
کہ اثنائے تعلیم و مطالعہ میں بیسیوں آندھیاں آئیں کتنی دفعہ خیالات کے طوفان
اٹھے مگر اس وقت جو باتیں جڑ پکڑ چکی تھیں ان میں سے ایک بھی اپنی جگہ سے
ہل نہ سکی، علم کلام کے مسئلے، اشاعرہ و معتزلہ کے نزاعات، غزالی و رازی
و ابن رشد کے دلائل یکے بعد دیگرے نگاہوں سے گذرے مگر اسماعیل شہیدؒ کی
تلقین بہر حال اپنی جگہ باقی رہی۔ (مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں صہ)

اب ذرا موازنہ کیجئے تقویۃ الایمان اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے متعلق اِن حضرات کے
احساسات و تاثرات کا محترم مولانا ابوالحسن زید صاحب کے اس فیصلہ سے کہ "اس کتاب
میں ایسی عبارتیں ہیں جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کی گئی ہے،
اس لئے اللہ کے نیک بندوں کے دل اس سے آزردہ ہوتے ہیں اور وہ مولانا اسماعیل
دہلوی سے متنفر ہیں" ـــــ ع ـ "شتان بین مشرق و مغرب" ـــــ
ـــــ اور ـــــ ع ـ "ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا" کے مصداق
اِن دونوں تأثرات میں زمین آسمان کا فرق آپ کو صاف نظر آئے گا ـــــ اگر مولانا

بوالحسن زید صاحب کی یہ بات صحیح ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ جن لوگوں کے تأثرات سطور بالا میں پیش کئے گئے اُن کے دل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت سے (معاذ اللہ) بالکل خالی ہیں۔ اور وہ حدیث نبوی "لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب الیہ من والدہ وولدہ والناس أجمعین"۔۔۔۔ کے بموجب ایمان سے محروم نہیں تو "ناقص الایمان اور اللہ کے نیک بندوں" کی فہرست سے خارج ضرور ہیں۔۔۔۔!!

۶۔ بلکہ بات یہاں پر آکر بھی نہیں ٹھہرتی، مولانا ابوالحسن زید صاحب نے اپنی کتاب میں جس طرح تقویۃ الایمان و مولانا اسماعیل کے متعلق بعض حضرات کے سخت منفی خیالات کا اپنے موقف کی دلیل کے طور پر تذکرہ فرمایا ہے اس کی روشنی میں تو معاملہ کی نوعیت کہیں زیادہ سنگین ہو جاتی ہے۔

مولانا فضل حق خیرآبادی تیرہویں صدی کے معروف اور مولانا اسماعیل دہلوی کے معاصر اہل علم میں سے ہیں بعض وجوہ سے ایک زمانہ میں ان پر مولانا اسماعیل دہلوی کی شدید مخالفت کا غلبہ ہو گیا تھا،[۱] اس زمانہ میں انھوں نے ایک کتاب "تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی" لکھی تھی جو در اصل تقویۃ الایمان میں مسئلہ شفاعت کے بارے میں مولانا اسماعیل دہلوی کی ایک عبارت کے متعلق ایک سائل کے تین سوالات کے جواب کے طور پر لکھی گئی تھی، کتاب خاصی ضخیم ہے۔ اس عاجز کے پاس اس کا جو نہایت قدیم قلمی نسخہ ہے اس کے صفحات ۲۸۸ ہیں ــــــ

غالباً جواب کی اسی طوالت کے پیش نظر مولانا خیرآبادی نے کتاب کے آخر میں سائل کے سوال اور اپنے جواب کا خلاصہ خود ہی لکھ دیا ہے۔ ذیل میں وہ خلاصہ اور اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:ـ

مستفتی در استفتاء سہ سوال کردہ، یکے آنکہ ایں کلام حق است یا باطل، دوئم آنکہ کلامش بر استخفاف و انتقاص شان رفیع و توقیر حضرت سید الاولین والآخرین

مستفتی نے تین سوال کئے تھے (۱) تقویۃ الایمان کی پیش کردہ عبارت حق ہے یا باطل؟ (۲) یہ کلام حضور سید المرسلین علیہ الصلوات والتسلیمات کی شان میں بے ادبی اور تنقیص

---

[۱] اہل نظر نے اس سلسلہ میں کئی وجوہ کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں سے مولانا خیرآبادی کا معقولات میں زیادہ اشتغال جو عموماً طور پر انانیت و اعتدی کی طرف لے جاتا ہے نیز مولانا اسماعیل دہلوی سے معاصرانہ رقابت اور بدایوں والوں کی اشتعال انگیزی اور تفرقہ اندازی کی کوشش قابل ذکر ہیں۔ واللہ اعلم

افضل الانبیاء والمرسلین اشتمال دارد یا نہ؟
سوم آنکہ بر تقدیر اشتمال ودلالت آن شناعت
استخفاف وانتقاص شان آنحضرت حکم
مرتکب آن شرعاً چیست؟ واز روئے
دین وملت کیست؟

پر مشتمل ہے یا نہیں؟ (۳) اگر یہ بات صحیح
ہے کہ اس کلام میں حضورؐ کی شان میں بے ادبی
اور تنقیص ہے تو اسکے قائل اور اس کا عقیدہ
رکھنے والوں کے بارے میں شریعت کا حکم
کیا ہے؟

جواب سوال اول این است کہ کلام
قائل مذکور از سرتا پا کذب وزور وفریب
وغرور است کہ او نفی سبب بودن شفاعت
برائے نجات گنہگاران ونفی شفاعت وجاہت
وشفاعت محبت از آن حضرت وحضرات
سائر انبیاء وملائکہ واصفیاء می کند۔ این
اعتقاد او خلاف کتاب مبین واحادیث
سید المرسلین است کما ثبت فی المقام
الأول مفصلاً وقد بان بطلان بعض کلماتہ
فی المقام الثانی مجملاً

(۱) پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام
از سرتا پا جھوٹ فریب اور دھوکہ بازی
ہے کیونکہ وہ آنحضرتؐ اور تمام انبیاء
علیہم السلام اور ملائکہ اور اصفیاء واولیاء
سے گنہگاروں کے حق میں شفاعت محبت
اور شفاعت وجاہت کی نفی کرتا ہے اس کا
یہ عقیدہ کتاب اللہ اور حضورؐ کے ارشادات
اور مسلمانوں کے اجماع کے خلاف
ہے جیسا کہ تفصیل سے لکھا جا چکا۔

جواب سوال دوم اینست کہ کلام او بلا
تردد واشتباہ بر استخفاف منزلت و
جاہ آن سرور ومقربان بارگاہ حضرت اللہ و
انتقاص شان سائر انبیاء وملائکہ واصفیاء
وشیوخ واولیاء اشتمال دارد چنانچہ در مقام
ثالث مذکور وفیما سبق مبرہن ومسطور است۔

(۲) دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ
اس کا یہ کلام سرور کائنات اور تمام
انبیاء و ملائکہ اور اصفیاء و مشائخ اور
اولیاء کرام کی شان میں بے ادبی اور
تنقیص پر مشتمل ہے۔

جواب سوال ثالث اینست کہ قائل
این کلام لاطائل از روئے شرع مبین
بلاشبہ کافر وبے دین است ہرگز مومن
ومسلمان نیست وحکم او شرعاً قتل وتکفیر

(۳) تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام
کرنے والا شخص (اس عبارت کا لکھنے والا)
شرع مبین کے حکم کے مطابق کافر بے دین ہے
ہرگز مومن اور مسلمان نہیں اور شرعاً اس کا

است و ہر کہ در کفر او شک آرد یا تردد دارد
یا ایں استخفاف را سہل انگارد کافر و بے دین
و نا مسلمان و لعین است الا در کفر و بیدینی
کمتر است از کسیکہ ایں کلام ضلالت نظام
را صواب و مستحسن پندارد و اعتقاد کند، و ایں کلام را
از عقائد ضروریہ دین شمارد، و آں کس در
کفر یا قائل ہمسر بلکہ در استخفاف از و بالاتر است
چہ او استخفاف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
و سائر انبیاء و ملائکہ و اولیاء را مستحسن
داشت و آنرا از ضروریات دین پنداشت"
و ہمچناں کسیکہ ظاہراً یا باطناً پاسداری ایں
قائل در ایں چنیں مسائل روا دارد و برائے
حفظ حرمت او در اہل تاویلات دور از کار
بر روئے کار آرد چہ او نیز مرتکب استخفاف
شان حضرت سید المرسلین شد کہ پاسداری
بے دینے را بر احترام سید الانام علیہ التحیۃ
والسلام رجحان داد بخوف ملامت بلکہ
بمقتضائے بدبختی و شامت در پئے اثبات
آنچہ بر استخفاف آنحضرت دلالت دارد
افتاد، و ایں ہمہ کفر و زندقہ است و
الحاد ہے"

حکم یہی ہے کہ اسکی تکفیر کی جائے اور اسے قتل
کر دیا جائے۔ اور جو شخص اسکے کفر میں شک
کرے اور اسکی بے ادبی اور گستاخی کو معمولی بات
سمجھے وہ بھی کافر بے دین اور غیر مسلم و ملعون ہے
لیکن اس شخص کا کفر ان لوگوں کے مقابلہ میں کم تر
درجے کا ہے جو اسکے کلام کو درست اور مستحسن سمجھیں
اور اس عقیدہ کو دین کے ضروری عقائد میں شمار
کریں اور ایسا کرنے والے کا کفر کلام کرنیوالے کے
برابر ہے بلکہ اس سے بھی بالاتر ہے چونکہ اس نے
آنحضرت اور دوسرے انبیاء کرام اور اولیاء و
اصفیاء اور ملائکہ کی توہین و تنقیص کو مستحسن
سمجھا بلکہ اسکو دین کا ضروری عقیدہ مانا ——
یہی حال ہے اس شخص کا جو ظاہر یا باطن
میں اس کلام کے کرنیوالے کی پاسداری کرتا
اور انکی آبرو باقی رکھنے کیلئے دور از کار تاویلات
کرتا ہے اس لئے کہ وہ بھی اسی توہین و تنقیص کا
مرتکب ہے کیونکہ وہ حضور کے احترام کے مقابلہ میں
ایک بے دین کی پاسداری کو ترجیح دیتا ہے اور
ملامت کے خوف سے بلکہ فی الحقیقت اپنی بدبختی
کی وجہ سے ان چیزوں کے ثابت کرنیکے پیچھے
پڑا ہے جن میں حضور اکرم کی توہین و تنقیص ہے اور
یہ سب کفر و الحاد اور زندقہ ہے .....

ہمیں یہاں مولانا فضل حق خیر آبادی کے اس فتوے پر گفتگو نہیں کرنی ہے نہ اسکی ضرورت
ہے ماضی میں اس موضوع پر کافی بحث کی جا چکی ہے. اور اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ
خود مولانا فضل حق خیر آبادی نے اس سے رجوع کر لیا تھا، جیسا کہ انشاء اللہ ہم آئندہ

عرض کریں گے ـــــ ہم تو یہاں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ محترم مولانا ابوالحسن زید صاحب نے اپنی کتاب میں اس فتویٰ کو "تحقیق انیق اور" تحقیق بھری کتاب" قرار دیا ہے اور صاف لفظوں میں اسکی تائید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے :۔

"میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور یہ اثر لیا ہے کہ اگر کوئی شخص انصاف کی نظر سے اس کا مطالعہ کرے گا وہ ان اکابر کا ہمنوا بنے گا"

اس کا صاف مطلب اور لازمی نتیجہ یہی سمجھا جائے گا کہ مولانا زید صاحب کو اس فتوے سے پورا اتفاق ہے، انکے نزدیک بھی وہ تمام حضرات جو تقویۃ الایمان کے مشتملات کو درست اور کتاب و سنت کے مطابق سمجھتے ہیں، کافر، بے دین اور غیر مسلم اور ملعون ہیں! اب آپ خود سمجھ لیجئے کہ کیسے کیسے علماء و مشائخ، اور زہد و تقویٰ و علم و معرفت کے اساطین اس فتوے کی زد میں آتے ہیں؟ ـــــ گزشتہ صفحات میں ہم نے تقویۃ الایمان کے بارے میں جن بزرگوں کے توصیفی و تعریفی کلمات نقل کئے تھے، اس موقع پر ذرا ایک بار پھر انکے ناموں پر نظر ڈال لیجئے اور انکی شخصیتوں اور رتبہ و مقام کو ذہن میں تازہ کر لیجئے .....!!

ہم اب تک مولانا زید صاحب کے بارے میں جو کچھ جانتے تھے اسکی روشنی میں یہ صورتحال ہمارے لئے سخت حیران کن بھی ہے اور رنج انگیز بھی!

ناطقہ سربگریباں کہ اسے کیا کہیئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی ہر طرح کے زیغ و ضلال سے آخری وقت تک حفاظت فرمائے۔

# مولانا فضل حق خیرآبادی کے رجوع کا مسئلہ

مولانا فضل حق خیرآبادی کے فتوے کا ذکر چھڑ ہی گیا ہے، تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کو اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا جائے کہ قابل اعتماد دلائل و شواہد سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے اپنے مذکورہ بالا فتوے سے جزائر انڈمان میں اسیری کے دوران رجوع کر لیا تھا، (یاد رہے کہ مولانا خیرآبادی اور مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی ان متعدد علماء و مشاہیر میں سے تھے جنھیں ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے بعد برطانوی حکومت نے حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی تھی اور جزائر انڈمان (کالا پانی) میں قید کر دیا تھا۔

امیر شاہ خانصاحب جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ کی روایت ہے کہ مولانا ملا احمد اسرائیلی

سنبھلی[1] نے ان سے یہ بیان کیا تھا کہ مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی نے ــــ جنھیں انڈمان سے رہا کر دیا گیا تھا۔ اور وہ ۱۲۷۷ھ میں اپنے وطن واپس آگئے تھے ــــ انھیں (یعنی مولانا سراج احمد سنبھلی کو) بتایا تھا کہ مولانا فضل حق خیر آبادی بہت نادم تھے، اور بہت روتے تھے کہ انھوں نے مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی مخالفت کی ــــ انھوں نے (انڈمان میں) اپنے رفقاء سے کہا تھا کہ آپ لوگ گواہ رہیں کہ میں نے اس سے رجوع کر لیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کر لی ہے ــــ اور اگر مجھے رہائی مل گئی تو ہندوستان پہنچ کر اپنے رجوع کو شائع بھی کروں گا ــــ مولانا مفتی عنایت احمد صاحب نے یہ بھی بتایا تھا کہ انھوں نے اس کے بارے میں اپنے صاحبزادے مولانا عبد الحق خیر آبادی کے نام خط بھی لکھ کر دیا تھا ــــ

آگے امیر شاہ صاحب کا بیان ہے کہ میں نے مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی کی خدمت میں حاضر ہو کر (جو مولانا مفتی عنایت احمد صاحب کے شاگرد تھے اور انکی رہائی کے بعد انکی خدمت میں کاکوری حاضر بھی ہوئے تھے) مولانا فضل حق خیر آبادی کے رجوع کے بارے میں مولانا سراج احمد صاحب کی بیان کی ہوئی مذکورہ بالا بات کا ذکر کیا تو انھوں نے اسکی تصدیق فرمائی، البتہ مولانا عبد الحق صاحب خیر آبادی کے نام خط کے بارے میں فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں ــــ (ملخصاً امیر الروایات ص۱۶۱)

اگرچہ حضرت مولانا سراج احمد صاحب اسرائیلی سنبھلی کی سند سے امیر شاہ خانصاحب کی بیان کی ہوئی روایت ــ جسکی تصدیق حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی نے بھی فرمائی ــــ رجوع کے ثبوت کے لئے کافی ہے لیکن مسئلہ چونکہ اہم ہے اس لئے یہ عاجز مناسب سمجھتا ہے کہ اسکے کچھ قرائن و شواہد بھی ذکر کر دیئے جائیں۔

مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی کی جماعت کا ایک آرگن ماہنامہ "المیزان" کے نام سے بمبئی سے شائع ہوتا ہے۔ اس کا ایک خاص نمبر ۱۹۷۶ء میں "امام احمد رضا نمبر" کے عنوان سے

---

[1] مولانا سراج احمد اسرائیلی سنبھلی حضرت مفتی عنایت احمد کاکوروی، حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی کے ہم عصر اور اُس دور کے اکابر علماء میں تھے، ۱۳۰۱ھ میں نوے سال کی عمر میں وفات پائی اس لحاظ سے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے وقت انکی عمر پچاس سال کے قریب تھی۔

شائع ہوا تھا اس میں مولوی احمد رضا خاں صاحب سے گہری عقیدت رکھنے والے پروفیسر مختار الدین احمد صاحب (ڈین فیکلٹی آف آرٹس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کا مولوی احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں ایک مضمون "شخصی جائزہ" کے نام سے چھپا تھا۔ فاضل مضمون نگار نے اس میں نواب کلب علی خاں والی ریاست رامپور کی مجلس میں مولوی احمد رضا خانصاحب اور مولانا فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے اور جانشین مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی مرحوم کی ملاقات کا ذکر کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ :-

• علامہ خیرآبادی نے گفتگو کا رخ موڑ دیا اور پوچھا کہ بریلی میں آپ کا کیا شغل ہے۔ اعلحضرت نے فرمایا کہ تدریس و تصنیف اور افتاء۔ پوچھا کس فن میں تصنیف کرتے ہیں اعلحضرت نے فرمایا کہ جس مسئلہ دینیہ میں ضرورت دیکھی اور رد وہابیہ میں، مولانا نے فرمایا کہ آپ بھی رد وہابیہ کرتے ہیں ایک وہ ہمارا بدایونی خبطی ہے ہر وقت اس خبط میں مبتلا رہتا ہے۔" (المیزان امام احمد رضا نمبر ص۳۳۲)

آگے فاضل مضمون نگار نے مولانا خیرآبادی کے اس آخری جملہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ اشارہ مولوی فضل رسول بدایونی کے فرزند و جانشین مولوی عبدالقادر بدایونی کی طرف ہے اُن کا مشغلہ اور مشن بھی وہی رہا ہے جو انکے والد بزرگوار مولوی فضل رسول بدایونی کا تھا۔

یہ عاجز عرض کرتا ہے اور امید ہے کہ ہر صاحب فہم یہی سمجھے گا کہ مولانا عبدالحق خیرآبادی مرحوم کا "ردّ وہابیہ" کو خبط اور اسکو زندگی کا مشن بنانے والے کو خبطی کہنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ بات انکے علم میں آچکی تھی کہ انکے والد ماجد حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ نے مولانا اسمٰعیل شہید رحمہ کی تکفیر کے فتوے سے رجوع فرمالیا تھا۔

پھر انکے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کا جو رویہ رہا کہ وہ شاہ اسمٰعیل شہید" کو مومن صادق امت کا مصلح اور شہید فی سبیل اللہ سمجھنے والے اکابر علما کے ساتھ ویسا ہی تعلق اور برتاؤ رکھتے تھے جیسا کہ علماء حق کا ایک دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے یہ بھی اسکی روشن دلیل ہے کہ انکو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ مولانا فضل حق رح نے خاص کر تحقیق الفتوی سے رجوع کر لیا تھا ـــــ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب ڈیڑھ سو سال تک طبع نہیں ہوئی، حال ہی میں سنا ہے کہ پاکستان میں مولوی احمد رضا خانصاحب کی جماعت سے تعلق رکھنے والے

بعض لوگوں نے یہ کتاب طبع کرا کر شائع کر دی ہے۔

اس عاجز نے خیرآباد کے علمی سلسلہ کے آخری بزرگ حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ کو دیکھا ہے اور بفضلہ تعالیٰ ان سے اچھا خاصا نیازمندانہ ربط بھی رہا ہے ان کا رویہ یہی تھا، انکے ایک عزیز اور چہیتے شاگرد مولانا عبدالشاہد خاں شروانی نے حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کے عربی قصیدہ "الثورۃ الہندیۃ" کا ترجمہ ایک طویل مفصل مقدمہ کے ساتھ باغی ہندوستان[۱] کے نام سے اب سے قریباً نصف صدی پہلے لکھا اور شائع کیا تھا اس میں انھوں نے صراحت کے ساتھ مولانا فضل حق خیرآبادی اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ دونوں کا ذکر پورے احترام کے ساتھ کیا ہے اور دونوں کو شہید فی سبیل اللہ قرار دیا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ انکا یہ حال اور مسلک انکے محترم استاد حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ کے تلمذ اور فیضِ صحبت کا نتیجہ ہے ـــــ اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت مولانا معین الدین اجمیری علیہ الرحمۃ اور انھیں کے طبقہ کے خیرآبادی سلسلہ کے ممتاز صاحب درس عالم مولانا فضل حق رامپوری (پرنسپل مدرسہ عالیہ ریاست رامپور) جو حضرت مولانا معین الدین ہی کی طرح بیک واسطہ مولانا عبدالحق خیرآبادی مرحوم کے شاگرد تھے، ان دونوں حضرات کا معمول تھا کہ اپنے اُن شاگردوں کو جو علمی لحاظ سے ممتاز ہوتے ان کو مشورہ دیتے کہ وہ یہاں سے فراغت کے بعد حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ سے حدیث شریف پڑھنے کے لئے ایک سال کیلئے دارالعلوم دیوبند جائیں، یہ عاجز ایسے متعدد حضرات سے واقف ہے ـــــ الغرض ان قرائن و شواہد کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مولانا مفتی عنایت احمد صاحب کی روایت کے بارے میں کسی کیلئے شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

۷۔ مولانا فریدی مرحوم کے مضمون کے آخر میں ناظرین کرام ۱۲۴۰ھ میں جامع مسجد دہلی میں ہونے والے ایک مباحثہ و مناظرہ کی روئداد ملاحظہ فرما چکے ہیں، خدا کرے کہ تاریخی اعتبار سے یہ روئداد مولانا کا ایک نادر تحفہ سمجھ کر پڑھی جائے ـــــ اہل ذوق و اہل نظر ہی اسکی تاریخی اہمیت کو محسوس کر سکیں گے ـــــ یہاں پر یہ عاجز ایک ایسے علمی پہلو کی طرف بھی عام قارئین کی اور خصوصاً اہل علم کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے جو خود اسے بڑی شدت سے اس روئداد کے مطالعہ کے دوران محسوس ہوا۔ وہ یہ کہ یہ ایک عجیب قسم کا مناظرہ تھا ایک

---

[۱] باغی ہندوستان ص۱۲۱

فریق ہزاروں کا مجمع ساتھ لے کر جامع مسجد میں اچانک آگیا تھا اور دوسرے فریق ۔۔۔ یعنی مولانا اسمٰعیل شہیدؒ، مولانا عبدالحی شہیدؒ اور انکے کسی رفیق و ہمخیال ۔۔۔ کو خبر بھی نہیں تھی کہ کوئی مناظرہ ہونیوالا ہے ۔۔۔ مولانا عبدالحیؒ اپنے روزمرہ کے معمول کے مطابق جامع مسجد میں درس و وعظ میں مشغول تھے، ۔۔۔ جب انکے سامنے مناظرہ کا مسئلہ رکھا گیا تو انھوں نے عذر کیا، انکو مجبور کیا گیا، بالآخر وہ اس مجمع میں تشریف لائے۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ بھی ساتھ تھے، انکو تو انھوں نے مشورہ دیا کہ آپ تو گھر تشریف لے جائیں ۔۔۔ پھر اس مناظرہ میں وہ ہوا، جو آپ خود مولانا عبدالحی صاحبؒ کی زبانی سن چکے ہیں ۔۔۔
اس روئداد کے مطالعہ سے للٰہیت، بے نفسی اور ہارجیت سے بے نیاز ہو کر صرف احقاقِ حق اور ہدایتِ خلق کا جو نمونہ سامنے آتا ہے وہ بڑا ہی سبق آموز اور قابلِ تقلید ہے۔

یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا عبدالحیؒ کے پیش نظر جھگڑے کو طویل دینا نہیں ہے بلکہ صرف یہ ہے کہ سوال کا مختصر جواب دے کر اس ہنگامہ آرائی کو جلد از جلد دفع کیا جائے۔

اس مناظرہ کا یہ پہلو بھی خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے کہ اس میں نہ تقویۃ الایمان کا ذکر آیا ہے نہ اسکی ان عبارتوں میں سے کسی عبارت پر بحث کی گئی ہے جنکے بارے میں حضرت شاہ شہیدؒ کے مخالفین کا دعویٰ ہے کہ اُن میں (معاذ اللہ) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کی گئی ہے، اور اسی بنیاد پر کفر کے فتوے دیئے گئے ۔۔۔ اور معلوم ہے کہ شاہ شہیدؒ نے اپنے سفر حج سے پہلے (جو ۱۲۳۶ھ میں ہوا) تقویۃ الایمان تصنیف کی تھی اور شائع ہو چکی تھی، اور یہ مناظرہ چار سال کے بعد ۱۲۴۰ھ میں ہوا ہے پس اگر شاہ شہیدؒ سے اختلاف کرنیوالے ان حضرات (مولانا مخصوص اللہ صاحبؒ و مولانا رشیدالدین صاحبؒ وغیرہ) کا تقویۃ الایمان کے متعلق وہ دعویٰ ہوتا جو مولوی فضل رسول بدایونی اور مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا تھا اور اب معلوم ہوا کہ ہمارے محترم مولانا زید صاحب کا بھی ہے تو مناظرہ میں اس پر بحث ضرور ہوتی۔

الغرض مناظرہ میں تقویۃ الایمان کا نام تک نہ آنا اور اسکی کسی عبارت پر بحث نہ ہونا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ شاہ شہیدؒ کے اس وقت کے یہ مخالف علماء کرام تقویۃ الایمان اور شاہ شہیدؒ پر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں تنقیص و توہین کا الزام نہیں لگاتے تھے ۔۔۔ مولانا زید صاحب نے اس مناظرہ میں زیر بحث آنے والے جن چودہ مسائل کا ذکر کیا ہے اُن میں بھی تقویۃ الایمان کی کسی عبارت کے متعلق کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

---

ہم آخر میں صاف لفظوں میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم نہ حضرت

شاہ اسماعیل شہیدؒ کو معصوم سمجھتے ہیں، نہ ان کے استاد و مربی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو، نہ انکے شیخ و مرشد سید احمد شہیدؒ کو، اور نہ انکے دادا حضرت شاہ ولی اللہؒ کو اور نہ ان سب کے شیخ المشائخ سیدنا امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کو ــــ الحمدللہ ہم نہ صرف یہ عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ اسے ہر آن مستحضر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بنی آدم میں معصوم صرف انبیاءؑ علیہم السلام ہیں۔ انکے علاوہ بڑے سے بڑے عالم محدث، مفسر، مصلح اور امام سے غلطی ہو سکتی ہے ــــ امام دارالہجرۃ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا وہ ارشاد ہمارے نزدیک بالکل برحق اور امت کے لئے تاقیامت رہنما اصول ہے جو انھوں نے مسجد نبوی میں سیدالرسل صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

كل يؤخذ منه ويرد عليه الا صاحب هذا القبر عليه الصلوٰة والسلام

ہر شخص سے کچھ اخذ کیا جاتا ہے اور کچھ رد کیا جاتا ہے، سوائے اس قبر مبارک میں آرام فرمانے والے کے علیہ الصلاۃ والسلام

اس لئے شاہ اسماعیل شہید کی کتاب تقویۃ الایمان میں، یا کسی اور کتاب میں یا کسی بھی عالم دین کی کتاب میں، یا انکے عملی اقدامات میں ایسی چیزیں بالکل ہو سکتی ہیں جو ناقابل قبول ہوں، اور انکو رد کرنا قبول کرنے سے بہتر یا ضروری ہو ــــ لیکن ــــ حضرت شاہ اسماعیل شہید علیہ الرحمۃ پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی و گستاخی کا الزام لگانا اور یہ کہنا کہ تقویۃ الایمان سے مذہبی آزاد خیالی کا دور شروع ہوا، اور یہ کہ اس کتاب سے بارگاہ نبوت کی تعظیم و احترام میں تقصیرات کا سلسلہ شروع ہو گیا، بیان نہیں کیا جا سکتا کہ ان لوگوں کیلئے کتنا تکلیف دہ ہے جنھوں نے انہی بزرگوں کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں توحید و سنت اور محبت رسول کا سبق پڑھا ہے اور جن کے پاس جو کچھ ہے انہی حضرات کی محنتوں اور دعاؤں کی برکت سے ہے اور جو گرد و پیش کے حالات اور ماضی و حال کے جائزہ کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ؎

یہ بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے

اللہ کا شکر ہے کہ ابھی ہم غلاموں کا اتنا خون سفید نہیں ہوا، اللہ کا ایک نابینا و معذور اور صالح بندہ اس قسم کے الزامات سن کر تڑپ اٹھا اور راہ میں شہید ہونے والے

ایک مخلص بندہ (شاہ محمد اسمٰعیل ؒ) کی طرف سے دفاع اور ان پر لگائے جانے والے غلط الزامات کی تردید کو اپنے لئے زادِ آخرت اور رضاءِ الٰہی کا وسیلہ سمجھتے ہوئے اسی نابینائی اور معذوری کی حالت میں مضمون لکھایا جو ناظرین کرام نے اس عاجز کی معروضات سے پہلے ملاحظہ فرمایا ـــــــ اور عجب نہیں کہ اسی مخلص بندہ کے دردِ دل کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ نے اِس مبتلاءِ امراض بوڑھے ضعیف بندہ کے جسمِ ناتواں میں وہ کیفیت پیدا فرمادی جس نے وہ سب کچھ لکھوادیا جو آپ نے تکملہ کے زیرِ عنوان یہاں تک پڑھا۔ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ

---

آخر میں ناظرین کرام کو یہ بتلانا بھی مناسب ہے کہ تکملہ میں محترم مولانا ابو الحسن زید دہلوی اور حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید اور تقویۃ الایمان سے متعلق چند اور اہم باتیں بھی اس عاجز کو لکھنی تھیں لیکن یہ محسوس کر کے کہ جو لکھا جاچکا وہ بھی بہت ہوگیا ہے اسکو اِس وقت لکھنا مناسب نہیں سمجھا ـــــــ اگر زندگی رہی اور اللہ تعالےٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ الفرقان کے کسی قریبی شمارہ میں اسکو بھی پیش کیا جاسکے گا ـــــــ ناظرین کرام سے بھی دعا کی درخواست ہے ـــــــ واللہ الموفق وھو المستعان۔

# الفرقان میں شائع شدہ مقالاتِ فریدیؒ کی فہرست

(مرتبہ :۔ جناب قطب الدین ملا صاحب بلگام)

| عنوانات | جلد نمبر | شمارہ نمبر | صفحہ نمبر | کل صفحات |
|---|---|---|---|---|
| مشائخ چشتیہ اور سماع مزامیر | ۵ | ۶ | ۳۳-۴۰ | ۸ |
| تذکرۂ خلفائے مجدد الف ثانی رح | ۵ | مجدد الف ثانی نمبر ۸-۹-۱۰ | ۲۱۷-۲۴۴ | ۲۸ |
| آفتاب سرہند (نظم) | ۵ | " | ۲۸۱ | ۲۰ |
| مزار شاہ ولی اللہ پر پہونچ کر (نظم) | ۷ | شاہ ولی اللہ نمبر ۹-۱۰-۱۱-۱۲ | ۲۳۰ | ۱ |
| حضرت شاہ ولی اللہ اور دار العلوم دیوبند (نظم) | ۸ | ۲-۳ | ۷۱-۷۲ | ۲ |
| سرکارِ مدینہ (نظم) | ۱۷ | حج نمبر ۸-۹-۱۰ | ۱۵۷ | ۱ |
| اب[1] سے ایک سو چالیس برس پہلے قسط ۱ | ۱۹ | ۱۱ | ۱۲-۲۴ | ۱۳ |
| " " " " " قسط ۲ | ۱۹ | ۱۲ | ۲۵-۳۷ | ۱۳ |
| " " " " " " قسط ۳ | ۲۰ | ۱ | ۲۲-۳۴ | ۱۳ |
| بحر ولایت کے دو[2] آبدار موتی قسط ۱ | ۲۰ | ۶ | ۱۳-۲۶ | ۱۴ |
| " " " قسط ۲ | ۲۰ | ۷ | ۳۶-۴۸ | ۱۳ |
| تذکرۂ باقی[3] رح قسط ۱ | ۲۱ | ۱ | ۲۳-۳۱ | ۹ |
| " " " قسط ۲ | ۲۱ | ۲ | ۲۶-۳۳ | ۸ |
| " " " قسط ۳ | ۲۱ | ۳ | ۲۷-۳۲ | ۶ |
| " " " | ۲۱ | ۴ | ۲۸-۳۲ | ۵ |
| تاج العارفین | ۲۱ | ۶ | ۳۹-۴۸ | ۱۰ |
| طالبان سلوک کی ہمت افزائی (ترجمہ مکتوب خواجہ محمد معصوم) | ۲۱ | ۷ | ۲۹-۳۲ | ۴ |

[1] مرزا مظہر جان جاناں کی مجلس [2] خواجۂ کلاں و خواجۂ خرد۔
[3] شیخ تاج الدین سنبھلی رح خلیفۂ باقی رح

| عنوانات | جلد نمبر | شمارہ نمبر | صفحہ نمبر | کل صفحات |
|---|---|---|---|---|
| خواجہ[1] ابرار (تذکرہ) | ۲۱ | ۹ - ۱۰ | ۷۳-۸۴ | ۱۲ |
| شیخ الٰہ داد | ۲۲ | ۱ | ۲۰-۲۹ | ۱۰ |
| اعزاز العلماء کی عنایات (تذکرۂ اعزازؒ) | ۲۲ | ۸ - ۹ | ۹۴-۱۰۳ | ۱۰ |
| مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ قسط ۱ | ۲۳ | ۲ | ۸ - ۲۰ | ۱۳ |
| " " " قسط ۲ | ۲۳ | ۳ | ۱۱ - ۱۶ | ۶ |
| سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم (نعت) | ۲۳ | ۳ | ۵۶ | ۱ |
| مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ قسط ۳ | ۲۳ | ۴ | ۷ - ۱۲ | ۶ |
| " " " " ۴ | ۲۳ | ۵ | ۲۳-۳۱ | ۹ |
| " " " " ۵ | ۲۳ | ۷ | ۱۹-۲۵ | ۷ |
| " " " " ۶ | ۲۳ | ۸ | ۱۵-۱۸ | ۴ |
| " " " " ۷ | ۲۳ | ۹ - ۱۰ | ۱۷-۲۶ | ۱۰ |
| " " " " ۸ | ۲۳ | ۱۱ | ۱۲-۱۶ | ۵ |
| " " " " ۹ | ۲۳ | ۱۲ | ۹ - ۱۵ | ۷ |
| " " " " ۱۰ | ۲۴ | ۱ | ۳۱-۳۹ | ۹ |
| سید[2] احمد شہیدؒ | ۲۴ | ۲ | ۴۴-۵۵ | ۱۲ |
| مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ قسط ۱۱ | ۲۴ | ۳ | ۱۷-۲۴ | ۸ |
| " " " " ۱۲ | ۲۴ | ۴ | ۱۶-۲۳ | ۸ |
| " " " " ۱۳ | ۲۴ | ۵ | ۱۱-۱۸ | ۸ |
| " " " " ۱۴ | ۲۴ | ۶ | ۱۳-۱۹ | ۷ |
| " " " " ۱۵ | ۲۴ | ۷ - ۸ | ۱۷-۲۴ | ۸ |
| حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ | ۲۴ | ۹ | ۵ - ۳۲ | ۲۸ |
| الف[3] ثانی یا ہزارۂ دوم کا تجدیدی کارنامہ | ۲۴ | ۱۰-۱۱-۱۲ | ۴۸-۶۵ | ۱۸ |

[1] خواجہ حسام الدین خلیفۂ باقیؒ۔ [2] مہر کی کتاب پر تبصرہ۔ [3] تلخیص۔

| عنوانات | جلد نمبر | شمارہ نمبر | صفحہ نمبر | کل صفحات |
|---|---|---|---|---|
| تجلیات مجدد الف ثانیؒ قسط ۳۳ | ۳۱ | ۵ | ۶—۱۸ | ۱۳ |
| " " " " قسط ۳۴ | ۳۱ | ۶ | ۱۷-۲۵ | ۹ |
| " " " " " ۳۵ | ۳۱ | ۷ | ۲۳-۲۹ | ۷ |
| " " " " " ۳۶ | ۳۱ | ۸ | ۳۶-۴۴ | ۹ |
| " " " " " ۳۷ | ۳۱ | ۹-۱۰ | ۴۹-۶۱ | ۱۳ |
| " " " " " ۳۸ | ۳۱ | ۱۱-۱۲ | ۱۷-۲۲ | ۶ |
| " " " " " ۳۹ | ۳۲ | ۱ | ۱۷-۲۸ | ۱۲ |
| " " " " " ۴۰ | ۳۲ | ۳ | ۲۳-۳۲ | ۱۰ |
| " " " " " ۴۱ | ۳۲ | ۴ | ۲۳-۲۶ | ۴ |
| " " " " " ۴۲ | ۳۲ | ۵ | ۹-۱۶ | ۸ |
| " " " " " ۴۳ | ۳۲ | ۶ | ۲۶-۳۵ | ۱۰ |
| " " " " " ۴۴ | ۳۲ | ۷ | ۲۱-۲۵ | ۵ |
| " " " " " ۴۵ | ۳۲ | ۸ | ۲۷-۳۳ | ۷ |
| " " " " " ۴۶ | ۳۲ | ۹ | ۱۷-۲۴ | ۸ |
| حضرت شاہ ابو سعید حسنیؒ کے روابط حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور انکے خاندان سے | ۳۲ | ۱۱-۱۲ | ۶—۱۸ | ۱۳ |
| " " " " قسط ۲ | ۳۳ | ۱ | ۹-۲۴ | ۱۶ |
| " " " " " ۳ | ۳۳ | ۲ | ۱۳-۳۱ | ۱۹ |
| حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی چند خصوصیات[1] | ۳۳ | ۳-۴-۵ | ۴۱-۵۲ | ۱۲ |
| [2]سلسلۂ ولی اللہی کا ایک گمنام متبع شریعت درویش | ۳۳ | ۶ | ۱۶-۲۶ | ۱۱ |
| حضرت شاہ ابو الرضا دہلویؒ قسط ۱ | ۳۳ | ۸ | ۳۲-۴۱ | ۱۰ |
| " " " " " ۲ | ۳۳ | ۹ | ۳۳-۴۰ | ۸ |
| " " " " " ۳ | ۳۳ | ۱۰ | ۱۵-۲۸ | ۱۴ |

۱؎ دفتر سوم کا آغاز۔ ۲؎ حضرت شاہ عبد القادر رائپوری۔

| عنوانات | جلد نمبر | شمارہ نمبر | صفحہ نمبر | کل صفحات |
|---|---|---|---|---|
| حضرت شاہ عبدالرحیم فاروقی دہلویؒ قسط ۱ | ۳۳ | ۱۱ | ۲۳-۱۴ | ۱۰ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 ۲ | ۳۳ | ۱۲ | ۲۲-۱۵ | ۸ |
| 〃 〃 〃 〃 ۳ | ۳۴ | ۱ | ۲۲-۱۶ | ۷ |
| 〃 〃 〃 〃 ۴ | ۳۴ | ۲ | ۳۰-۱۹ | ۱۲ |
| 〃 〃 〃 〃 ۵ | ۳۴ | ۴ | ۲۳-۱۳ | ۱۱ |
| 〃 〃 〃 〃 ۶ | ۳۴ | ۶ | ۲۶-۱۹ | ۸ |
| 〃 〃 〃 〃 ۷ | ۳۴ | ۷ | ۲۵-۱۵ | ۱۱ |
| سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ مختصر حالات، ملفوظات، غیر مطبوعہ علمی و ادبی تبرکات | ۳۵ | ۱ | ۳۰-۱۶ | ۱۵ |
| 〃 〃 〃 〃 قسط ۲ | ۳۵ | ۲ | ۳۶-۲۵ | ۱۲ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 ۳ | ۳۵ | ۳ | ۳۲-۲۳ | ۱۰ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 ۴ | ۳۵ | ۴ | ۱۸-۱۲ | ۷ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 ۵ | ۳۵ | ۶ | ۲۰-۱۲ | ۹ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 ۶ | ۳۵ | ۷ | ۱۶-۱۰ | ۷ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 ۷ | ۳۵ | ۸ | ۲۱-۱۳ | ۹ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 ۸ | ۳۵ | ۱۲-۱۱-۱۰ | ۱۳۲-۱۲۹ | ۴ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 ۹ | ۳۶ | ۱ | ۲۴-۱۳ | ۱۲ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۰ | ۳۶ | ۲ | ۵۶-۴۷ | ۱۰ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۱ | ۳۶ | ۳ | ۳۶-۲۴ | ۱۳ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۲ | ۳۶ | ۴ | ۳۴-۲۵ | ۱۰ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۳ | ۳۶ | ۵ | ۵۶-۴۴ | ۱۴ |
| حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ اپنی وصایا اور نصائح کے آئینے میں | ۳۶ | ۱۲ - ۱۱ | ۳۱-۲۳ | ۹ |
| 〃 〃 〃 قسط ۲ | ۳۷ | ۱ | ۲۴-۱۹ | ۶ |

[1] خواجہ محمد عثمان دامان۔

| عنوانات | جلد نمبر | شمارہ نمبر | صفحہ نمبر | کل صفحے |
|---|---|---|---|---|
| پتے گل در برگ گل قسط ۱ | ۳۹ | ۱۱ | ۲۹-۲۴ | ۶ |
| 〃 〃 〃 〃 قسط ۲ | ۳۹ | ۱۲ | ۲۶-۱۹ | ۸ |
| 〃 〃 〃 〃 قسط ۳ | ۴۰ | ۱ | ۲۹-۲۵ | ۵ |
| 〃 〃 〃 〃 قسط ۴ | ۴۰ | ۲ | ۲۴-۲۰ | ۵ |
| 〃 〃 〃 〃 قسط ۵ | ۴۰ | ۳ | ۱۱-۷ | ۵ |
| 〃 〃 〃 〃 قسط ۶ | ۴۱ | ۲ | ۳۳-۲۶ | ۸ |
| 〃 〃 〃 〃 قسط ۷ | ۴۱ | ۳ | ۳۲-۲۷ | ۶ |
| 〃 〃 〃 〃 قسط ۸ | ۴۱ | ۵ | ۱۱-۷ | ۵ |
| 〃 〃 〃 〃 قسط ۹ | ۴۱ | ۸-۷ | ۲۸-۲۳ | ۶ |
| 〃 〃 〃 〃 قسط ۱۰ | ۴۱ | ۱۰ | ۲۹-۲۵ | ۵ |
| 〃 〃 〃 〃 قسط ۱۱ | ۴۱ | ۱۱ | ۱۶-۱۲ | ۵ |
| 〃 〃 〃 〃 قسط ۱۲ | ۴۱ | ۱۲ | ۲۰-۱۳ | ۸ |
| 〃 〃 〃 〃 قسط ۱۳ | ۴۲ | ۲-۱ | ۲۷-۲۰ | ۸ |
| قافلۂ اہل دل | ۴۲ | ۹ | ۱۹-۶ | ۱۴ |
| 〃 〃 〃 قسط ۲ | ۴۲ | ۱۰ | ۱۴-۴ | ۱۱ |
| 〃 〃 〃 قسط ۳ | ۴۲ | ۱۱ | ۲۴-۱۵ | ۱۰ |
| جواہر پارے (اقتباسات مکاتیب رشیدیہ) | ۴۳ | ۱ | ۲۹-۱۹ | ۱۱ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 قسط ۲ | ۴۳ | ۳-۲ | ۳۰-۱۹ | ۱۲ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 قسط ۳ | ۴۳ | ۸ | ۱۹-۱۳ | ۷ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 قسط ۴ | ۴۳ | ۹ | ۲۳-۱۷ | ۷ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 قسط ۵ | ۴۴ | ۱ | ۱۷-۹ | ۹ |
| 〃 〃 〃 〃 〃 قسط ۶ | ۴۴ | ۲ | ۳۱-۱۹ | ۱۳ |
| مولانا حکیم محمد صدیق قاسمی مرادآبادیؒ | ۴۴ | ۳ | ۳۷-۲۵ | ۱۳ |

۱؎ شاہ غلام علی مجددی مکتوبات کے آئینہ میں ۲؎ تذکرۂ خلفائے حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ

| نمبر شمار | عنوانات | جلد نمبر | شمارہ نمبر | صفحہ نمبر | کل صفحات |
|---|---|---|---|---|---|
| | جواہر پارے (تلخیص و ترجمہ مکاتب رشیدیہ) قسط ۷ | ۴۴ | ۷ | ۲۷-۲۱ | ۷ |
| | " " " " " قسط ۸ | ۴۴ | ۸ | ۲۴-۱۷ | ۸ |
| | " " " " " قسط ۹ | ۴۴ | ۹ | ۳۴-۲۵ | ۱۰ |
| | " " " " " قسط ۱۰ | ۴۴ | ۱۱-۱۰ | ۱۶-۷ | ۱۰ |
| | " " " " " قسط ۱۱ | ۴۴ | ۱۲ | ۱۴-۶ | ۹ |
| | " " " " " قسط ۱۲ | ۴۵ | ۱ | ۱۰-۶ | ۵ |
| | " " " " " قسط ۱۳ | ۴۵ | ۳-۲ | ۱۸-۱۳ | ۶ |
| | " " " " " قسط ۱۴ | ۴۵ | ۸ | ۱۸-۱۰ | ۹ |
| | " " " " " قسط ۱۵ | ۴۵ | ۹ | ۳۴-۲۹ | ۶ |
| | حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی اور ان کا خاندان | ۴۵ | ۳-۲ | ۳۱-۲۵ | ۷ |
| | آسمانِ علم و عرفان کے دو درخشندہ تارے حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی مہاجر اور حضرت شاہ محمد یعقوب محدث دہلویؒ مہاجر | ۴۵ | ۱۱-۱۰ | ۶۶-۵۲ | ۱۵ |
| | کاروانِ اہلِ فضل و کمال (تلامذہ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) | ۴۵ | ۱۲ | ۲۸-۲۱ | ۸ |
| | " " " " قسط ۲ | ۴۶ | ۱ | ۲۹-۲۵ | ۵ |
| | " " " " قسط ۳ | ۴۶ | ۲ | ۳۰-۲۷ | ۴ |
| | " " " " قسط ۴ | ۴۶ | ۳ | ۴۱-۳۲ | ۱۰ |
| | " " " " قسط ۵ | ۴۶ | ۴ | ۳۳-۲۹ | ۵ |
| | " " " " قسط ۶ | ۴۶ | ۵ | ۳۴-۲۹ | ۶ |
| | " " " " قسط ۷ | ۴۶ | ۶ | ۳۵-۳۱ | ۵ |
| | " " " " قسط ۸ | ۴۶ | ۷ | ۲۶-۲۱ | ۶ |
| | " " " " قسط ۹ | ۴۶ | ۸ | ۴۸-۴۱ | ۸ |
| | " " " " قسط ۱۰ | ۴۶ | ۱۰-۹ | ۲۸-۲۱ | ۸ |

| | جلد نمبر | شمارہ نمبر | صفحہ نمبر | کل صفحات |
|---|---|---|---|---|
| ″ ″ ″ ″ ″ قسط ۱۱ | ۴۶ | ۱۱ | ۲۵-۲۲ | ۴ |
| ″ ″ ″ ″ ″ ۱۲ | ۴۶ | ۱۲ | ۳۶-۳۱ | ۶ |
| ″ ″ ″ ″ ″ ۱۳ | ۴۷ | ۲ | ۲۵-۲۱ | ۵ |
| ″ ″ ″ ″ ″ ۱۴ | ۴۷ | ۳ | ۲۳-۱۹ | ۵ |
| حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی محفل ارشاد | ۴۷ | ۷ | ۴۳-۳۸ | ۶ |
| ″ ″ ″ ″ ″ قسط ۲ | ۴۷ | ۸ | ۳۵-۲۹ | ۷ |
| ″ ″ ″ ″ ″ ۳ | ۴۸ | ۴ | ۳۱-۲۱ | ۱۱ |
| ″ ″ ″ ″ ″ ۴ | ۴۸ | ۶ | ۳۰-۲۲ | ۹ |
| ″ ″ ″ ″ ″ ۵ | ۴۸ | ۷ | ۲۷-۲۱ | ۷ |
| ″ ″ ″ ″ ″ ۶ | ۴۸ | ۱۱-۱۰ | ۴۰-۳۳ | ۸ |
| ″ ″ ″ ″ ″ ۷ | ۴۸ | ۱۲ | ۲۵-۲۱ | ۵ |
| ″ ″ ″ ″ ″ ۸ | ۴۹ | ۱ | ۱۸-۱۴ | ۵ |
| ″ ″ ″ ″ ″ ۹ | ۴۹ | ۳ | ۳۴-۳۱ | ۴ |
| ″ ″ ″ ″ ″ ۱۰ | ۴۹ | ۴ | ۲۰-۱۶ | ۵ |
| آثار شیخ الہندؒ | ۴۹ | ۹-۸ | ۵۶-۴۱ | ۱۶ |
| ایک[1] عظیم شخصیت - اجمالی مطالعہ | ۵۰ | ۹ تا ۱۲ | ۳۸-۲۴ | ۱۵ |
| حضرت میاں سید اصغر حسین دیوبندیؒ اور درس ابوداؤد کی چند جھلکیاں قسط ۱ | ۵۴ | ۸ | ۳۱-۱۷ | ۱۵ |
| ″ ″ ″ ″ ″ ۲ | ۵۴ | ۹ | ۲۷-۱۵ | ۱۳ |
| مولانا ابوالحسن زید کی کتاب مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان پر مفصل تبصرہ | ۵۷ | ۸-۵ | ۱۹۹-۱۷۵ | ۳۲ |

نوٹ:- الفرقان کی جلد ۱۲ یعنی ۱۳۶۴ھ کی فائل دفتر الفرقان میں محفوظ نہیں رہ سکی ہے، جن صاحب کے پاس ہو وہ ادارہ کو مطلع فرمادیں انشاء اللہ مناسب قیمت پیش کردی جائے گی۔

[1] شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

اسلام میں پردہ کی حقیقت ۵/-
اعتراضات اور مفصل جوابات ۱۵/-
ارکان اسلام ۱۰/-
اسوۂ رسول اکرمؐ ۵۵/-
آخرت کے فکرمندوں کے ۵ قصے ۵/
احوال برزخ ۵/-
امت مسلمہ کی مائیں ۸/-
اسلامی معلومات ع۱ ۴/-
〃 〃 ع۲ ۵/-
〃 〃 ع۳ ۵/-
〃 〃 ع۴ ۵/-
ایک اہم دینی دعوت ۶/-
الحزب الاعظم مترجم ۱۰/-
تبلیغی سات نمبر ۱۰/-
چھ باتیں خورد ۴/-
چھ باتیں کلاں ۵/-
چھ باتیں اور مسنون دعائیں یکجا ۱۲/
چار ستارے ۲۰/
چہل ربنا ۲/
حیاۃ الصحابہ اول ۶۰/
〃 〃 دوم ۶۰/
〃 〃 سوم ۶۰/
〃 مکمل سٹ ۲۰۰/
حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ۲۰/

حضرت جی کی یادگار تقریریں ۱۲/
حل المشکلات ۸/-
حج اور اس کی دعائیں ۲/۵۰
حالات جہنم ۶/-
حکایات صحابہؓ ۱۲/
حضرت ابوبکرؓ ۵/-
حضرت عمرؓ ۶/-
حضرت عثمانؓ ۵/-
حضرت علیؓ ۵/-
خدا کی جنت ۷/-
خدا کا ذکر ۷/-
دعوت ذکر ۳/-
رسول اللہ کی صاحبزادیاں ۷/-
رسول اللہ کی پیشین گوئیاں ۹/-
رسول اللہ کی دعائیں ۹/-
رسول اللہ کی نعتیں وسلام ۷/-
سوانح محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ ۱۵/
صبح وشام کی دعائیں ۴/-
طب نبویؐ ۲۰/-
عورتوں کی نماز ۵/-
فضائل توبہ و استغفار ۳۰/
فضائل اعمال اول مع درود شریف ۵۰/-
فضائل اعمال دوم ۵۰/-

فضائل تہجد ۸/-
فضائل مسواک ۶/-
فضائل نماز ۷/-
فضائل تبلیغ ۵/
فضائل ذکر ۱۲/
فضائل قرآن ۷/
فضائل رمضان ۶/
فضائل صدقات مکمل ۳۶/
فضائل حج ۲۶/
فضائل درود شریف ۱۶/
مسنون دعائیں ۶/-
مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج ۳/
مسنون اور مقبول دعائیں ۵/
معین التجوید ۳/
مردوں اور عورتوں کے مخصوص مسائل ۵/
مسلمان خاوند ۷/
مسلمان بیوی ۸/
مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ ۱۸/-
میدان حشر ۹/
مسلم خواتین کے لئے بیس سبق ۷/
والدین کے حقوق ۶/
یٰسین شریف مع دعا نصف شعبان ۷/۵۰

**ENGLISH PUBLICATIONS**

| Title | Price |
|---|---|
| Uswai Rasool-E-Akram | 80-00 |
| Hayat-us-Sahabah (3 Vols Set) each Vol. | 150-00 |
| Stories of Sahaba | 30-00 |
| Fazail-e-Aamal | 80-00 |
| The Holy Quran By M. M. Pickthal Text & Trans | 75-00 |
| Riyazus salihseen (Vol. 1 & 2) | 250-00 |
| Six Fundamentals of Islam | 8-00 |
| Peculiar Personal Problems of Man and women | 10-00 |
| Hazrat Muhammad the Prophet of Islam | 12-00 |
| Hazrat Abubakr (Raz.) | 12-00 |
| Hazrat Osman (Raz.) | 12-00 |
| Hazrat Omar (Raz.) | 12-00 |
| Hazrat Khalid Bin Walid (Raz.) | 12-00 |
| Hazrat Aisha (Raz.) | 12-00 |
| Four Companions (Raz.) | 40-00 |
| Hazrat Ali (Raz.) | 12-00 |
| Al-Hizbul Azam | 18-00 |
| Fundamentals of Islam | 12-00 |
| Teachings of Tabligh | 15-00 |
| Quranic Advices | 15-00 |
| Prayers of the Prophet (saw) | 12-00 |

**FRENCH PUBLICATIONS**

| Title | Price |
|---|---|
| LESAINT CORAN | Rs. 100-00 |
| LE SE NEIGNEMENTS, DEL. ISLAM | Rs. 70-00 |

IDARA ISHAAT-E-DINIYAT
HAZRAT NIZAMUDDIN
NEW DELHI-110 013
(INDIA)

# المطبوعات العربية

| الكتاب | القيمة |
|---|---|
| الشيخ محمد الياسؒ ودعوة الدينية | ۸/- |
| حياة الصحابة ۱-٤ (مشكل ومحشى) | ٦٤/- |
| حياة الصحابةؓ ۱-۳ (قديم) | ۳۷۵/- |
| روضة الاحباب | ۳۰/- |
| رياض الصالحين | ٦۰/- |
| فضائل الاعمال | ۳۵/- |
| منظر الموت وما بعد الموت | ۳۵/- |
| دلائل الامور الستة | ۲۵/- |

# हिन्दी प्रकाशन

| पुस्तक | मूल्य |
|---|---|
| फ़ज़ाइले आमाल १ | ६५-०० |
| फ़ज़ाइले आमाल २ | ७५-०० |
| फ़ज़ाइले सदक़ात | ५०-०० |
| फ़ज़ाइले हज | [illegible]०-०० |
| फ़ज़ाइले दरूद शरीफ़ | १५-०० |
| हिकायाते सहाबा रज़ि० | २०-०० |
| फ़ज़ाइले नमाज़ | १०-०० |
| हज व उमरा और ज़ियारत तरीक़ा | १८-०० |

غور سے پڑھیئے

۱۔ اس سے پہلے کی تمام فہرستیں منسوخ سمجھیں۔
۲۔ آپکا آرڈر آنے پر کتاب کی جو قیمت ہوگی وہی لگائی جائے گی۔ ۳۔ مال منگوانے والے حضرات کم از کم ۲۵ فیصد رقم پیشگی ارسال فرمائیں۔ ۴۔ تمام اخراجات پیکنگ وی، پی وغیرہ بذمہ خریدار ہونگے۔ ۵۔ چیک، ڈرافٹ منی آرڈر اور رجسٹری لیٹر ارسال کرتے وقت اپنا مکمل پتہ صاف اور خوشخط لکھیے، ڈرافٹ اس نام سے بنوائیں۔

IDARA ISHAAT-E-DINIYAT

۲۶۴
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی تازہ شاہکار تصنیف
المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ
(دوسرا ایڈیشن ترمیمات وتصحیحات کے بعد)
یعنی امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مفصل سوانح حیات خاندانی خصوصیات، وہبی کمالات، خلفاء کی ترتیب زمانی میں حکمت الٰہی ومصلحت اسلامی، اسلام کے مفاد میں خلفاء ثلاثہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کا بے نظیر اخلاص وتعاون، خلافت مرتضوی کا عہد اور اس کی عظیم مشکلات مع بے نظیر زاہدانہ سیرت ومصلحانہ ومربیانہ کردار، فرزندان والا مقام (حضرت حسنؓ وحضرت حسینؓ) کی عطر بیز سیرت واخلاص اور ان کے اپنے اپنے وقت میں صحیح فیصلے اور اقدامات، آل رسول وسادات کرام کے اعلیٰ اخلاق وشمائل، امت کی اصلاح وتربیت کی دائمی فکر، اسلام کی تبلیغ واشاعت، جہاد فی سبیل اللہ، اور ممالک اسلامیہ کی حفاظت ودفاع میں ہر عہد میں ان کا قائدانہ واولوالعزمانہ کردار مستند کتب تاریخ ناقابل انکار واقعات وحقائق اور تجزیاتی وتقابلی مطالعہ کی روشنی میں۔
معیاری کتابت، آفسٹ طباعت، صفحات تقریباً ۴۶۴ قیمت روپئے
نوٹ:- خصوصی رعایت صرف اس کتاب کے لئے۔ ایک کتاب پر ۲۵٪ فیصد۔ پانچ کتاب پر ۳۰٪ فیصد، اور دس کتاب پر ۳۳٪ فیصد
مصارف ڈاک وپیکنگ خریدار کے ذمہ ہوں گے
مجلس تحقیقات ونشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ ندوۃ العلماء لکھنؤ

# حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کی دوسری گرانقدر تصنیفات

## اسلام کیا ہے ؟

نہایت آسان زبان، بے حد دلنشین
اور پُراثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا
جامع اور مکمل خلاصہ، مجلد عکسی ۱۲/-

## دین و شریعت

اس کتاب میں توحید، آخرت، رسالت
نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ، اخلاق و معاملات
دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور
احسان و تصوف کے مباحث پر تفصیل
سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ (زیر طبع)

## قرآن آپ سے کیا کہتا ہے ؟

قرآنی ہدایات اور اس کی اہم تعلیمات
کا جامع مرقع۔ جس میں سیکڑوں عنوانات
کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت
مؤثر اور دلنشین تشریحات کے ساتھ
جمع کیا گیا ہے، قیمت مجلد ۲۴/-

## کلمہ طیبہ کی حقیقت

اسلام کے کلمۂ دعوت "لا الٰہ الا اللہ
محمد رسول اللہ" کی ایمان افروز تشریح
قیمت ۱/۵۰

## نماز کی حقیقت

نماز کے متعلق اس [illegible]
سے واقف ہونے کے لئے [illegible]
[illegible]
[illegible]
بہت مفید ہے۔ [illegible]
قیمت ۸/-

## برکات رمضان

ماہ رمضان اور اس کے خاص اعمال
و وظائف کے فضائل و برکات اور ان کی
روحانی تاثیرات کا شوق انگیز بیان۔
قیمت ۵/-

## معارف الحدیث

احادیث نبوی کا ایک جامع انتخاب
آسان اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ
اس مجموعہ میں ان احادیث کا انتخاب کیا گیا
ہے جن کا انسانوں کی فکری و اعتقادی
اور عملی زندگی سے خاص تعلق ہے اور
جس میں امت کے لئے ہدایت کا خاص
سامان ہے ـــــ
قیمت مکمل، جلدیں مجلد عکسی ۲۰/- روپے

## تذکرہ مجدد الف ثانی

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف
ثانیؒ کے سوانح حیات، آپ کے عرفانی
اور ارشادی خصوصیات قیمت مجلد ۲۴/-

## شیخ محمد بن عبد الوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور ہندوستان کے علماء حق پر اس کے اثرات

نیا ایڈیشن ـــــ زیر طبع

## میری طالب علمی

مولانا موصوف نے اس کتاب میں
اپنی تعلیمی زندگی کے حالات بیان
کئے ہیں۔ نیا ایڈیشن ۲/-

## ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

جن لوگوں نے حضرت کو نہیں پایا وہ
ان ملفوظات کے مطالعہ سے آپ کو پوری
طرح جان و سمجھ سکتے ہیں۔ عکسی ۹/-

## منتخب تقریریں

آسان زبان میں مولانا نعمانی مدظلہ
کی ایمان افروز اصلاحی و تبلیغی تقریروں
کا مجموعہ۔ قیمت مجلد عکسی ۲۰/-

## آپ حج کیسے کریں ؟

یہ کتاب نہایت آسان و دلنشین انداز
میں حج کا طریقہ اور احکام و مسائل بھی
بتاتی ہے۔ اور وہ ذوق و شوق بھی پیدا
کرتی ہے جو حج و زیارت کی جان ہے۔
قیمت مجلد عکسی ۱۳/- غیر مجلد ۱۰/-

## آسان حج

آپ حج کیسے کریں کا خلاصہ، پاکٹ سائز
میں ـــ قیمت ۲/۵۰

## قرب الٰہی کے دو راستے

قرب بالفرائض اور قرب بالنوافل کی
تشریح، موجودہ حالات میں قرب بالفرائض
کو ترجیح کیوں؟ اس رسالہ میں پڑھئے
قیمت ـــ ۲/-

## تصوف کیا ہے ؟

تصوف کے موضوع پر یہ کتاب اپنے
اختصار کے باوجود افادیت و تحقیق اور
مباحث کے سلجھاؤ کے لحاظ سے بہت
ممتاز ہے۔
قیمت مجلد ۱۲/-

## بوارق الغیب

علم غیب کے مسئلہ میں حضرت نعمانی مدظلہ کی ایک ممتاز تصنیف جس میں چالیس قرآنی آیتوں سے بریلوی حضرات کے اس عقیدے کا باطل اور خلاف قرآن ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت ۲۸/-

## فیصلہ کن مناظرہ

اکابر علمائے دیوبند پر مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا تحقیقی جواب نیا ایڈیشن نئی کتابت کے ساتھ
۱۴/-

## شاہ اسمعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات

حضرت شاہ شہید جیسی مقدس ہستی پر معاندین اہل بدعت کے مکروہ الزامات کا تحقیقی جواب۔ قیمت ۶/-

## عقیدۂ علم غیب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اس سوال کا مدلل جواب قرآن وحدیث کے حوالوں کے ساتھ۔ قیمت ۲/-

## مسئلہ حیات النبی کی حقیقت

کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر موت طبعی وارد ہوئی؟ یا جس حیات کے ساتھ اس دنیا میں رونق افروز تھے اسی حیات کے ساتھ قبر مبارک میں منتقل کردیئے گئے؟ یا آپ کو دوسرے انبیاء کی طرح اس دنیا سے منتقل ہونے کے بعد کوئی خاص انتقالی حیات

حاصل ہوئی؟ - قیمت ۲/-

## مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف

مولانا نعمانی مدظلہ کی ایک اہم تصنیف اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے جس میں مولانا موصوف نے مودودی صاحب کی ان باتوں اور نظریات کی نشاندہی کی ہے جو امت کے لئے بالخصوص ان کے متبعین کیلئے زیغ وضلال کا باعث بن سکتے ہیں
قیمت مجلد عکسی قیمت ۱۸/-

## تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات

اس کتاب میں درج ذیل ۵ انتہائی اہم مضامین جمع کردیئے گئے ہیں۔

۱۔ تبلیغی جماعت کی اصل دعوت، بنیادی مقصد اور طریقہ کار کی وضاحت۔
۲۔ تبلیغی جماعت سے متعلق ایک سی آئی ڈی افسر کے ایسے سوالات کا جواب جو بہت سے دلوں میں پیدا ہوتے ہوں گے
۳۔ مولانا مودودی صاحب کا ایک مضمون جس میں انھوں نے اپنا یہ تاثر پورے زور قلم کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ اس زمانے میں احیاء دین کی جدوجہد کا صحیح طریقہ وہی ہے جو تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے۔
۴۔ تبلیغی جماعت پر "جماعت اسلامی" کی طرف سے کئے جانے والے اعتراضات کا جواب
۵۔ بریلوی جماعت کی تاریخ اور تبلیغی جماعت پر لگائے گئے ان کے الزامات اور بہتانوں کی حقیقت۔

قیمت عکسی ایڈیشن ۹/۵۰

## قادیانی کیوں مسلمان نہیں
## مسئلہ نزول مسیح وحیات مسیح

رد قادیانیت پر لاجواب کتاب جو عام وخاص سب کے لئے یکساں مفید ہے
قیمت ۱۰/-

## قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

قادیانیت پر مولانا کا یہ مختصر رسالہ "دریا بکوزہ" کا مصداق اور قادیانیت کے زہر کا مجرب تریاق ہے۔
قیمت ۳/۵۰

## کفر و اسلام کی حدود اور قادیانیت

اس میں قادیانی لٹریچر کے بیسوں حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ قادیانی فرقہ مرزا غلام احمد کو نبی ورسول مانتا ہے اس لئے وہ مسلمان نہیں۔
قیمت ۲/۵۰

## انسانیت زندہ ہے

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کی زندگی کے چار سبق آموز واقعات، فرقہ وارانہ فسادات کے موجودہ دور میں ایک ایسا رسالہ جو ہر ہاتھ تک پہونچنا چاہیئے
قیمت ۳/۵۰

## نماز اور خطبہ کی زبان

نماز اور خطبہ عربی میں کیوں پڑھا جائے اس بارے میں شرعی حکم اور حکمتیں اس کتاب میں بیان کی گئی ہیں۔
قیمت صرف ۳/۵۰

ہماری چند اہم مطبوعات
صحبتے با اہل دل
مرتبہ: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
عارف باللہ حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب بھوپالی
(عرف پیر نتھے میاں) کی عرفانی و اصلاحی مجالس کا
مرقع اور ان کے ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ جن
میں عصر حاضر کے ذوق اور مزاج کے مطابق زندگی
کی اصلاح کا پیغام، ایمان و یقین و کیفیت احسانی
پیدا کرنے کا سامان، اور حکایت و تمثیلات کے پیرائے
میں تصوف اسلامی کا عطر اور سلوک و معرفت کا لب
لباب آگیا ہے۔ قیمت: ۳۲/-
بریلوی فتنہ کا نیا روپ
از: مولانا محمد عارف سنبھلی
یہ کتاب ارشد القادری کی کتاب زلزلہ کا جواب
ہی نہیں بریلوی فتنہ پر ایک ضرب کاری ہے مسئلہ علم غیب اور
کائنات میں تصرف کے عقیدہ کی جو تنقیح کی گئی ہے وہ اس
کتاب کا خاص تحفہ ہے۔
ساتھ میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کا ایک اہم مضمون
علماء دیوبند پر بریلویوں کے الزامات کا پس منظر
بھی ملاحظہ کیجئے۔
قیمت: ۱۵/-
قرآن کی بساط پر رہنمائے تلاوت
از: سید محمود حسن ایڈوکیٹ مرحوم
تلاوت کی سنگین غلطیوں سے محفوظ رہنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے، قیمت صرف ۱۴/-
تاریخ میلاد
مولانا حکیم عبد الشکور مرزا پوری
مجلس میلاد کی مفصل تاریخ، اس کے بارے میں علماء کرام
کی آراء اور اس سلسلہ میں نقطۂ اعتدال کیا ہے۔ قیمت ۱۲/-
دربار نبوت کی حاضری
مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کے حج کے سفر کی عاشقانہ
و مستانہ داستان، مولانا کے اپنے طرز بیان میں
پڑھیے۔ نیا عکسی ایڈیشن۔ قیمت ۶/-
ملنے کا پتہ
الفرقان بکڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ یوپی

# [illegible] کی مطبوعات کی مختصر فہرست

## آپ بیتیاں

آپ بیتی مولانا دریابادی ۴۰/-
طوفان سے ساحل تک ۳۰/-
کاروان زندگی مکمل ۳ جلدیں ۱۰۰/-

## اسلامیات

اسلام مکمل دین مستقل تہذیب ۲۰/-
اسلام کا پیغام بنی نوع انسان کے نام ۲/-
اسلامیات اور مغربی مستشرقین ۱۰/-
اسلامی ثقافت ۴۵/-
اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش ۳۶/-
اسلام اور غیر اسلامی تہذیب ۲۲/-
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مکمل ۲ جلد ۸۰/-
تہذیب و تمدن کے اسلام پر اثرات ۱۸/-
مساجد اور اسلام ۵/-
معرکۂ ایمان و مادیت ۱۸/-
منصب نبوت ۳۲/-

## ایمان افروز قصے وحکایات

ارواح ثلاثہ (حکایات اولیا) ۲۵/-
اللہ والوں کے قصے ۶/-
ایک نہایت عجیب و غریب تاریخ القصہ ۱/۲۵
بچوں کی قصص الانبیاء اول تا پنجم ۳۶/-
حکایات صحابہ ۱۳/-

## تاریخ

تاریخ اسلام مکمل (از اکبر شاہ) ۱۶۰/-
تاریخ بیت المقدس ۲۵/-
بزم مملوکیہ ۲۵/-
بزم صوفیہ ۴۲/-

تاریخ اسلام مکمل ۴ جلدیں ۱۱۸/-
تاریخ الاحکام ۳۰/-
تاریخ حرمین شریفین ۳۲/-
تاریخ فرشتہ مکمل ۴ جلد ۱۸۰/-
عربی زبان و ادب عہد مغلیہ میں ۳۰/-
تاریخ دعوت و عزیمت مکمل ۵ جلد ۲۴۵/-
تاریخ الخلفاء ۵۵/-
ہندوستان کے عہد وسطی کا فوجی نظام ۲۳/-
ہماری بادشاہی ۱۵/-
یاد ایام ۱۵/-

## تبلیغ

ایک تبلیغی جماعت کی کارگزاری ۴/-
ایک مطالعہ یا ایک مغالطہ ۴/-
تبلیغ دعوت کا معجزانہ اسلوب ۲۰/-
تبلیغ کا مقامی کام ۱۵/-
تبلیغی تحریک کے بنیادی اصول ۱۰/-
روشنی اول ۲۰/- دوم ۲۶/-
فضائل اعمال یا تبلیغی نصاب اول ۵۰/-
" " " دوم ۵۰/-

## تجوید وقرات

ضیاء القرات ۴/-
جمال القرآن ۴/-
فوائد مکیہ ۲/۵۰
مظہر التجوید ۳/۵۰
نزہۃ القاری ۲/۵۰

## تذکرے

پرانے چراغ مکمل ۲ حصے ۵۵/-
تذکرہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی ۱۰/-

تذکرہ ائمہ اربعہ ۲۰/-
تذکرہ مصلح الامت اول ۲۰/- دوم ۲۷/-
تذکرۃ المصنفین ۲۶/-
کاروان ایمان و عزیمت ۱۲/-
وفیات ماجدی ۱۵/-

## تصوف

احیاء العلوم مکمل ۳۵۰/-
اکابر کا سلوک و احسان ۹/-
تالیفات مصلح الامت ۴۵/-
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک ۲۰/-
صراط مستقیم ۲۴/-
کلیات امدادیہ ۲۵/-

## تفاسیر قرآن

تفسیر ابن کثیر مکمل ۵ جلد ۴۲۵/-
تفسیر بیان القرآن مکمل ۲ جلد ۳۰۰/-
تفسیر معارف القرآن مکمل ۸ جلد ۵۰۰/-

## حج

آئینہ حرم ۳۵/-
حج کے چند مشاہدات ۳/-
حج کی شرعی حیثیت ۲/-
کاروان مدینہ ۲۲/-
معلم الحجاج ۱۵/-

## حدیث وعلوم حدیث

اکمل المفہم شرح صحیح مسلم مکمل ۲ جلد ۱۴۰/-
الابواب والتراجم مکمل ۲ حصے ۴۰/-
بخاری شریف مکمل مترجم عکسی ۳۵۰/-
ترمذی شریف مترجم عکسی ۲۵۰/-

تنظیم الاشتات مکمل -/۱۲
مشکوٰۃ شریف مترجم عکسی مکمل -/۲۱۰
علوم الحدیث -/۳۰

## حقوق

پڑوسی کے حقوق -/۲
حقوق زوجین -/۵
حقوق والدین -/۵
میاں بیوی کے حقوق /۵

## رد شرک بدعت اور شیعیت

آپ خود فیصلہ کریں کیا شیعہ مسلمان ہیں؟ ۱/۵۰
اعلیٰ حضرت کا دین -/۶
باطل شکن ۴/۵۰
بدعات محرم اور تعزیہ -/۶
بدعت کی باتیں مکمل -/۶۰
تعارف مذہب شیعہ -/۲۰
تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان -/۳۵
تقویۃ الایمان مجرد -/۶
بدعت کیا ہے -/۱۵
توحید کا خنجر -/۴
حق نما ۱/۵۰ حقیقت نما ۲/۵۰
دو متضاد تصویریں -/۱۲
دیوبند سے بریلی تک -/۱۰
رضاخانی ترجمہ وتفسیر پر ایک نظر -/۲
رضاخانیت کا تنقیدی جائزہ -/۱۲
زلزلہ در زلزلہ -/۱۵
شہید کربلا -/۱۵
شیعہ اور قرآن -/۲۴
قاتلان حسینؓ کی خانہ تلاشی -/۶
مذہب شیعہ کے چالیس بنیادی عقیدے ——— -/۴

## سفرنامے

دریائے کابل سے یرموک تک -/۳۲
دو مہینے امریکہ میں -/۴۰
دو ہفتے مغرب اقصیٰ مراکش میں -/۱۵
ڈھائی ہفتہ پاکستان میں -/۱۰
شرق اوسط کی ڈائری -/۵۰

## سیرت النبی

آخری رسول -/۱۸
اسوۂ رسول اکرمؐ -/۵۵
اصح السیر -/۵۵
النبی الخاتم -/۱۲
پیغمبر اعظم و آخر -/۶۰
رحمت عالم -/۱۰
رسول اکرمؐ کی سیاست خارجہ -/۳۵
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی -/۳۵
رسالتمآب -/۶۰
سیرۃ طیبہ -/۲۰
سیرۃ النبی مکمل، جلد غیر مجلد ۳۰۱/

## سیر و سوانح

اصحاب رسول -/۳۵
حیات امام ابوحنیفہ -/۴
بنات اربعہ -/۳۵
اشرف السوانح مکمل -/۱۲۵
جب ایمان کی بہار آئی -/۲۰
حیاۃ الصحابہ مکمل ۳ جلد -/۲۰۰
حیات خلیل -/۳۰
خلفائے راشدین -/۲۵
سوانح عبدالقادر رائے پوری -/۲۰
سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی -/۹۰
سیرت سید احمد شہید مکمل ۲ جلد -/۱۲
سیرت عائشہؓ /۲۵
سیرت مولانا محمد علی مونگیری -/۲۰
سوانح شیخ الحدیث محمد زکریاؒ -/۳۰
علامہ سید سلیمان ندوی -/۴۰
ہمارے اسلاف -/۱۰

## علوم قرآنی

آسان لغات القرآن -/۳۰
فقہ القرآن -/۴۰
قاموس القرآن -/۳۵
مطالعہ قرآن حکیم -/۲۵
مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی -/۱۵

## عورتوں کیلئے کتابیں

بہشتی زیور -/۴۵
پاک دسترخوان -/۳
حسن معاشرت -/۶
خواتین اور دین کی خدمت -/۴
ذائقہ ۶/۵۰
عورت اور پردہ -/۴
مسلمان بیوی مجلد -/۸ غیر مجلد -/۹

## فقہ و فتاویٰ

اصول الفقہ -/۲۰
امداد الفتاویٰ مکمل ۶ حصے -/۲۰۰
جدید فقہی مسائل ۲ حصے -/۳۶
جواہر الفقہ مکمل ۳ حصے -/۱۲۵
دین و دنیا -/۶
علم الفقہ -/۶۰ سپریم کورٹ کا فیصلہ -/۱۰
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل -/۱۱۰
فتاویٰ رشیدیہ -/۴ نیا ایڈیشن -/۴۵

## لغات و ڈکشنریاں

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| القاموس الجدید عربی اردو خورد | ۲۶/- |
| 〃 〃 اردو عربی | ۳۰/- |
| 〃 متوسط | ۸۵/- |
| بیان اللسان | ۵۰/- |
| المنجد ۱۲۰/- المعجم الوسیط | ۱۵۰/- |
| فیروز اللغات متوسط ۲۴ کلاں | ۱۲۵/- |
| مصباح اللغات | ۱۱۵/- |

## مسائل و احکام

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| اسلامی قانون وراثت | ۱۲/- |
| اشرف الجواب | ۵۰/- |
| اصلاح انقلاب امت مکمل ۲ جلد | ۳۶/- |
| تعلیم الاسلام مکمل مجلد | ۱۰/- |
| اشرفی بہشتی زیور بہشتی مکمل مدلل | ۵۵/- |
| چار فقہی تحقیقات | ۱۲/۵۰ |
| جدید میڈیکل مسائل | ۱۰/- |
| چند اہم فقہی مسائل | ۱۲/- |
| روزہ کی شرعی حیثیت | ۲/- |
| زکوٰۃ کی شرعی حیثیت | ۳/- |
| مسئلہ ایصال ثواب | ۱۵/- |
| معاشرتی مسائل | ۳۰/- |
| نان نفقہ کا مسئلہ | ۱۲/- |

## متفرقات

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| اقوال سلف | ۲۳/- |
| امثال عبرت | ۱۲/۵۰ |
| پیام امن | ۱۵/- |
| تجارت اور اسلام | ۴/- |
| جزیرۃ العرب | ۳۵/- |
| دولت اور غربت اسلام کی نظر میں | ۱۲/- |
| روح البیان مکمل ۲ جلد | ۳۶/- |
| زاد کارواں | ۱۰/- |
| سلسلۂ کوثر مکمل ۳ جلد | ۱۵۰/- |
| سائنس اور اسلام | ۶۰/- |
| عالم عربی کا المیہ | ۲۲/- |
| علم جدید کا چیلنج | ۲۸/- |

## مقالات، خطبات اور تقریریں

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| پاجا سراغ زندگی | ۲۲/- |
| پہلی تقریر سیرت (۲ حصے) | ۲۲/- |
| تحفۂ کشمیر | ۱۲/- |
| تحفۂ انسانیت | ۱۸/- |
| خطبات حکیم الاسلام مکمل | ۱۵۰/- |
| مقالات سیرت | ۲۰/- |
| طوبیٰ | ۵۰/- |
| تسہیل المواعظ مکمل | ۸۰/- |

## نماز

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| آئینہ نماز | ۶/- |
| ارکان نماز | ۲/- |
| برکت نماز | ۴/- |
| رہنمائے نماز | ۳/- |
| میری نماز ۷/- شرعی نماز | ۲/۵۰ |
| نماز کی شرعی حیثیت | ۴/- |
| نماز مترجم کلاں ۲/۵۰ خورد | ۲/- |

## نعتیں و سلام

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| بادۂ وحدت | ۲/- |
| پھول ہی پھول | ۱/۵۰ |
| تجلیات حرمین | ۳/- |
| خیر الامم کی بارگاہ میں | ۹/- |
| درود و سلام | ۲/- |
| سلام ہی سلام | ۱/- |
| روح | ۳/- |
| زمزمۂ نعت ۲/- فردوس | ۲/- |
| گلدستۂ اہل ذوق | ۱/۵۰ |
| نعتیں و سلام | ۳/۵۰ |
| گلستان حرم | ۲/- |
| نالۂ نیم شبی | ۱۲/- |

## ضروری بات

جگہ کی کمی کی وجہ سے مندرجہ بالا فہرست میں ہم نے موجودہ کتب میں سے صرف چند ہی کتب کا تذکرہ کیا ہے۔ ہمارے اسٹاک میں ان موضوعات پر اور بھی بے شمار کتابیں الحمد للہ موجود ہیں۔ نیز دیگر اہم موضوعات پر بھی بہت سی کتابیں ہیں۔ مثلاً معری و مترجم قرآن مجید۔ پارے، دعاؤں کے مجموعے، عربی مدارس میں رائج درسیات نیز ہندی، انگریزی اور عربی زبان کی اسلامی کتابیں ——— اگر آپ مزید کتابوں کے بارے میں واقفیت چاہتے ہوں تو آج ہی ۲/- کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر ہماری مفصل فہرست کتب طلب فرمائیں۔ — منیجر

**ملنے کا پتہ: الفرقان بکڈپو۔ نظیر آباد (۳۱ نیا گاؤں مغربی) لکھنؤ ۱۸**

ہر قسم کی مضبوط اور پائیدار جلد سازی کیلئے

ریڈیو - ٹیپ ریکارڈر - ٹرانزسٹر
یا
آپ اپنی گھڑی کی مرمت کرانا چاہیں تو ہمیں یاد رکھیں

# نیو انڈیا واچ کمپنی

نظیر آباد ———— لکھنؤ ۱۸



فون نمبر ۳۴۰۵۴

# انرجائل ہربل ہیلتھ ٹانک

ENERGILE HERBAL HEALTH TONIC

ایک انتہائی مفید اور طاقتور ٹانک —— خاص طور پر کمزوری کیلئے، خواہ وہ عام کمزوری ہو، یا سخت محنت اور پُر مشقت ورزش کے بعد کی کمزوری، بیماری کے بعد کی نقاہت ہو، یا بھوک کی کمی، شدید ذہنی تناؤ ہو، یا دماغی و ریاحی تکالیف بے وجہ وزن بڑھ رہا ہو، یا قوت مزاحمت میں گراوٹ محسوس ہوتی ہو ـ یہی نہیں بلکہ بڑھتے ہوئے بچوں کے لئے، حاملہ اور دودھ پلانیوالی عورتوں کیلئے بھی بیحد مفید اور اکسیر ٹانک

تیار کردہ:- شمع لیباریٹریز (یونانی اینڈ آیورویدک) دہلی ۶